بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید الائمہؑ

توحید مفضل اور وجود باری تعالیٰ پر آئمہ طاہرین علیہم السلام
سے مروی احادیث کا جامع مجموعہ

تالیف

مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری مرحوم

ناشر
اسلامک بک سنٹر اسلام آباد
C-362، گلی 12، G-6/2 اسلام آباد
فون: 051-2602155

Presented by Ziaraat.Com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : توحید الآئمہ
مترجم : مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری مرحوم
نظر ثانی : خان زمان علوی
اشاعت اوّل : جون 2011ء
تعداد : 1100
کمپوزنگ : یونیورسل کمپوزنگ سسٹم، اسلام آباد
فون: 0301-5092509
ناشر : سید عمار رضا کاظمی، اسلامک بک سینٹر
362-C، گلی نمبر 12، سیکٹر G-6-2، اسلام آباد
فون: 051-2602155
قیمت : -/300 روپے

Presented by Ziaraat.Com

فہرست

ابتدائیہ	ا
علامہ سید محمد ہارونؒ زنگی پوری کے حالاتِ زندگی	۳
کتاب کا مختصر تعارف	۵
پیش لفظ	۶
......از ڈاکٹر نعیم تقوی	
گفتار......از جعفر زیدی	۷
مقدمہ	۹
مجوس	۱۲
آفتاب کی حمد و ثنا	۱۶
ہنود	۲۰
یہود	۲۶
عیسائی	۳۱
اہلِ اسلام	۳۴
باب اوّل	
ابن ابی العوجاء (دہریہ) اور فلسفۂ توحید	۴۹
مفضل کا دہریہ کو جواب	۵۰
دہریہ کی مفضل کو تنبیہ	۵۰
مفضل امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں	۵۱

Presented by Ziaraat.Com

امام جعفر صادقؑ کا مفضل کو درسِ توحید	۵۲
انسان کی ابتدائی خلقت کی حکمتیں	۵۶
دانتوں کی ضرورت اور حکمت	۵۷
ڈاڑھی کی حکمت	۵۷
تفصیل بیان گزشتہ	۵۷
بچہ جب پیدا ہوتا ہے، کیوں ناسمجھ ہوتا ہے	۵۹
بچوں کے رونے کی حکمت	۶۱
بچوں کی رال بہنے کی حکمت	۶۲
آلات جماع کی ضرورت وحکمت	۶۳
جملہ اعضائے جسم کی کیا ضرورت ہے	۶۳
طبیعت فاعل اور خالق عالم نہیں ہوسکتی	۶۴
غذا خوری کے متعلق تدبیر اور حکمتیں	۶۵
مراتب نشو ونمائے جسم	۶۶
انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ	۶۷
آنکھیں سر میں کیوں بنائی گئی ہیں	۶۸
حاسے پانچ کیوں بنائے گئے ہیں	۶۸
دیگر حاسوں کی احتیاج	۶۹
حاسہ اور محسوسات کے درمیان رابطہ کیوں کر قائم ہے	۶۹
اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو کیا کیا نقصان پہنچے	۷۰
کان نہ ہوں تو کیا خرابی ہوگی	۷۱

Presented by Ziaraat.Com

عقل کا فائدہ	۷۱
بعض لوگوں کی اعضاء و جوارح سے محرومی کی وجہ	۷۱
سر ایک ہی کیوں پیدا کیا گیا ہے	۷۲
ہاتھ دو کیوں بنائے گئے ہیں	۷۳
آواز اور اس کے آلات	۷۳
حنجرہ کیوں پیدا ہوا ہے	۷۴
زبان کیوں پیدا کی گئی ہے	۷۴
دانت کیوں پیدا کیے گئے	۷۵
ہونٹوں کی حکمت	۷۵
دماغی حکمتیں	۷۶
سر کے بالوں کی حکمتیں	۷۶
آنکھ کے پپوٹے اور پلکیں	۷۶
دل کو سینے میں کیوں رکھا	۷۶
جگر نرم و رقیق کیوں بنایا	۷۷
مختلف اعضاء کی خلقت کی وجوہات	۷۸
انسان کی دو قسمیں مرد اور عورت کیوں ہیں	۷۹
انسان کو کام کے آلات کیوں دیے گئے	۷۹
انسان کو فہم کیوں دی گئی	۸۰
انسان کو تدبیر کرنی کس نے بتائی	۸۰
دل کی حکمتیں	۸۱

Presented by Ziaraat.Com

ڈاڑھ کے دانتوں کی حکمتیں ۸۳
بالوں اور ناخنوں کی حکمتیں ۸۳
لعاب دہن کی حکمت ۸۶
پیٹ بند کیوں بنایا گیا ۸۶
کھانے، سونے اور جماع کے متعلق امور حکمت ۸۷
بدن کی چار قوتوں کا بیان ۸۸
حواس خمسہ کا بیان اور ان کی حکمتیں ۹۰
نسیان کی حکمت ۹۱
گویائی کی طاقت اور اس کی حکمتیں ۹۲
انسان کا علم ۹۴
ایک آدمی دوسرے سے مشابہ کیوں نہیں ہوتا ۱۰۳
جانداروں کے جسم مخصوص حد تک کیوں بڑھتے ہیں ۱۰۴
انسان کو تکلیف کیوں محسوس ہوتی ہے ۱۰۴
حیوانات میں صرف نر یا صرف مادہ کیوں نہ پیدا ہوئے ۱۰۵
سنِ بلوغ پر مرد کے ڈاڑھی کیوں نکلتی ہے ۱۰۶
دوسری نشست ۱۰۷
حیوانوں کی جسمانی کیفیت ۱۰۹
تین قسم کے حیوانات کی تشریح ۱۱۱
(اوّل) انسان ۱۱۱
(دوم) درندے ۱۱۱

Presented by Ziaraat.Com

(سوم) چرند	۱۱۱
درندوں کی تشریح	۱۱۲
حیوانات کی ٹانگیں جفت کیوں بنائی گئیں	۱۱۳
اطاعت گزار چوپائے	۱۱۴
کتے کی حالتیں	۱۱۵
چوپاؤں کے چہروں کی کیفیت	۱۱۶
حیوانات کی دُم کیوں بنائی گئی	۱۱۶
ہاتھی کی سونڈ کے فوائد	۱۱۷
زرافہ کی ساخت	۱۱۸
بندر کی ساخت	۱۲۰
چوپاؤں کو ضروریات زندگی کی فراہمی	۱۲۰
چوپاؤں کے مُردوں کی حالت	۱۲۱
جانوروں میں اِدراک	۱۲۲
پرندوں کی پرداخت	۱۲۷
پرندوں کی خوراک	۱۳۲
بعض حیوانات کی خِلقت کی حکمتیں	۱۳۴
تیسری نشست	۱۳۹
آسمان کے بارے میں	۱۳۹
چاند کے بارے میں	۱۴۵
ستاروں کے بارے میں	۱۴۶

Presented by Ziaraat.Com

دن اور رات کے بارے میں	۱۵۳
گرمی اور سردی کے بارے میں	۱۵۴
ہوا کی حکمتیں	۱۵۶
زمین کے بارے میں	۱۵۸
پانی کی خصوصیات	۱۶۱
آگ کے عنصر کا بیان	۱۶۳
بارش کی خصوصیات	۱۶۵
پہاڑوں کی حکمت	۱۶۸
معدنیات کا بیان	۱۶۹
نباتات کا بیان	۱۷۱
چوتھی نشست	۱۸۴
آفات وحوادث تادیب واصلاح کے لیے ہیں	۱۸۴
انسان گناہوں سے معصوم کیوں رکھا گیا	۱۸۸
مصائب وتکالیف نیک وبد دونوں کے لیے کیوں ہیں	۱۹۱
جزا وسزا کی تقسیم میں اللہ کی مصلحتیں	۱۹۶
اللہ کی ذات عقل وادراک سے بالاتر ہے	۲۰۱
باب دوم	
حدیث اہلیلج (ہلیلہ یا ہریڑ)	۲۱۲
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہندی طبیب کو توحید کا درس دینا	۲۱۲
باب سوم	

Presented by Ziaraat.Com

دلائل وجودِ باری ائمہ طاہرینؑ کے چند واقعات کی روشنی میں	۲۹۲
انڈے سے استدلال توحید	۲۹۲
وجود صانع کی دلیل	۲۹۵
میدان جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کا درس توحید	۳۰۲
موحدوں کو کیا ثواب ملے گا	۳۰۴
معرفت توحید کا انعام	۳۰۵
مومنوں کے لیے جنت کی ضمانت	۳۰۶
معرفت امام زمانہؑ	۳۰۷
اللہ ہی معبود حقیقی ہے	۳۰۸
اللہ کی معرفت حاصل کرنا کیوں واجب ہے	۳۰۹
ثبوت واجب الوجود	۳۱۶
متعلق بتوحید خدائے تعالیٰ	۳۲۰
اللہ واحد ہے	۳۲۲
خدا کے کوئی بیٹا، بیٹی نہیں ہے	۳۲۳
خدائے تعالیٰ جسم وجسمانیت سے منزہ ہے	۳۲۴
اللہ ہر جگہ موجود ہے	۳۲۵
علم خدائے تعالیٰ	۳۲۷
علم خدا تعالیٰ کی کوئی حد وانتہا نہیں	۳۲۹
قدرت اور ارادۂ خدائے تعالیٰ	۳۲۹
کلام پروردگار عالمین	۳۳۱

Presented by Ziaraat.Com

حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے کیوں کر کلام کیا	۳۳۲
خدا دو نہیں ہو سکتے	۳۳۳
بُت پرستی کیوں کر شروع ہوئی	۳۳۵
آتش پرستی کب سے شروع ہوئی	۳۳۶
خدا کسی سے مشابہ نہیں	۳۳۶
معرفت پروردگار عالم	۳۳۷
فطرت کیا چیز ہے	۳۳۸
ذات خدا قدیم ازلی ہے	۳۳۹
کیا اللہ ہر شب پہلے آسمان پر اترتا ہے	۳۴۳
اللہ کے مکان کے ساتھ موصوف کر سکتے ہیں	۳۴۴
کیا آسمان و زمین چھ روز میں پیدا کیے گئے	۳۴۵
خدائے تعالیٰ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے	۳۵۰
خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا	۳۵۰
خدا کی صفات اور ذات ایک ہی چیز ہے	۳۵۷
علم	۳۶۰
قدرت و ارادۂ پروردگار	۳۶۲
ذات خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے	۳۶۴
اسمائے پروردگار عالمین	۳۶۵
جوامع توحید (نہج البلاغہ)	۳۶۷
خلاصہ ان بیانات کا جو ائمہؑ سے ہم تک پہنچے	۳۷۳

Presented by Ziaraat.Com

ابتدائیہ

کتاب توحید الآئمہ ایک جامع اور علمی کتاب ہے جس میں توحید پروردگار کو آئمہ علیہم السلام کی روایات سے بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد حضرت مفضل علیہ الرحمہ نے جو سوالات امام علیہ السلام سے کیے ان کے جامع جوابات اس کتاب میں درج ہیں۔

یہ کتاب دلائل وجود باری تعالیٰ پر ایک مدلل کتاب ہے یہ کتاب پاکستان میں پہلی بار ۱۹۸۵ء میں دارالاشاعت اسلامی پاکستان کی طرف سے شائع کی گئی۔ بعد میں مختلف احباب نے اس کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے توحید مفضل اور دلائل وجود باری پر علیحدہ علیحدہ حصوں میں شائع کیا۔ جس سے کتاب کی اہمیت کم ہوگئی۔

ہم نے احمد بک ڈپو کراچی سے اجازت لے کر اس کتاب کو معیاری طور پر اس کے اصل نام ''توحید الآئمہ'' سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم احمد بک ڈپو کے منتظمین کے بھی شکرگزار ہیں جنہوں نے فراغ دلی سے اس کی اشاعت کی اجازت دے دی اور خصوصی طور پر حضرت مولانا ملک آفتاب حسین جوادی کے بھی جنہوں نے مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری مرحوم کے حالات زندگی مختلف کتابوں سے حاصل کر کے ترتیب دیے ہیں۔

اسلامک بک سینٹر اسلام آباد پاکستان اپنی اعلیٰ کاغذ اور معیاری پرنٹنگ کے حوالے سے شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس ادارے کی طرف سے اس وقت تک درج ذیل کتب منصۂ شہود پر آچکی ہیں:

Presented by Ziaraat.Com

تزکیۂ نفس	سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین علیہ السلام
مقتل لہوف	برزخ کا سفرنامہ
گنہگاروں کا بھیانک انجام	انسان عدالت الٰہیہ کے روبرو
اوّل وقت نماز	ہجرت و جہاد
حقوق اموات	ایلیاً آدم اور علی
علیؑ اور تنہائی،	کشکول
نماز شیعہ	دعائے عرفہ امام حسینؑ ۔

اس کے علاوہ جن کتب پر مزید کام ہو رہا ہے ان میں اسرار حج آیت اللہ جوادی آملی، کتاب الزیارات مقامات مقدسہ، تنزیہہ الانبیاء و تنزیہہ الائمہ، قاتلانِ حسین کی گرفتاری و دیگر کئی کتب شامل ہیں۔ امید ہے قارئین اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ناشران اسلامک بک سینٹر اسلام آباد کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

اسلام آباد
۱۶ مئی ۲۰۱۱ء

والسلام
سید محمد ثقلین کاظمی

Presented by Ziaraat.Com

علامہ سید محمد ہارونؒ زنگی پوری کے حالاتِ زندگی

آپ ۲۴ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۸۷۶ء کو بمقام زنگی پور ضلع غازی پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ پانچ برس کی عمر میں اپنے والد بزرگوار مولانا سید عبدالحسنؒ سے ابتدائی تعلیم اصول وعقائد اسلامی حاصل کی۔ ذہانت وفطانت اس قدر زیادہ تھی کہ آپ نے ۱۳ سال کی عمر میں فارسی ادب اور انشاء پردازی میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ آپ نے ۱۴ برس کی عمر میں مولانا سید علی حسینؒ زنگی پوری اور مولانا سید محمد سمیعؒ زنگی پوری سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعدازاں آپ مزید حصول تعلیم کے لیے مدرسہ ایمانیہ بنارس تشریف لے گئے جہاں علام سید علی جواد رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرح مسلم، ملا حسن، شرائع الاسلام اور مختصر المعانی وغیرہ کتب درساً پڑھیں۔ ۱۳۱۰ھ میں آپ باقاعدہ مدرسہ شارع الشرائع ناظمیہ، لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ مولانا مظفر علی خانؒ مرادآبادی اور علامہ نجم العلماءؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ادبیات میں مولانا سید مہدی مصطفیٰ آبادی سے درس لیا۔ ۱۹۰۱ء میں مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اور مقتدر علماء کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی۔ مختلف مدارس دینیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے جب آپ ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ اینگلوعربیک ہائی اسکول، دہلی میں معلم اوّل، السنۂ شرقیہ مقرر ہوئے اور کم وبیش سات برس تک یہیں تعلیم دیتے رہے۔ دہلی ہی میں ۱۹۰۴ء میں آپ کو ایسا زہر دیا گیا جس کے اثرات آپ کے پورے جسم پر ہوئے۔ علالت بڑھنے پر آپ دہلی چھوڑ کر حسین آباد ضلع مونگیر میں قیام فرما ہوئے۔ وہاں بھی بیماری نے ساتھ نہ چھوڑا تو واپس وطن آ گئے۔ جب ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین قائم ہوا تو آپ کو شعبہ تصنیف وتالیف کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہاں سے ہی ۱۹۲۰ء

Presented by Ziaraat.Com

میں آپ کی پہلی گرانقدر کتاب ''ابطال التناسخ'' شائع ہوئی۔

آپ بلا شبہ مناظر اور متکلم کی حیثیت سے لاثانی تھے چنانچہ آپ نے ۱۹۱۸ء میں ڈیرہ غازی خان میں مختلف مکاتب فکر سے انتہائی کامیاب مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا۔ بالآخرہ ۵ دسمبر ۱۹۱۸ء کو فاتحانہ شان سے واپس تشریف لائے۔

تصانیف

بے پناہ مصروفیات کے باوجود آپ کی تصانیف اور علمی تحقیقات موجود ہیں جن میں قرآنیات، احادیث نبویہ، فقہ اسلامی، کلام و مناظرہ، رجال، اوراد و اذکار اور علم ہیئت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں: توحید القرآن، علوم القرآن، ملخص التفاسیر (عربی)، القول الحسین شرح الاربعین (عربی) چھ جلدیں۔ سبحہ حسینیہ، تحفہ حائریہ، مسئلہ مسح علی القدمین، امامۃ القرآن، السیف الیمانی رد قادیانی، تنقیح البیان (رد فرقہ اہل قرآن)، ابطال التناسخ، شذرات العقیان، منادید وطن، توحید الائمہ وغیرہ۔

وفات

زندگی بھر مکتب اہل بیتؑ کا دفاع اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہنے والے مسافر کی منزل بالآخر آ ہی گئی۔ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوگئے صرف ۴۶ سال عمر کے گزرے تھے کہ آخر قضا و قدر کا حکم آ پہنچا اور ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء کو روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

Presented by Ziaraat.Com

"توحیدُ الاَئمّہ"

کتاب کا مختصر تعارف

جسے عامتہ الناس کی تعلیم و ہدایت کے لیے مولانا الکامل مولوی فاضل و ممتاز الافاضل عالی جناب مولوی سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری دام فیضہ نے باوجود تعلقات کثیرہ کے حقیقی خلفائے رسولؐ اور امناء اللہؑ کے کلام سے ترجمہ کیا ہے تا کہ دنیا کے تمام مذاہب، ہنود، آریہ، عیسائی، یہود، مجوس وغیرہم جو جو معرفت اللہ کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ دیکھیں کہ اصلی توحید اور حقیقی معرفت اللہ یہ ہے جو اِس کتاب میں مندرج ہے اور اِس سے حق و باطل کا تفرقہ معلوم کریں کہ ان حکمائے مذہب اور خلفاء حقیقہ سے بڑھ کر کسی کو معرفت اللہ حاصل نہ تھی اور یہ کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی اقتدا باعثِ نجات ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

جناب پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی:

پیش لفظ

بعض تصانیف اپنی تمام تر افادیت کے باوجود ایک خاص ماحول اور وقت کے اعتبار سے گراں بہا ہوتے ہوئے گردشِ ماہ و سال اور مسائلِ نو کے سبب اپنی اہمیت مسلسل برقرار نہیں رکھ سکی ہیں۔ لیکن ''توحید الائمہ'' جو پیش قارئین ہے اس اعتبار سے نہایت وقیع و رفیع ہے۔ اس کتاب میں فلسفیانہ اور سائنسی استدلال اس نہج سے پایا جاتا ہے کہ یہ تصنیف دورِ حاضر کے متنوع تقاضوں پر محیط نظر آتی ہے۔ اس کا سبب قطعی طور پر یہی ہے کہ اس کتاب کے تمام مشمولات ان ذواتِ مقدسہ کے ارشادات و افکار کے تراجم ہیں جو اکتسابی علوم سے ماورئی ہیں۔

سرکار ختمی مرتبت علیہ التحیۃ والثناء کے روحانی جانشینوں کے ارشادات کا یہ ترجمہ مولانا محمد ہارون قبلہ اعلی اللہ مقامہ، فاضل علوم شرقیات ''صدر الافاضل و ممتاز الافاضل'' نے ایک زمانہ ہوا کیا تھا اور یہ ترجمہ بے نظیر زیور طبع سے بھی آراستہ ہوا۔

ایسی بے بہا اور ایمان افروز کتاب کی اشاعت آج بھی اقتضائے وقت کے تحت نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً معقولات کا نمایاں پہلو نئی نسل کے اذہان سے ازحد تطابق رکھتا ہے۔ اس سائنسی دور میں اس کتاب کی اشاعت کو ایک اہم ضرورت کی تکمیل سے تعبیر کرنا حقیقت امر کا اظہار ہے۔

الوہیت سے متعلق جو نظریات پیش کیے گئے اور دلائل و براہین سے جو استنتاج کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

انسان کی طبعی ساخت اور اس کی سائنسی توجیہات سے یہ کتاب ایک ارمغان بے بہا ہے۔

مجھے امید واثق ہے کہ رُجحانات عہد حاضر کے سبب یہ کتاب انتہائی درجہ مقبول رہے گی۔

Presented by Ziaraat.Com

گفتار

تمام تعریفوں کا سرچشمہ اور سزاوار حمد و ثناء وہی ذات واجب ہے کہ جس نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کر کے جناب ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس کا اختتام فرمایا اور حضورؐ جناب سرورِ کائناتؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری آپؐ کے بارہ اوصیاءؑ اول ان میں حضرت علی علیہ السلام اور آخر قائم آلِ محمدؑ حضرت صاحب العصر والزمانؑ ہیں، کو سونپ دی جو قیامت تک محافظ شریعت رہیں گے۔

مالک حقیقی و پروردگار عالمین کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ جناب سرور کائناتؐ کی شریعت کو آپؐ کی امت کے لیے شریعت سہلہ اور آپؐ کی امت کو امت مرحومہ قرار دے کر ہم گناہگاروں کی دنیا و آخرت درست فرما دی جبکہ دیگر انبیاءؑ و مرسلینؑ کی امتوں کو یہ سہولتیں میسر نہ آ سکیں۔ ساتھ ہی قرآن مجید جیسی جامع کتاب نازل فرمائی جو ہر لحاظ سے مکمل و مدلل اور معجزہ ہے۔ اگر ادبی لحاظ سے دیکھا جائے تو معجز نمائی و سخن رانی میں فصاحت اپنے حد کمال پر نظر آئے اور فصحائے عرب یہ کہتے ہوئے نظر آئیں کہ: ما ھذا کلام البشر یعنی یہ کلام کسی بشر کا نہیں ہوسکتا۔ اور اردو زبان میں یہ مصرع دہرایا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

ادب کیوں کہ ہر زمانہ میں جدت پذیر رہا ہے۔ اور ہر نئی نسل اپنے زمانہ میں اپنے ماحول و مزاج کے مطابق اپنے رہن سہن اور طور طریقوں کی تجدید کرتی رہی ہے۔ اسی اعتبار سے ادبی دنیا میں بھی تبدیلیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ عربی زبان ہو یا

Presented by Ziaraat.Com

فارسی، انگریزی ہو یا جاپانی، تقریباً ہر زبان میں کوئی نہ کوئی جدت ضرور رونما ہوتی رہی۔ یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو قدیم عربی رہی، نہ قدیم فارسی رہی، نہ کوئی دوسری زبان ہی اپنی قدیمیت پر باقی رہ سکی۔

اسی لحاظ سے اردو ادب بھی ہر زمانے میں جدت پسند رہا ہے۔ کیونکہ اردو زبان ایک ایسی وسیع زبان ہے کہ جس میں ہر زبان کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت موجود ہے اور اس کی آغوش ہمیشہ وا رہی ہے۔ اس زبان نے دوسری زبانوں کا صرف استقبال اور عزت افزائی ہی نہیں کی بلکہ ان کو ایک مقام عطا کیا اور اپنی آغوش کی حرارت سے پروان چڑھایا ہے۔

آمدم برسر مقصد، کتاب ہذا ''توحید الائمہ'' میں اب سے پچاس برس قبل کے الفاظ و محاورے استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے زمانۂ ادب کے لحاظ سے تو نہایت موزوں ہیں لیکن عہد حاضر کے ادبی اعتبار سے مناسب نہیں ہیں۔

لہٰذا موجودہ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے الفاظ و محاورات میں چیدہ چیدہ تبدیلیاں ناشر کی اجازت سے کر دی گئی ہیں۔ تاہم اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ مفہوم مؤلف برقرار رہے جو کتاب کی جان و روح ہے۔

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ وہ مؤلف و مترجم کتاب ہذا کی روح کو ثواب پہنچانے اور خود بھی مثاب ہونے کی غرض سے ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ توحید درود شریف کے ساتھ پڑھ کر ثواب بخش دیں۔

والسلام

احقر جعفر زیدی

Presented by Ziaraat.Com

مُقدّمہ

از مولوی سید محمد ہارونؒ زنگی پوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لِلّٰہ اقراراً بنعمتہٖ و استسلاماً بعزتہٖ والصّلٰوۃ علٰی نبیّہٖ و حبیبہٖ محمّدٍ خیر بریتہٖ و عجیب صنعتہٖ و غریب قدرتہٖ و علیٰ اھلبیتہٖ و عترتہٖ سیما علٰی اخیہٖ و صفوتہٖ و حامل شریعتہٖ و امین ملّتہٖ صلوٰۃ و سلاماً متصلا متواتراً لا انقطاع لمدتہٖ و لا احصاء لِعدّتہٖ.

اما بعد۔ اہل عقول پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عمدہ علوم و معارف معرفت پروردگار عالم ہے، کیونکہ انسان کو صرف دو عالموں سے تعلق ہے۔ ایک عالم دنیا، دوسرا عالم آخرت۔ دنیا میں رہ کر تو ان چیزوں کی معرفت بضرورت زندگی لازم ہوتی ہے جن پر بقائے حیات و بقائے تمدن ہے۔ لیکن چونکہ یہ عالم زندگی یقینی فانی ہے لہٰذا اُس جہان کی فکر مقدم ہے۔ اس لیے ہمیں اس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ہیں، کون ہیں، ہمارے گردوپیش کیا کیا چیزیں ہیں۔ وہ کیوں کر ہیں، کیوں ہوئیں، کس نے بنائیں، ہمیں کس نے بنایا، وہ کیسا ہے، وہ ہم سے کیا چاہتا ہے، وہ کس عظمت کا ہے، کس طاقت کا ہے، کس صفت کا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر ہم اس سے بالکل غافل رہیں اس کی معرفت حاصل نہ کریں، اس کی عبادت نہ کریں تو ہمیں اس دوسرے عالم میں جانے کے بعد سخت سزا دے، تکلیف میں ڈالے، ہم پر عذاب کرے اور ہماری غفلت کا سبب ہم سے دریافت کرے تو اس وقت ہم کچھ جواب نہ دے سکیں۔ اس لیے ہمیں نہایت ضروری ہوا کہ واقعی حالت اس کی معلوم کریں۔ اور جہاں تک ہو

Presented by Ziaraat.Com

سکےاس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔

یہاں تک تو شاید ہر قوم و ہر ملت کے افراد مانتے ہیں کہ ہم فانی ہیں ہم قابل سزا و جزا بھی ہیں، ہم سے بالاتر کوئی ہمارا مدبر و مصلح بھی ہے۔ البتہ وہ لوگ جو بالکل سائنس کے بندے ہیں ان کو اس میں تامل ہے کہ آیا، ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے یا نہیں۔ مگر جس وقت وہ بھی باقاعدہ عقل سے غور کرتے ہیں تو ان کو بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس عالم کا اور ہمارا خالق ہے جو بڑا حکیم، مدبر، عالم، قادر، عظیم وجلیل ہے۔

داعی مذہب دنیا میں جتنے آئے ان سب کا یک زبان یہی قول رہا کہ کوئی اس جہان کا پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ خواہ ہندو طریق پر انہوں نے دعوت کی ہو، عیسائی طریق، یا مجوسی طریق پر یا اسلامی طریق پر!! مگر طریقے مختلف تھے۔

مجوس، پارسی جو بہت قدیمی مذہب ہے ان کا تو خیال یہ رہا کہ خالق دو ہیں۔ ایک نور، ایک ظلمت۔ نیکی کا خالق نور ہے۔ بدی کا خالق ظلمت ہے۔ نور کا نام یزدان رکھا اور ظلمت کا نام اہرمن۔ مگر نور کو زیادہ طاقتور مانتے رہے۔ اسی لیے آتش پرستی اختیار کر لی۔ اب وہ آگ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ ہنود اگرچہ دعویٰ توحید کرتے ہیں اور زبانی طور پر خالق عالم کو واحد مانتے ہیں مگر عملاً اس کے برخلاف ہیں۔ پتھر کی مورتیں اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ مٹی کے جانور بنا بنا کر ان کو سجدہ کرتے ہیں جو بالکل شان موحد کے خلاف ہے۔

عیسائی، مذہب کا داعی اگرچہ بڑا سچا، بڑا پاکباز، بڑا برگزیدہ، بڑا عارف، بڑا عابد تھا، اس نے توحید تو ضرور سکھائی، مگر اس کے ماننے والے اس کے اصلی مقصود کو یا تو سمجھے نہیں یا شدت محبت کی وجہ سے غلو کرنے لگے اور حضرت عیسیٰؑ اور روح القدس کو خالق عالم کا شریک بنا دیا، اور تثلیث کے قائل ہو گئے، اس لیے یہ بھی موحد نہ رہے۔

Presented by Ziaraat.Com

یہود، زمانہ سابق کے تو بالکل خدا کو سمجھ ہی نہ سکے اس کے لیے بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا جانتے تھے۔ مگر اب کا حال معلوم نہیں ان لوگوں کے کیا خیالات ہیں۔ تاہم ایسے ہیں کہ ہندو، عیسائی، اہل اسلام اور مجوس سے ان کی رائے الگ ہے۔

اہل اسلام کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم موحد ہیں۔ چنانچہ ان کا قرآن جسے یہ لوگ کتاب خدا کہتے ہیں وہ بھی توحید ہی کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ٥ مگر اس فرقے میں بہت سے فرقے ہو گئے اور ہر ایک نے توحید میں ایک جداگانہ رائے اختیار کر لی۔ چنانچہ کچھ لوگ خدا کے جسم ہونے کے قائل ہو گئے۔ کوئی اس کے لیے مکان تجویز کرنے لگا، کوئی اس میں حوادث تجویز کرنے لگا، کوئی اس کے دیدار کا مشتاق بنا، کوئی اس کی صورت کا شیدا ہو گیا، کوئی اس کو خواب میں دیکھنے لگا اور کوئی جاگتے میں۔ غرض ان لوگوں نے اگرچہ دو خدا لفظاً نہیں مانے مگر واقعاً بڑا حصہ مسلمانوں کا صرف نام کا موحد رہا۔ باقی سب علامات و اقوال مشرکین کے سے اختیار کر لیے۔ اگر آپ میرے اس دعوے کی تصدیق چاہتے ہیں تو میرے اس آئندہ بیان کو پڑھیے۔ آپ کو ہر مذہب کا حال توحید کے متعلق معلوم ہو جائے گا اور اہل مذاہب کے خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد دیکھئے گا کہ عقل کیا کہتی ہے اور خالق کو کیسا ماننا چاہیے۔

میں مذاہب کے حالات اسی بنا پر لکھوں گا جو ان مذاہب والوں کی کتابوں میں مندرج ہیں یا ملل ونحل شہرستانی میں مذکور ہیں اس کی واقعیت اور سچائی کی ذمہ دار وہ کتابیں ہیں جن سے یہ باتیں اخذ کی جائیں گی[1]۔

---

[1] اس بیان سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب پر ناجائز حملہ کروں یا بلاوجہ اس پر نکتہ چینی کو کام میں لاؤں بلکہ صرف واقعی حالت کا دکھانا مطلوب ہے جس سے صحیح اور غلط رائے کا تفرقہ معلوم ہو سکے۔ اگر ان اہل مذاہب میں سے کوئی صاحب ملت میرے بیان میں غلطی پائے اور انہیں اپنے مذہب کی خوبی بدلائل عقلیہ اسلام کے اصول سے بہتر ثابت ہو چکی ہو تو ان کو اعلان دیا جاتا ہے کہ اسلام کی توحید سے وہ اپنی توحید کو عقلی دلائل سے بہتر ثابت کر دے میں ان کا ہم مذہب و ہم خیال ہونے کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ وہ اپنی رائے پر کوئی برہان انی یا لمی قائم کر سکیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اہل مذاہب اگر چہ دنیا میں بیشمار ہیں مگر مشہور مذاہب اور موجود بالفعل جو قابل اعتبار ہو سکتے ہیں یہ ہیں۔ (۱) مجوس (جن کو پارسی بھی کہتے ہیں)۔ (۲) ہنود۔ (۳) یہود۔ (۴) نصاریٰ۔ (۵) اہل اسلام اور اہل اسلام میں مشہور بڑے فرقے دو ہیں۔ (۱) اہل سنت والجماعت (جن کے مشہور فرق دو ہیں۔ اگر چہ تعداد فرق ان کی بہت ہے۔ ا۔ اشاعرہ، ۲۔ معتزلہ) ۲۔ فرقہ اہل اسلام شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ اگر چہ مطلق شیعہ کے بھی بہت سے فرقے ہیں۔ مگر مشہور بڑا فرقہ یہ ہے۔ ان سب کے اعتقادات کی مختصر مختصر حالت گزارش کی جاتی ہے۔

مجوس

میرا خیال ہے کہ یہ فرقہ بہت قدیم ہے اور غالباً ہنود کے مذہب سے بھی مقدم ہو۔ یہ دونوں فرقے بہت سی باتوں میں متفق ہیں اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کا ماخذ ہے۔ مثلاً مجوس بھی آفتاب کو قابل عبادت وحمد وستایش جانتے ہیں، ہنود بھی۔ مجوس بھی چاند کو قابل پرستش سمجھتے ہیں، ہنود بھی۔ مجوس بھی آگ کو معبود جانتے ہیں، ہنود بھی۔ یہ بات تو بالتفصیل آگے معلوم ہو گی مگر یہاں اس قدر معلوم کرنا چاہیے کہ مجوس کے مذہب کی نسبت ملل و نحل کے مصنف محقق عالم عبدالکریم شہرستانی نے کیا لکھا ہے:

یہ بھی معلوم رہے کہ اس مذہب کی کئی شاخیں ہیں اگر چہ حاصل ان سب کا تقریباً ایک ہی طرف رجوع کرتا ہے۔

ا۔ مجوسیہ: شہرستانی لکھتے ہیں:

ثم الثنوية اختصت بالمجوس حتى اثبتوا اصلين اثنين مدبرين قديمين يقتسمان الخير والشر والنفع و الضر والصلاح والفساد يسمون احدهما النور والثاني

Presented by Ziaraat.Com

الظلمة و بالفارسیه یزدان واهرمن

''جس کا حاصل یہ ہے کہ ثنویہ فرقہ مجوس سے خاص ہے۔ ان لوگوں نے دو اصلیں مدبر قدیم ثابت کی ہیں یعنی خالق عالم خدا دو ہیں۔ ان دونوں نے نیکی بدی، نفع نقصان اور صلاح وفساد کو آپس میں بانٹ لیا ہے۔ ایک نیک کام کرتا ہے، دوسرا بدکام۔ ایک کا کام نفع پہنچانا ہے تو دوسرے کا کام نقصان۔ ایک کا کام صلاح پیدا کرنا ہے دوسرے کا کام فساد۔ ان دونوں میں ایک کا نام نور ہے دوسرے کا نام ظلمت۔ فارسی میں ان کو یزدان اور اہرمن کہتے ہیں۔''

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے اعتقاد میں دو خدا اور دو خالق ہیں۔ جتنے اچھے کام ہوتے ہیں یزدان سے ہوتے ہیں اور جتنی برائیاں ہیں اہرمن سے ہوتی ہیں۔ (اب رہی یہ بات کہ دو خالق کا ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ عقل بھی تجویز کرتی ہے یا نہیں، یہ آگے معلوم ہوگا)۔

۲۔ **کیومرثیہ:** ان کے نزدیک صرف یزدان تو قدیم ہے۔ اہرمن حادث ومخلوق ہے۔ یزدان نے ایک مرتبہ غور کیا کہ اگر میرا کوئی مخالف ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ خراب فکر جو اسے لاحق ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہوگئی اسی ظلمت کا نام اہرمن ہے۔ چونکہ اہرمن فاسد فکر سے ہوا تھا۔ اس لیے اس کے مزاج میں شر وفساد تھا۔ آخر اس نے نور (یزدان) پر چڑھائی کی اور ان کے لشکروں میں خوب جنگ ہوئی۔ مگر فرشتوں نے بیچ بن کر ان کے درمیان صلح کرا دی۔ وہ صلح اس طور پر قرار پائی کہ عالم سفلی تو خالص اہرمن کے قبضے میں رہے اور عالم علوی یزدان کے قبضے میں۔ لیکن سات ہزار برس کے بعد اہرمن اپنا قبضہ اٹھائے اور پھر دونوں عالم یزدان کے ہو جائیں۔ (خلاصہ: صفحہ ۷۳-۷۴، ملل ونحل شہرستانی برحاشیہ ملل ونحل ابن خرم ظاہری)۔

Presented by Ziaraat.Com

اس بنا پر اگر فرض بھی کر لیا ہے کہ یہ موحد ہے اور اہرمن کو حادث مانتا ہے، تب بھی اس مذہب کی تنگ خیالی اسی سے ظاہر ہے کہ اپنے معبود کو ایسا جانتا ہے کہ اس میں خراب اور اچھی دونوں فکریں آیا کرتی ہیں۔ اس میں خوف بھی پیدا ہوتا ہے اسے مخالف کا ڈر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی کے دماغ بھی ہے جس سے وہ فکر وغور کرتا ہے اور جب دماغ ہوا تو جسم بھی ضرور ہو گا۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ جسے وہ یزدان کہتے ہیں اچھا خاصہ آدمی ہو گا جس میں ان سب مذکورہ بالا باتوں کا ہونا ممکن ہے۔ پھر تو پروردگار بھی قدیم اور واجب الوجود نہ ہو سکے گا۔ وہ بھی اگر اس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں تو ان کی غلطی ہے کیونکہ جو مجسم ہو اور اس میں فکر ردی وصحیح دونوں پیدا ہو سکیں وہ حادث اور ممکن الوجود ہو گا نہ واجب الوجود اور قدیم۔ (اس کی تشریح آگے معلوم ہو گی)۔

۳۔ زروانیہ: ان کا خیال یہ ہے کہ نور (جو ان کا خدا ہے) نے نوری اشخاص پیدا کیے تھے اور وہ سب کے سب روحانی و ربانی تھے۔ لیکن ان کا بڑا شخص جو زروان تھا اس کو کسی معاملہ میں شک پیدا ہو گیا اس شک کی وجہ سے اہرمن شیطان پیدا ہوا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ زروان نو ہزار نو سو ننانوے برس تک ریاضت کرتا رہا کہ اس کے کوئی بیٹا پیدا ہو مگر نہ ہوا۔ آخر اسے یہ خیال ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید یہ عالم کچھ بھی نہیں ہے محض دھوکا ہے۔ اس خیال فاسد کی وجہ سے اہرمن پیدا ہو گیا اور اس علم کی وجہ سے ہرمز۔ مگر دونوں کا حمل ایک ہی پیٹ میں قرار پایا۔ اہرمن چونکہ حیلہ گر تھا اس لیے جھٹ ماں کا پیٹ پھاڑ کر نکل آیا اور تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر بہت دنوں بعد ہرمز کو سلطنت دنیا ملی۔

بعض زروانیوں کا یہ خیال ہے کہ خدائے تعالیٰ میں یا تو کوئی خراب و ردی فکر تھی یا کوئی بدبودار چیز تھی جس سے اہرمن (شیطان) پیدا ہوا۔ (اس مذہب کی عقلمندی اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے معبود کے لیے بدبودار چیز، ردی فکر، بیٹے کا پیدا ہونا، ہرمز، اہرمن معبود کے بیٹے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں وغیرہ وغیرہ تجویز کرتا ہے)۔

۴۔ مسخیہ ہے: ان کا خیال ہے کہ نور (خدائے تعالیٰ) تنہا تھا، خالص تھا۔ پھر اس کا ایک حصہ مسخ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہوئی۔ (اب یہی دونوں مدبر عالم ہیں)۔ آدمی پر فالج گرنا اور اس کے کسی عضو کا بیکار ہو جانا تو سنا ہے اور دیکھا بھی ہے۔ مگر معلوم نہیں مجوسیوں کے خدا پر کیسا مادہ فاسد گرا جس نے اس کو بیکار اور مسخ کر دیا۔ میرے خیال میں ان کے ایسے مہمل خدا پر فالج ہی گرا ہو گا جس سے اس کا ایک حصہ بیکار ہو گیا اور اس سے اہرمن پیدا ہوا۔ (پناہ بخدا۔ دنیا میں اس عقل کے بھی لوگ ہوتے ہیں۔)

۵۔ زردشتی: زردشت مدعی نبوت کے پیرو! یہ زردشت گشتاسپ بن لہراسپ بادشاہ ایران کے زمانہ میں تھا۔ اس کی رائے میں خدا واحد ہے۔ لاشریک ہے مگر عالم کا مبدا اس کے نزدیک بھی نور اور ظلمت ہے۔ انہیں دونوں کے خِلط مِلط سے تمام عالم پیدا ہوا ہے۔

۶۔ مانویہ۔ مانی بن فاتک کا فرقہ: یہ شخص زمانہ شاپور بن اردشیر میں تھا جو زمانہ حیات مسیح علیہ السلام سے متاخر ہے۔ اس نے یہ خیال کیا ہے کہ عالم مصنوع و مرکب تو ہے مگر دو قدیم اور ازلی اصلوں سے بنا ہے۔ ایک نور، دوسرے ظلمت۔ یہ دونوں ازلی الوجود اور ابدی الوجود ہیں۔ نہ کبھی معدوم تھے نہ کبھی معدوم ہوں گے۔ یہ دونوں، دو قوتیں ہیں۔ جن میں حس سماعت، بصارت بھی موجود ہے۔ نفس، صورت، فعل اور تدبیر میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا نفس اچھا، دوسرا کا بُرا۔ ایک کی صورت اچھی، دوسرے کی بُری۔ ایک کا فعل اچھا، دوسرے کا بُرا ہے۔

غرض یہ تمام فرقے مجوس کے نور و ظلمت کے قائل ہیں۔ سوائے زردشتیوں کے اور باقی تمام فرقے انہیں دو کو خدا مانتے ہیں۔ خیر و شر کا فاعل انہیں کو سمجھتے ہیں اس لیے یہ فرقہ موحد نہیں ہے۔ علاوہ اس کے جو خرابی اس خیال میں ہے وہ یہ ہے کہ دو خدا یا بعبارت اُخروی دو

Presented by Ziaraat.Com

خالق خدیم ازلی کا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ جب دو قدیم ازلی ہوں گے تو یقیناً دونوں مرکب ہوں گے اور جو چیز مرکب ہے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ خیال کہ یزدان۔ یا نور صرف قدیم ہے مگر اس میں فکر ردی یا عفونت تھی جس سے ظلمت یا اہرمن یا شیطان پیدا ہوا۔ اس یزدان کی نہایت درجہ کمزوری کو ثابت کرتا ہے ہمیں تو ایسا خدا نہیں چاہیے جس میں بدبو، گندیدگی، نقص، فکر فاسد ہو۔ علاوہ بریں ایسا خدا حادث ہو گا جس میں اس قسم کی حادث چیزیں پائی جاتی ہوں۔ پھر تو اس کے لیے کسی اور خدا کی ضرورت ہوگی جس نے اسے پیدا کیا ہو اور وہ خود خدا نہیں ہو سکے گا۔

اس فرقہ کی کمزوری زیادہ تر اس سے سمجھی جاتی ہے کہ یہ لوگ آفتاب، چاند، آگ اور صبح، غرض ہر روشن چیز کو قابل عبادت و پرستش جانتے ہیں حالانکہ یہ سب کے سب کسی خالق کے مخلوق ہیں اور کسی صانع کے مصنوع ہیں، حادث ہیں، عدم سے وجود میں آئے ہیں، بے حس و بے ادراک ہیں۔ قابل زوال ہیں کسی کی عبادت کا احساس نہیں کر سکتے۔ پھر اصلی اور حقیقی معبود کو چھوڑ کر ان مصنوعات کی پرستش کرنا عجیب ہے۔ معلوم نہیں کہ کیونکر ان کے بانیان مذہب نے ایسے کمزور خیالات اختیار کیے تھے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ لوگ آفتاب، چاند، آگ اور صبح کو پرستش کے قابل جانتے ہیں۔ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے جو ژند پاژند میں مذکور ہیں۔

آفتاب کی حمد وثنا مع متن وشرح

گویا خدائے تعالیٰ زردشت کو سکھاتا ہے کہ تم اس طرح آفتاب سے دعا کرو اور اس کی ثناء وصفت کیا کرو" درود بر تو زند شہائے یزداں و فرجہاش۔ یعنی سلام وتحیت کہ دعائے جاویداں زیستن بود بر تو۔ اے روشنگر بزرگتر وگروندہ و ستودہ خجستہ و ہمایوں تر تابندہ از آفریندہ بے مایہ و مادنکش یعنی روشن شدہ از نور خالق خود کو بے ہمتا و بے امتداد زمان ترا

Presented by Ziaraat.Com

آفریدہ۔ گردندۂ درفزوں مہ مسترگش آفریدۂ خود بگردش سپہر خود کہ پاکسی از پذیرفتن۔ کشودہ شدن و پارہ گشتن و تازہ پیکر گرفتن وکہنہ پیکر گذاشتن وگردش راست ناچرخی۔ یعنی گردش کنندہ بگردش فلک خودش کہ از قبول کشادہ شدن وخرق وتجدید صورت بری ست از حرکت مستقیمہ برکران (ناچرخے حرکت مستقیمہ چرخی کہ حرکت دوری باشد" (ژند پاژند صفحہ ۳۴-۳۳)

غرض اسی طرح کئی ورق تک آفتاب کی ثنا وصفت وحمد ونماز کے طریقے مندرج ہیں۔ پھر اس کے بعد چاند کی نماز ہے۔ چنانچہ اس کے بھی چند جملے نذر ناظرین ہیں (صفحہ ۳۹)

"نموفیتہ وتماعہ نموفیتہ دیتہ۔ نماز بماہ دیدہ شدہ و نماز بدیداراد۔ و خوشنونرہ اہورہ مزدا اشم دہی۔ سہ گفتن فرورانہ ہرگاہ کہ باشد۔ ماہکہہ سہ گوچترہہ کی غشچہ اوداتیا کی غسچہ فوعرو سرہ ویا خشنوترہ یساغچہ و ہماسچہ خشنوترا عچہ فرہ سستہ ہچہ۔ ماہ گوسفند تخمہ راو کاوایوہ دادارو گوسفند پر سرورہ رایزش دنیائش و دعا۔ و خوشنودی و ستائش میکنم"۔

غرض کئی ورق تک چاند کی نماز مذکور ہے۔ اس کے بعد آگ کی نماز ہے (صفحہ ۴۴) نموسی آترش مزدا آہورہہ ہو دافزشتہ نیرہ تہ۔ نماز بتوائے آتش بلند ترین ولایق ستائیدن و پیدا کردنہ اور مزد نیک پیدایش پیدا کنندہ۔

Presented by Ziaraat.Com

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں (صفحہ ۴۵۔ ژند پاژند)

"اشتہ ہویا اہماعہ یزہ بسر تو یادہ فرایزاعتہ ایسموز یستوبر سموز سگوگا عوز ستوہا و نورستو۔ نیک بختی باو شخصے راکہ ترا ہمیشہ سے ستاید ایسم بدست و برسم بدست و جیوام بدست و ہاون بدست گرفتہ۔ یعنی ہر کس کہ ایں آلاتہاے یزش رابدست گرفتہ اور ابستاید بدونیک بختی باد"۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں تمام طاقتیں مثل خدا کے تسلیم کی گئی ہیں۔ (صفحہ ۴۶۔ ژند پاژند)

"واہامی آترش فترو آہورہے یزدا آرسو خاترم اسوسراعینم اسوجیتم فرعرو خاترم فوعروسراعیتم فوعروحیتم۔ اے آتش عزیز اور مزدتیز آسانی و تیز پرورش و تیز روشنی و ہر آسانی و ہر پرورش و ہر زندگی بخش بمن مستتم سیفانوخشوورم ہزدام اشہ جزو تیم فسجیة مسہ تم مراغتم ارونہ اشہ خرہ تیم فسجیتہ مسہ تم مزاعتم افیرہ آترم یزیام فسجیتہ ہام درہ تیم۔ بزرگی و دانش و شیرینی و فصاحت زبان و ہوشیاری براے رواں و پس ازاں خرد بزرگ کہ بابزرگی نامضطرب باشد و پس ازاں ہمت نیک مردانگی بنجش بمن"۔

Presented by Ziaraat.Com

غرض اسی طرح کی دعائیں آگ سے کی گئی ہیں اور آگ کی حمد وثنا ادا کی گئی ہے۔ اس کے بعد صبح کو دعا دی گئی ہے اور اس کی بھی نماز کا طریقہ لکھا گیا ہے۔ ژند پاژند کے دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے مصنف کے نزدیک جس طرح ''معبود حقیقی'' قابل پرستش ہے اسی طرح سورج، چاند، آگ، صبح بھی قابل پرستش ہیں۔ اور ان کو اس طرح خطاب کیا گیا ہے جیسے خدائے تعالیٰ کو خطاب کرنا چاہیے۔ اور ان سے اسی طرح دعائیں مانگی گئی ہیں جیسے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی جانی چاہیے۔ ان کو صاحب روح، صاحب حواس، صاحب ادراک، صاحب عقل، صاحب گوش وچشم تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں قدرت تسلیم کی گئی ہے۔ غرض جو ایک خدائے حقیقی کی صفت ہونی چاہیے وہ ان میں مان لی گئی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کو خدا کا بنایا اور پیدا کیا ہوا بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ مجھے زردشت پیغمبر مجوس سے اس بات کا تعجب ہے کیونکہ یہ تو خالق عالم کے وجود اور اس کے قدم کے قائل ہیں پھر کیونکر ان کو جرأت ہوئی کہ ایسی بے حس چیزوں کی بھی عبادت کرنے کا طریقہ لوگوں کو سکھایا۔ کیا سوائے معبود حقیقی کے کوئی مخلوق بھی پرستش کے قابل ہو سکتی ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو پھر معبود حقیقی اور ان مخلوقات میں کیا فرق رہا۔

اب دیکھیں اس مقام پر اسلام کی توحید کو۔ اہل اسلام خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو قابل پرستش نہیں سمجھتے۔ ہاں عناصر وموجودات عالم کو مخلوق خدا عجیب صنعت خدا کا نمونہ۔ اس کے آثار قدرت جانتے ہیں۔ مگر ان کو قابل عبادت نہیں جانتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بے حس وادراک ہیں۔ ان میں اتنی طاقت نہیں کہ بالارادہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ نفع یا نقصان پہنچانا ان کا طبعی فعل ہے جس کا ان کو خود ادراک نہیں ہوتا۔ جیسے (مثلاً) ملٹھی کا اثر کھانسی کو دفع کرنا۔ کنین کا اثر بخار کو روکنا۔ سنکھیا کا اثر زندہ کو مار ڈالنا ہے۔ مثلاً یہ افعال خواص طبعی ہیں ان کے اختیار وارادہ سے ان کا کوئی فعل نہیں ہوتا۔ یہ سب اپنے وجود

Presented by Ziaraat.Com

میں دوسرے کے محتاج ہیں۔ خصوصاً آگ تو حد سے زیادہ دوسری چیز کی محتاج ہے۔ ایک تو اسے ایندھن کی ضرورت ہے، اگر ایندھن نہ ہو فوراً بجھ جاتی ہے۔ دوسرے اسے روشن کرنے والے کی ضرورت ہے۔ آپ سے آپ آگ پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے اسباب و آلات مہیا کیے جاتے ہیں، ان سے آگ نکالی جاتی اور پھر بڑھائی جاتی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے کہ جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اور ہمارے علاوہ اور چیزوں کی محتاج ہو اس کو ہم سجدہ کریں۔

یہ تو حال زردشتیوں کا ہے جو خدائے واحد کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن ان کا کیا حال ہوگا جو نور و ظلمت ہی کو دراصل خدا جانتے ہیں۔ یا صرف نور ہی کو خدا جانتے ہیں اور ظلمت کو اس سے پیدا ہوا مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو آفتاب، چاند، آگ وغیرہ سب ہی خدائے حقیقی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ مذہب موحد نہیں ہے۔ اور صفات معبود حقیقی کو بالکل نہیں سمجھ سکا ہے۔ ان میں صرف زردشتی کسی قدر موحد ہیں مگر چونکہ آگ وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اس لیے یہ بھی مشرک ہو گئے۔

ہنود

ہنود بھی اپنے تئیں موحد کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ زبانی طور پر خدائے تعالیٰ کے بہت سے ایسے صفات بیان کرتے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نرنکار ہے۔ خالق ہے، مالک ہے، حی و قیوم ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر عملی طور پر اور نیز ان کی کتب کی تعلیم کے طریقے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تو ان کا مذہب کچھ اور ہے مگر مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے ایسا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی طور پر موحد بن گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ اگر غور کریں گے تو ضرور مسلمانوں کے اس معاملہ میں شریک ہو جائیں گے۔ ان کا عمل بالکل توحید کے برخلاف ہے۔ بتوں کی پرستش کرنی جنہیں آدمی خود ہی اپنے ہاتھوں سے

Presented by Ziaraat.Com

بناتے ہیں، کس قدر تعجب خیز ہے کیونکہ علاوہ اس نقصان کے کہ آدمی ہی کے مصنوع ومخلوق ہوتے ہیں۔ یہ بھی خرابی ہے کہ نہ تو وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہیں۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اگر تم انہیں سونے کا خول پہنا دو تو انہیں کچھ نہیں، اگر پھٹا چیتھڑا پہنا دو تو انہیں کچھ خبر نہیں، توڑ ڈالو تو انہیں محسوس نہیں ہوتا، بڑی حفاظت سے رکھو تو انہیں کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ اس پر زیادہ تر قابل افسوس تو یہ بات ہے کہ یہ مورتیں جگائی جاتی ہیں۔ ان کے آگے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں تا کہ جاگیں اور ان کی دعاؤں کو سنیں۔ کیا معبود کی یہی شان ہونی چاہیے؟

ان کی کتابیں بھی توحید کا سبق نہیں سکھاتیں۔ مسئلہ حلول یعنی یہ کہ پروردگار تمام چیزوں میں حلول کرتا ہے۔ یا یہ کہ تمام چیزیں عین خدائے تعالیٰ ہیں۔ ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ دیکھو(ا) آتئ ترابرہمنا۔ منتر اوّل صفحہ ۲۶)

(ا) ''انسان کا جسم بنا کے اس نے (خدا نے) اس کے کاسۂ سر کو پھوڑ ڈالا اور اس کے وسیلہ سے روح ہو کر داخل ہوا۔ اس لیے یہ (روح) برہم ہے۔ (یعنی خدا ہے)

(۲) تئ ترابرہمنا۔ صفحہ ۸۷۔ ''پرمیشور نے اپنے آپ میں چاہا کہ تمام چیزوں کو پیدا کروں اور اپنے اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے وہ تپسیا کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے تمام چیزوں کے مادے کو پیدا کیا اور تب اس نے ان کو اپنی روح دی اور اس طرح سے وہ خود ہی تمام چیزیں بن گیا۔ خواہ وہ دیدنی یا نادیدنی تھیں۔ وہ خود ہی گیان اور اگیان بنا، اور خود ہی ست اور است ہوا۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کو پرمیشور نہ جانے تو وہ ہاویہ دوزخ میں جائے گا۔''

(۳) سوتیا سوتر، منتر ۳۔ ''تو ہی عورت ہے اور تو ہی آدمی ہے، تو ہی لڑکا ہے تو ہی لڑکی ہے اور تو ہی خود ہی ہر ایک چیز ہے۔''

Presented by Ziaraat.Com

(۴) مشریک۔ ادہائے ۲۔ پاؤ ۳۔ سوتر ۴۴۔ ''وید سکھلاتا ہے پرمیشور ہی خود ہر ایک چیز ہے۔''

(۵) شریک اذہائے ۲۔ پاؤ ۳۔ سوتر ۴۵۔ ''پرمیشور فرماتا ہے کہ تمام جیو میرے بھاگ ہیں۔ وہ کہاں کہتا ہے؟''

بھاگوت گیتا۔ ادھائے ۱۵ اور ادھائے ۱۳ میں

(۶) گوپت برہمنا میں لکھا ہے:

''وہ جو خدمت کرتا ہے برہم ہے۔ جو چوری کرتا ہے وہ بھی برہم ہے۔ جیو ہو کے میں۔ ہر ایک چیز میں رچ گیا ہوں۔''

رگ وید۔ بھاگ ۲۔ سوکت ۔۹ صفحہ ۳۴۹۔ ''صرف پرمیشور ہی یہ تمام دنیا ہے جو کچھ ہو چکا ہے وہی تھا اور جو کچھ ہوگا وہی ہوگا۔ وہ مرتا نہیں موت اس کے قبضہ میں ہے اور خوراک کھا کر وہ بڑھتا ہے۔'' (خدائے تعالیٰ خوراک کھاتا ہے۔ عجیب)

(۱۰) منتر دہم۔ ''گھوڑے اور تمام حیوانات جو دو قطار دانت رکھتے ہیں گائے، بکری، بھیڑ اس سے نکلے ہیں۔''

(۱۱) منتر ۱۱۔ ''جب وہ تمام چیزیں بنا چکے (یعنی خدا صاحب) تو انہوں نے اس کو کتنے حصوں پر تقسیم کیا۔'' اس کا منہ کیا تھا۔ اس کے بازو کیا تھے۔ اس کی رانیں کیا کہلاتی تھیں اور کیا اس کے پاؤں۔

(۱۲) منتر ۱۲۔ ''برہمن اس کا منہ تھے۔ راجنیا۔ اس کے بازو تھے۔ وہ جو ویش تھے اس کی رانیں ہوئے اور شودر اس کے پاؤں سے نکلے۔''

(۱۳) منتر ۱۳۔ چاند اس کے دماغ (مانس) سے نکلا۔ سورج اس کی آنکھ سے۔ اندر

Presented by Ziaraat.Com

اور اگنی اس کے منہ سے۔ وایو (ہوا) اس کے سانس سے۔

اتھرو وید۔ کانڈ ۱۹۔ سوکت ۲۔ منتر ۵۔ ۷۔ ''اس کا منہ کیا ہے اس کے بازو کیا ہیں۔ اس کی رانیں کیا ہیں۔ اس کے پاؤں کیا ہیں۔ برہمن اس کا منہ ہیں۔ راجا، اس کے بازو ہیں۔ ویش اس کی رانیں ہیں اور شودر، اس کے پاؤں ہیں۔ اس کے منہ سے اندر اور اگنی اتپن ہوئے۔ اس کے سانس سے وایو۔ اس کی ناف سے زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ، اس کا سر آسمان ہے۔ اس کے پاؤں سے دنیا پیدا ہوئی۔ اور چہار اطراف اس کے کانوں سے نکلے۔''

یہ تمام عبارتیں کھڑک سنگھ صاحب اودھو کے ترجمے سے لی گئی ہیں جو انہوں نے بصورت لیکچر کے مسٹر مارٹن کلارک صاحب کی مدد سے لکھے ہیں۔ ان تمام عبارتوں سے توحید کے معاملہ میں بہت کچھ قصور سمجھ میں آیا۔ اول تو وحدتِ وجود کا مسئلہ سمجھا گیا۔ حالانکہ بالکل خلاف عقل ہے کہ خدا اور مخلوقات ایک ہی ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک آدمی۔ مثلاً جب سچ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے اور جب جھوٹ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے۔ جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جس وقت اپنی زوجہ سے صحبت کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے۔ جب ظلم کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جب انصاف کرتا ہے تو بھی وہ خدا ہی ہے۔ لہٰذا دنیا میں کوئی شخص قابل مذمت نہیں رہے گا۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے خدا ہی کا فعل ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔

اس میں ایک اور خرابی یہ لازم آئے گی کہ عبادت اور تپسیا بالکل فضول ٹھہرے گی۔ اس لیے کہ جب آدمی مثلاً خود ہی خدا ہے تو وہ کس کی عبادت کرتا ہے کیا اپنی ہی؟ کیا کوئی عقل اس بات کو تجویز کر سکتی ہے کہ ایک شخص معبود بھی ہوا اور عابد بھی۔ مالک بھی ہو، غلام بھی۔ خالق بھی ہو مخلوق بھی۔ اللہ بھی ہو، بندہ بھی؟ جب یہ نہیں ہے تو عبادت بیکار ہے حالانکہ

Presented by Ziaraat.Com

یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں؟

تیسری خرابی جو اس سے لازم آتی ہے یہ کہ خدا فانی بھی ہو اور باقی بھی۔ کیونکہ اپنی ذات سے تو وہ باقی ہے مگر جب آدمی۔ گھوڑا، خچر، پتھر، درخت، گھاس وغیرہ ہوا تو فانی ہوا، کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں۔ نیز یہ کہ بے تغیر بھی ہو باتغیر بھی کیونکہ یہ سب چیزیں اور ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتی رہتی ہیں۔

پھر ان بیانات سابقہ سے خدا کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے کیونکہ اس کو جہان کے پیدا کرنے کے واسطے عرصہ تک تپسیا کرنا پڑی تھی۔ کیسا کمزور خدا ہوگا جو صرف اپنے حکم سے جہان کو پیدا نہ کر سکا، بلکہ عرصہ تک اس کو ریاضت کرنی پڑی۔

پھر سابقہ عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ مرکب ہے تب تو اس کے منہ، رانیں، پیٹ، ناف، پاؤں وغیرہ ہوئے جن سے برہمن، شودر، راجا، ویش پیدا ہوئے۔ اور جب وہ مرکب ہوا تو حادث ہوا قدیم نہ ہوا حالانکہ اس کو قدیم ازلی مانا گیا ہے۔ یہ ہے کمیٔ توحید۔ اس کو خوب سمجھیں۔

مجھے اس بات سے بھی بہت تعجب ہے کہ جب ہادیان مذہب ہنود نے خدا شناسی کے میدان میں قدم رکھا اور اس کے وجود اور قدامت اور خالقیت رزاقیت، علم، قدرت وغیرہ صفات کمالیہ کو سمجھے اور قابل عبادت جان لیا، تو پھر کیا ہو گیا کہ اندر (آسمان یا بالائی قوت) اگنی (آگ)، چاند، سورج، صبح، شام، ہوا، پانی، زمین کی بھی عبادت کرنے لگے۔ کیا یہ سر جو تعظیم کے لیے جھکایا جاتا ہے اسی قابل ہے کہ ایسی مخلوق چیزوں کے آگے جھکے جن میں اختیاری کوئی طاقت نہیں، بلکہ صرف خالق کے حکم سے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں۔'' کیا پانی کو یہ اختیار ہے کہ جب ہم اس کی بندگی کریں گے تو ہمیں کسی وقت ڈوبنے سے بچا لے گا؟ کیا اگر آگ کی عبادت کریں گے تو ہم کو نہ جلائے گی کبھی ایسا نہ ہوگا۔ اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یکدم اندر آں افتد بسوزد۔

Presented by Ziaraat.Com

اس پر جو ہم دیکھتے ہیں کہ ویدوں میں صرف انہیں کی عبادت کی ہدایت کی گئی ہے اورانہیں کی عبادت کے طریقے بتائے گئے ہیں تو سخت تعجب ہوتا ہے۔

ہمارے پاس رگ وید کا حصہ۔ انو کا اٹھارہواں سکت (۱) تک ماسٹر لچھمن داس صاحب مدرس سینٹ سٹیفز کالج دہلی کا ترجمہ کیا ہوا موجود ہے مطبوعہ مطبع مرتضوی۔ اس میں سوائے آگ، سورج، چاند، اندر، وغیرہ کی عبادت کے اور کچھ ذکر ہی نہیں۔ خدائے تعالیٰ کا تو کہیں نام بھی معلوم نہیں ہوتا۔

شروع ہی کتاب سے آگ پرستش کی تعلیم دی گئی ہے۔

ورک (۱) میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو۔ کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا۔ اور بڑا ثروت والا ہے۔ مہما کرتا ہوں (حمد کرتا ہوں)۔

ورک (۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذروں کا پہنچانے والا اور علم کا حاصل کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے معہ دیوتاؤں کے یہاں آوے۔

سوکت ۳

(۱) اے اگنی معہ تمام دیوتاؤں کے سوم کا رس (میٹھا عرق) پینے کو ہمارے پوجا میں آ اور نذر پیش کر۔

(۸) ان دیوتاؤں کو جن کی ہم پرستش اور تعریف کرتے ہیں سوم کا رس ارگ چڑھتی وقت پلا۔

(۳) اے اگنی اندر۔ وایو برہپتی۔ متر۔ اگنی پستان، بھاگا۔ ادیتاوں اور مروت کے گروہوں کو نذر پیش کر۔ (یہ سب نام دیوتاؤں کے ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے)۔

سکت ۶

(۱) ”یہ تیز اور نعمتوں سے پُر سوم کا رس چڑھا گیا ہے۔ اے وایو (ہوا) آ اور اس چڑھائے ہوئے رس کو پی۔“

Presented by Ziaraat.Com

(۲) ہم اندر (آسمان) اور وایو (ہوا) دونوں دیوتاؤں کو جو دیولوگ میں رہتے ہیں۔سوم کا رس پینے کو بلاتے ہیں۔(دیوتا کو رس پلایا جاتا ہے)

انوکا ۱۲ا۔سکت ۱

(۳) ''اگنی خوراک کے مانند خوشگوار ہے۔زمین کے مانند وسیع ہے۔پہاڑ کے مانند ترکاریوں کا پیدا کرنے والا ہے۔پانی کی مانند خوش نما ہے۔وہ گھوڑے کے مانند ہے جس کو رن میں حملہ کرنے کو دباتے ہیں اور بہنے والے پانی کے مانند ہے اسے کون روک سکتا ہے۔''

غرض اسی طرح۔اندر (آسمان) ہوا، اگنی، مارت جو اندر کا مددگار ہے۔اسونوں، ورن، تروتی وغیرہ دیوتاؤں کی عبادت کے طریقے اور ان کی حمد اس تمام حصہ رگ وید میں مذکور ہے۔علاوہ خدائے تعالیٰ کی کہیں ایک حرف بھی حمد وثنا نہیں۔[1]

یہود

ان کے پانچ فرقے ہیں۔(۱) سامریہ، (۲) صدوقیہ جو حضرت عزیر نبی کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں، (۳) عنانیہ، (۴) ربانیہ اور (۵) عیسویہ (اصحاب ابوعیسیٰ اصبہانی)

ان پانچوں میں سے صرف صدوقیہ فرقہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اور یہ بات توحید کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ اگر اس کے بیٹا ہو تو ضرور ہے اس کے کوئی جورو بھی ہوگی اور جب جورو ہوئی تو اس سے ہمبستری کی بھی نوبت آئے گی۔اس طرح تو خدائے تعالیٰ کا تجسیم

۱۔ یہ کمزوری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ عناصر وافلاک ونجوم کے جو تاثیرات عالم میں دیکھے گئے تو ابتدائی زمانے کے آدمی جن کی عقلیں محدود، علم محدود، خیالات محدود تھے ان کو اپنا معبود سمجھنے لگے۔ یہ تو سمجھے نہیں کہ یہ سب مخلوقات ہیں۔ہمارے ہی فائدے کے لیے ان کو کسی اور مدبر عالم نے پیدا کیا ہے وہاں تک تو نظر پہنچ نہ سکی انہیں مادہ ومادیات میں پھنس کر رہ گئے۔اور اب بھی جبکہ علم وعقل کا زمانہ ہے اسی لکیر کے فقیر چلے جاتے ہیں۔یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ایسے معبود حقیقی، خالق عالم مدبر جہان، قادر مطلق، صناع عجائب اشیاء کو چھوڑ کر کیا بے اختیار چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔حالانکہ عقل صحیح اسے پسند نہیں کرتی۔

Presented by Ziaraat.Com

ثابت ہوتا ہے جو اسے حادث بنائے دیتا ہے حالانکہ وہ قدیم ہے۔

توریت جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے عمل درآمد کی کتاب ہے اس میں بھی خلاف معرفت وتوحید بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً خدا کا باغ میں ٹہلنا۔ کیا وہ کوئی آدمی ہے جسے تفریح کے واسطے باغ میں سیر کرنے کی ضرورت ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس صفحہ ۷)

(قصہ آدم وحوا میں) ''اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی جورو نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔''

اگرچہ آدمؑ وحوا کا قصہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے مگر اس میں خدائے تعالیٰ کا باغ میں ٹھنڈے وقت پھرنا نہیں لکھا گیا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت موجود محرف ہے ورنہ اس میں ایسی خلاف عقل باتیں نہ ہوتیں۔

ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کے بہت سے بیٹے تھے۔ یہ مفہوم اس عبارت کا ہے جو آئندہ مذکور ہوگی۔ (دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۱۱) ''جب زمین پر آدمی بہت ہونے لگے اور ان سے بیٹیاں ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے (وہ) خوبصورت ہیں اور ان سبھوں سے جو پسند آئیں اپنے لیے جورواں لیں۔'' تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرے گی وہ تو بشر ہے تو بھی اس کے دن ایکسو بیس برس اور ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے ایک چھوڑ بہت سے بیٹے ہیں اور آوارہ بھی ہیں، کیونکہ آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھ کر للچائے اور ان کو اپنی جورویں بنانا چاہا۔ مگر خدائے تعالیٰ نے روک دیا۔

Presented by Ziaraat.Com

توریت موجودہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انجام کا حال معلوم نہیں ہے وہ اپنے کاموں میں غلطی بھی کرتا ہے۔ اور جب اس کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے تو آخر پچھتاتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس ص ۱۱ مطبوع لودیانہ مشن پریس)۔

''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل میں تصور اور خیال روز بروز صرف بدہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ محرف توریت کی دماغی قوت اسی قدر تھی کہ وہ اپنے حقیقی معبود لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے واسطے ''دل'' اور ''افسوس'' وغیرہ تجویز کرے۔ (دیکھو کتاب مقدس ص ۱۵ مطبوع لودیانہ مشن پریس آیت ۲۱)۔

''اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لیے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نہ کروں گا۔ اس لیے کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر سارے جانوروں کو نہ ماروں گا۔''

توریت حضرت موسیٰؑ کے قصے میں تو خدائے تعالیٰ کی رویت وجہ کا انکار کرتی ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں بتاتی ہے کہ ابراہیم کو خدا دکھائی دیا۔ جس سے اس کا مجسم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس کتاب پیدائش ص ۲۱ آیت ۷)

''تب خداوند نے ابرام (ابراہیمؑ پیغمبر) کو دکھائی دے کے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔''

توریت یہ بھی سبق دیتی ہے کہ آدمی اور خدا کی ایک ہی صورت ہے اور جب اس کی کوئی صورت ہوگی تو اس میں مادہ بھی ضرور ہوگا جس پر اس صورت کو قیام ہے۔ لہٰذا مرکب ہو

Presented by Ziaraat.Com

گا اور جب مرکب ہوگا تو ضرور ہے کہ اپنے مرکب ہونے سے پہلے معدوم رہا ہوگا۔ کیا کوئی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ بھی معدوم رہا ہو۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے۔

(دیکھو باب پیدائش ص ۴۔۵ کتاب مقدس آیت ۲۶-۲۸)

''تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنے مانند بنا دیں کہ دے (وہ) سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں، سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا۔''

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی خدا کے مانند ہے کیونکہ اس نے آدمی کو اپنے مانند اور اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جسے اکثر مسلمانوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ داؤد خوارزمی کا قول آئندہ آئے گا۔ وہ کہتے تھے کہ:

''خدا کے ہاتھ، پاؤں، منہ، آنکھ، ناک، خون، گوشت، بال (اور وہ بھی گھونگر والے) سب ہیں۔''

مسلمانوں نے آدمی کا بصورت خدا ہونا بھی بیان کیا ہے اور اس پر یہ تہمت لگائی ہے کہ رسولؐ خدا نے ایسا فرمایا ہے۔ (دیکھو کتاب ملل ونحل شہرستانی۔ جلد اول ص ۱۴۰-۱۴۱)۔

''اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے اپنے رسول محمد مصطفےٰ سے مصافحہ بھی کیا ہے۔'' اور یہ بات آپ رسولؐ خدا نے بیان فرمائی ہے۔ (معاذ اللہ من ذالک)

یہی گروہ مسلمانوں کا مشبہ کہا جاتا ہے۔ ان کو شیعہ اثنا عشری گروہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جن کے اماموںؑ کی بیان کردہ توحید اس رسالہ میں مندرج ہوگی۔

اس بات کا ثبوت کہ یہودیوں کی کتاب توریت سے تجسیم باری تعالیٰ کا مسئلہ

Presented by Ziaraat.Com

مسلمانوں نے لیا ہے۔ وہ ہے جو آئندہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ کھانا بھی کھاتا ہے، جیسا کہ وید کا پہلے قول نقل ہو چکا ہے کہ: خدائے تعالیٰ خوراک کھا کر بڑھتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس مطبوعہ لودیانہ مشن پریس ص ۲۸-۲۹)

''پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اسے (ابراہیمؑ کو) نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں وہ انہیں دیکھ کر خیمے کے دروازے سے ان کے ملنے کو دوڑا اور زمین تک ان کے آگے جھکا اور بولا کہ اے خداوند اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے تو اپنے بندے کے پاس سے چلے نہ جایئے کہ تھوڑا سا پانی لایا جاوے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کیجئے۔ (کیونکہ معاذ اللہ خدا صاحب چلتے چلتے تھک گئے تھے۔ اور بیٹھایا بھی کہاں......؟ درخت کے نیچے اپنے خیمے میں نہ آنے دیا۔) ''میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں تازہ دم ہو جایئے۔ اس کے بعد جایئے گا کیونکہ اسی لیے اپنے بندے کے یہاں آئے ہیں۔'' (یعنی روٹی کھانے۔ واہ رے معرفت خدا کی بھی خوب ہی قدر کی)۔

اس قدر نقل عبادت توریت کی اہل بصیرت کے واسطے کافی ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہود کو خدائے تعالیٰ کی کس درجہ معرفت حاصل تھی۔ اور ان کے خیالات اس کی نسبت کیا تھے۔ ان کی قوت دماغیہ کہاں تک تھی اور اب بھی جو اسی رائے پر جمے ہوئے ہیں تو کہاں تک ان کا یہ جمود قابل قدر ہے میں نے اس مقام پر صرف اسی قدر نقل کرنا کافی سمجھا ہے کیونکہ آئندہ میرا ارادہ ہے کہ جب تمام دنیا کے مذاہب پر مفصل بحث کروں گا اور ایک مستقل کتاب انشاء اللہ

Presented by Ziaraat.Com

ترتیب دوں گا اور ان کا اسلام سے مقابلہ کروں گا، اس وقت اور بھی باتیں توریت وغیرہ سے دکھائی جائیں گی جو بالکل خلاف عقل ہیں۔

عیسائی

ان کے قدیم فرقے تین معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اب دو فرقے الگ ہو گئے ہیں، مگر ان سب کے خیالات تقریباً تثلیث پر دائر ہیں:

پہلے فرقہ ملکائیہ ہے۔ دوسرا نسطوریہ اور تیسرا یعقوبیہ۔

ملکائیہ، کا یہ خیال ہے کہ کلمہ بدن مسیح کی صورت میں ہو گیا، اور اس نے انسانی لباس پہن لیا، اور کلمہ کی تعبیر اقنوم العلم کرتے ہیں اور روح القدس کو اقنوم الحیوٰۃ کہتے ہیں مگر جب تک اقنوم العلم نے انسانی لباس نہیں پہنا تھا، اس وقت خدا کا بیٹا نہیں ہوا۔ جب پہن لیا تو خدا کا بیٹا ہو گیا۔

ان کا خیال ہے کہ "مسیح ناسوت (انسان) کلی ہیں، قدیم ازلی ہیں، قدیم ازلی سے پیدا ہوئے ہیں، اور مریم نے خدائے قدیم ازلی کو جنا تھا۔ صلیب جو دی گئی تھی تو جسم انسانی پر واقع ہوئی۔ لاہوت (ان کی الٰہیت) پر نہیں واقع ہوئی۔" (کس قدر عجیب بات ہے کہ خدا تو قدیم ازلی ہے۔ جسے اس نے پیدا کیا وہ بھی قدیم ازلی ہو گیا۔ حالانکہ عقل بتاتی ہے کہ اسے حادث ہونا چاہیے نہ قدیم)۔

نسطوریہ کا یہ خیال ہے (جو حکیم نسطور کے پیرو ہیں جس کا ظہور زمانہ مامون رشید عباسی میں ہوا تھا) کہ اللہ تعالیٰ تو واحد ہے مگر اس میں تین اقنوم ہیں۔ ایک وجود، دوسرے علم، تیسرے حیاۃ۔ (یہاں تک مضائقہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں ایک معبود برحق میں ہونی چاہئیں) یہ تینوں اقنوم نہ زائد بر ذات، اور نہ عین خدائے تعالیٰ ہیں۔ اور کلمہ (جس سے مراد اقنوم علم ہے) جسد عیسیٰ سے متحد ہو گیا مگر نہ بطور امتزاج اور نہ بطور ظہورتیہ بلکہ بطور اشراق آفتاب کے کسی

Presented by Ziaraat.Com

شیشہ کی شے پر یا جیسے نقش انگوٹھی پر اُبھرآتا ہے۔

ان میں سے اکثروں کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن (بیٹا خدا کا) ہمیشہ سے پیدا ہوا تھا۔ (ہمیشہ سے پیدا ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی اور پیدا ہوئی اس کے لیے ہیشگی کہاں) یہاں صرف بدن مسیح سے متحد ہو گیا اور اس جسم میں نمودار ہوا جبکہ مسیح پیدا ہوئے۔ لہٰذا وہ خدا بھی ہیں اور انسان بھی۔ یہ دونوں ہی دو جوہر۔ دو اقنوم۔ دو طبیعتیں ہیں۔ ایک جوہر قدیم ہے۔ دوسرا جوہر حادث ہے۔ اِلٰہ تام ہے اور انسان تام۔ اس اتحاد نے نہ قدیم کے قِدم کو باطل کیا اور نہ حادث کے حدوث کو لیکن دونوں ایک مسیح بن گئے۔ (یعنی واجب الووجد واجب ہی رہا۔ اور ابن حادث، حادث ہی رہا۔ پھر بھی دونوں مل کر ایک مسیح کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ سبحان اللہ فلسفہ دانی اتنی تو ہو)۔

یعقوبیہ، کا بھی خیال ہے کہ اقانیم تین ہیں۔ اور وہ کلمہ جس سے حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے وہی خون اور گوشت بن گیا۔ لہٰذا خدا ہی مسیح ہو گیا۔ اور اس نے ان کے بدن میں ظہور کیا، بلکہ خدا اور مسیح دونوں ہی ایک ہیں۔ (ان میں ان میں کچھ فرق نہیں) ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۲۳،۶۴،۶۵،۶۶)

اب میں تھوڑی انجیلوں کی عبارت بھی پیش کروں گا۔ جس سے ان کے مذہب کی حقیقت بخوبی معلوم ہو جائے۔ اور یہ ثابت ہو جائے کہ عیسائی فرقہ ہرگز موحد نہیں ہے جس طرح سے یہ لوگ زمانہ قدیم میں حضرت (عیسیٰ) مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا عین خدائے تعالیٰ سمجھتے تھے اسی طرح اب بھی ان کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ انجیل مرقس کا شروع ہی یہاں سے ہوا ہے۔ ”خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی انجیل کا شروع۔“

انجیل متی باب ۱۲، آیت ۲۵، ۲۶، ۲۷۔ ”اسی وقت یسوع پھر کہنے لگا کہ

Presented by Ziaraat.Com

اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو
نے ان چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا اور بچوں پر کھول دیا۔
ہاں اے باپ کہ یوں ہی تجھے پسند آیا۔ میرے باپ سب کچھ مجھے
سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا
مگر بیٹا۔''

پھر آگے چل کر خود ہی حضرت عیسیٰؑ نے اپنے تئیں ابن آدمؑ کہا ہے جو بالکل خدا کا بیٹا ہونے کے منافی ہے۔ ملاحظہ ہو، انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴)

''کیونکہ جب یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ہی ابن
آدمؑ تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔''

یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بعد صلیب کے تین روز تک دفن رہے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔

انہیں حضرت عیسیٰؑ کو کہیں معاذ اللہ یوسف نجار کا بیٹا بھی بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو انجیل لوقا باب ۳، آیت ۲۴)

''اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہوا جب شروع کیا اور جیسا کہ گمان
تھا وہ یوسف کا بیٹا تھا۔ اور وہ ہیلی کا۔'' (انجیل یوحنا باب ۱۴، آیت ۱)
''میرے باپ کے گھر میں بہت مکان ہیں۔ نہیں تو میں تمہیں کہتا جاتا
ہوں تا کہ تمہارے لیے جگہ تیار کروں۔''

اور اسی انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''حضرت عیسیٰؑ اپنے تئیں خدا کا رسول کہتے تھے نہ بیٹا۔'' (دیکھو انجیل یوحنا باب ۷، آیت ۱۶)

''یسوع نے انہیں جواب میں کہا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ اس کی

Presented by Ziaraat.Com

ہے جس نے مجھے بھیجا۔"

خیر یہ تو تناقضات ہیں جو انجیلوں کی عبارت میں ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ مطلب تو یہاں صرف اس قدر ہے کہ عموماً عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ پیغامبر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح الزام ذات پروردگار پر ہے اور جس سے اس کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

اہل اسلام

یہ فرقہ بہت سے فرقوں پر منقسم ہو گیا ہے چنانچہ سچے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔

"ستفترق امتی علی ثلثه و سبعین فرقه کلها فی النار الا واحده"

مگر آخر دو بڑے گروہوں پر منقسم ہو گئے: ۱۔ سنی اور ۲۔ شیعہ

سنی فرقے کے بھی بیشمار فرقے ہیں جو کتاب ملل شہرستانی اور ملل ونحل ابن خرم کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کے دو تین بڑے فرقوں کے اصول مذہب یہاں بطور نمونہ کے دکھائے جائیں گے۔ جن سے معلوم ہو گا کہ یہ لوگ کس درجہ کے موحد ہیں۔

معتزلہ:

اس فرقے کو اگرچہ صاحب ملل ونحل یعنی شہرستانی نے مجوس امت محمدیہ بتایا ہے اور اس پر ایک حدیث بھی جناب رسالت مآبؐ کی نقل کی ہے اور غالباً صرف اس وجہ سے کہ یہ فرقہ توحید میں نہایت سچا ہے اور جو حق واجب توحید ہے اس کا قائل ہے۔ یہ فرقہ خدائے تعالیٰ کو قدیم مانتا ہے۔ صفات خدائے تعالیٰ کو زائد برذات نہیں سمجھتا بلکہ عین ذاتِ خدا سمجھتا ہے ورنہ تعدّد قدما لازم آئے گا جو عقلاً محال ہے کلام خدا کو مخلوق و حادث بتاتا ہے۔ (اور واقعی بھی یوں ہی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے کلام کو حروف و اصوات کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ نہ

Presented by Ziaraat.Com

یہ کہ وہ خود کلام ہے یا کلام اس میں چمٹا ہوا ہے) خدائے تعالیٰ کے دیدار کا منکر ہے اسے محال بتاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کو مخلوقات سے مشابہ نہیں بتاتا۔ غرض جو اعلیٰ درجے کی توحید ہونی چاہیے وہ اس فرقے میں موجود ہے۔ صرف شیعوں میں اور ان میں اگر اصولی اختلاف ہے تو باب امامت میں۔ یہ لوگ ثلاثہ کو خلفائے برحق جانتے ہیں اور شیعہ بموجب نص قرآنی اور احادیث رسول علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو خلیفۂ برحق بلا فاصلہ مانتے ہیں۔

اشعریہ:

اصحاب ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری کے چند خیال منافی توحید معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اشاعرہ خدائے تعالیٰ کی ذات اور صفت میں تفرقہ کرتے ہیں اور اس کے صفات کو اس کی ذات سے علیحدہ ایک چیز قدیم مانتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ تعدُّد قدماء ہے جو عقلاً محال ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا ہی کو فاعل نیک و بد ٹھہراتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد کام بندوں سے ہوتا ہے سب خدا ہی کرتا ہے۔ (شہرستانی لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۲ جلد ۱ ملل و نحل)

> قال ابوالحسن. البارى تعالى عالم بعلم قادر بقدرة حى بحياة. مريد بارادة متكلم بكلام سميع بسمع بصير ببصر یعنی: ''اللہ تعالیٰ علم سے عالم ہے۔ قدرت سے قادر ہے۔ حیاۃ سے زندہ ارادہ سے مرید ہے کلام سے متکلم قوت سامعہ سے سننے والا ہے۔ قوت باصرہ سے دیکھنے والا ہے۔''

غرض جو طریقے انسان کے کام اور ادراکات کے ہیں بعینہٖ ''ویسے ہی'' خدا کے لیے بھی انہوں نے ثابت کیے ہیں۔

ان کے نزدیک ''کلام'' خدا کے نفس میں قائم ہے۔ جسے کلام نفسی سے تعبیر کرتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔(صفحہ۱۲۳) والکلام عند الاشعری قائم بالنفس سوی العبارۃ بل العبارۃ لالۃ علیه من الانسان۔

اس میں خرابی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا محل اشیاء کثیرہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جب بصارت، سماعت، قدرت، علم، ارادہ، کلام، حیاۃ وغیرہ علیحدہ سے اس کی ذات میں قائم ہوئے تو اس کی ذات ان سب کا محل قرار پائی۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ ا۔ یا یہ کہ صفات قدیم ہوں گے۔ ۲۔ یا حادث ہوں گے۔ اگر قدیم ہیں تو ایک چھوڑ کئی قدیم کا وجود لازم آئے گا۔ حالانکہ کئی قدیم نہیں ہو سکتے ورنہ سب کا مرکب ہونا لازم ہوگا اور جب سب کے سب مرکب ہوں گے تو یقیناً سب کے سب حادث ہو جائیں گے۔ پھر کوئی بھی قدیم نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ پروردگار عالم بھی حادث ہو جائے گا۔ معاذ الله من ذلك۔

کئی قدیم نہ ہو سکنے کی ایک موٹی دلیل تو یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کو دو یا تین یا چار مثلاً کہتے ہیں جیسے چار گھوڑے، تین درخت، پانچ آدمی، دو قدیم تو ضرور ان میں باہم کوئی چیز ایسی بھی ہے جو سب میں پائی جاتی ہے اور کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے متمائز اور علیحدہ علیحدہ سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً زید، عمرو، بکر، خالد۔ یہ چار آدمی ہیں۔ ان کو چار آدمی کیوں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ چاروں میں ایک چیز مشترک پائی جاتی ہے یعنی آدمیت اور انسانیت۔ جیسا زید انسان ہے ویسا ہی عمرو ہے، ویسا ہی بکر ہے، ویسا ہی خالد انسان ہے۔ لہٰذا یہ چار انسان ہوئے۔ پھر ان کو چار کیوں کہا گیا۔ زید زید کیوں ہوا، عمرو عمرو کیوں ہوا، بکر، بکر کیوں، خالد، خالد کیوں ہوا؟ اسی وجہ سے کہ ان کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ ان کی شباہتیں الگ الگ ہیں۔ ان کا طرزِ گفتگو الگ الگ ہے، ان کے قوائے ظاہری و باطنی الگ ہیں۔ غرض اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جن سے یہ علیحدہ علیحدہ پہچانے جاتے ہیں اور جن سے یہ چار شخص، چار شخص کہے گئے۔ معلوم ہوا کہ ان میں کم از کم دو چیزیں پائی جاتی

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو ان سب میں برابر پائی جاتی ہے یعنی انسانیت۔ دوسرے وہ چیز ہے جو سب میں الگ الگ ہے، وہ ان کی صورتیں ہیں۔ لہٰذا یہ چاروں ان دو چیزوں سے مرکب ہوئے۔ اسی لیے حادث ہیں پس اگر دو یا چار قدیم ہوں گے تو اسی طرح ایک چیز ان میں مشترک ہوگی اور ایک وہ ہوگی جس سے یہ علیحدہ علیحدہ سمجھے جاسکیں اور ان میں باہم تمائز ہوا۔ لہٰذا یہ چاروں قدیم ان دو چیزوں سے مرکب ہو جائیں گے۔

اور ظاہر ہے جو چیز مرکب ہوتی ہے۔ وہ اپنے اجزاء کے وجود سے پیچھے موجود ہوتی ہے۔ دیکھو شربت انار کہاں تھا؟ جب تم نے شکر اور عرق دانہ انار ملایا اور ان کو پکا کر ترکیب دی تب شربت انار بنا پہلے صرف شکر تھی اور عرق تھا شربت نہ تھا۔ جب دونوں مل گئے تب شربت ہوا۔ لہٰذا شربت بہ نسبت اپنے اجزا شکر و عرق کے پیچھے حادث ہوا۔

پس اگر چند قدیم مرکب پائے جائیں گے۔ تو ضرور وہ اپنے اجزا کے وجود سے متاثر ہوں گے۔ لہٰذا حادث ہوں گے کوئی بھی ان میں قدیم نہ رہے گا۔ تو اس سے خدائے تعالیٰ جو قدیم ہے۔ اس کا بھی حدوث لازم آئے گا اور یہ کہنا پڑے گا کہ ایک وقت میں وہ موجود نہ تھا جب اس کے اجزا مل لیے تب اس کا وجود ہوا۔ اور جب ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ اس کے پہلے کوئی ان اجزا کا باہم ملانے والا بھی ہوگا۔ لہٰذا وہ بہ نسبت اس خدا کے قدیم ہوگا حالانکہ تم نے اسی خدائے مرکب کو قدیم کہا تھا۔

خلاصہ یہ کہ خدائے تعالیٰ اسمہٗ و عز مجدہٗ کی توحید حقیقی اس وقت عقل کے نزدیک مسلم ہوسکتی ہے جبکہ مان لیا جائے کہ اس کے سوا کوئی قدیم ازلی نہیں!!!

اگر وہ صفات حادث ہیں تو لازم آئے گا کہ کسی وقت خدا تعالیٰ بے علم بھی تھا۔ بے حیات بھی تھا۔ بے قدرت بھی تھا۔ بے سمع بھی تھا۔ بے بصر بھی تھا۔ حالانکہ کوئی عقلمند اس بات کو خدائے تعالیٰ کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

Presented by Ziaraat.Com

علاوہ اس کے خواہ تم صفات زائدہ کو قدیم مانو یا حادث جب تم ان کو ذات خدا سے علیحدہ سمجھو گے تو تم کو کہنا پڑے گا کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو قدرت سے مدد لیتا ہے۔ جب جاننا چاہتا ہے تو علم سے مدد لیتا ہے۔ جب سننا چاہتا ہے تو سماعت سے مدد لیتا ہے۔ جب دیکھنا چاہتا ہے تو بصارت سے مدد لیتا ہے اور جب زندہ رہنا چاہتا ہے تو حیات سے مدد لیتا ہے!! یہ کیسا خدا ہوا جو اپنے کاموں میں اور چیزوں کا محتاج ہے۔ یہ کیسا خدا ہے کہ بذاتہٖ زندہ نہیں ہے بلکہ ایک علیحدہ زندگی سے زندہ ہے۔ تو کیا اس زندگی کے آنے سے پہلے مردہ تھا؟ کیا یہی شان خدائے تعالیٰ ہونی چاہیے؟ حاشا وکلّا۔

پھر اگر تمام نیک و بد کاموں کا پیدا کرنے والا خدا ہی کو سمجھو تو اس سے بڑھ کر کوئی بھی ظالم نہ ہوگا کیا تم خدا کو ظالم سمجھتے ہو؟

کیا عقل یہی کہتی ہے کہ خدا ہی خود بندے کے منہ سے شراب پیے، بندے کے ہاتھوں سے جوا کھیلے، بندے کے اعضاء سے زنا کرے، بندے کے ہاتھ پاؤں سے نماز پڑھے، بندے کے ذریعے سے حج و زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے اور پھر اس کو سزا یا جزا بھی دے؟ حالانکہ یہ صریح ظلم ہے۔ خود ہی ہم سے جھوٹ بلوائے، اور پھر خود ہی ہمیں سزا دے، خود ہی ہم سے جوا کھلوائے اور خود ہی عذاب بھی ہم پر کرے۔ یہ کیسی لغو بات ہے!!

دیکھو اگر کوئی آدمی زبردستی کسی کے حلق میں شراب ڈال دے اور پھر اس سے کہے، تو نے کیوں شراب پی۔ اب تو مارا جائے گا۔ تو ایسے شخص کو لوگ کیا کہیں گے؟ کیا ظالم بے رحم، ناانصاف نہ کہیں گے؟ پھر کیا تم خدا کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو؟ ہرگز یہ خیال عقل کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ انسان اپنے فعل آپ اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اسے ہدایت کر دی ہے کہ یہ نیک کام ہے، یہ بد کام ہے۔ اگر اسے کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ اگر اسے کرو گے۔ تو جزا پاؤ گے۔ البتہ آلات ایسے پیدا کر دیے ہیں جن سے دونوں کام برابر ہو سکتے ہیں

Presented by Ziaraat.Com

یہی ہاتھ ہے۔ اس سے چاہو کسی کو سلام کرو، چاہو کسی کو طمانچہ مارو۔ یہی منہ ہے چاہو، اس سے جھوٹ بولو، چاہو سچ بولو۔ یہی آنکھ ہے چاہے اس سے نامحرموں کو دیکھو، چاہے اس سے قرآن کے مضامین کو دیکھ کر ان میں غور کرو۔ یہی کان ہیں، چاہے ان سے گانا سنو، غیبت سنو، چاہے اس سے موعظہ سنو۔ احکام الٰہیہ سنو۔ یہی پاؤں ہیں، چاہے ان سے شراب خانے میں جاؤ چاہے مسجد میں۔

مگر اس نے بتا دیا ہے کہ اگر ویسا کرو گے تو سزا پاؤ گے جہنم میں جلو گے۔ اگر ایسا کرو گے تو جنت میں جاؤ گے جزا پاؤ گے۔

اگر یہ کہو کہ اچھا پھر ایسے آلات ہی کیوں بنائے جن سے دونوں کام ہوسکیں کیوں نہ ایسے بنائے کہ جن سے صرف نیک ہی کام ہو سکتے؟

تو بھائی! اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہاری تعریف ہی کیا رہتی۔ اگر تم اس صورت میں نیک ہی کام کر سکتے تو تم ان نیک کاموں کے کرنے پر مجبور ہو۔ اور جس سے بجبر کوئی کام لیا گیا ہو وہ شخص ہرگز اس کام کے کرنے پر قابل داد نہیں ہوسکتا۔ ایک بوڑھا آدمی اگر زنا نہیں کرتا تو اس کی کیا تعریف ہے، جبکہ اس کے پاس وہ آلہ ہی نہیں جس سے زنا کرے۔ ایک گونگا آدمی اگر جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی کیا تعریف ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس وہ آلہ ہی نہیں ہے جس سے جھوٹ بولے۔ ایک بہرا آدمی اگر غیبت نہیں سنتا، یا ایک مفلوج آدمی چوری نہیں کرتا، یا ایک اندھا بُری نظر سے کسی کو نہیں دیکھتا تو ان کی تعریف ہی کیا ہے۔ اگر ان کے آلات اس قابل ہوتے اور پھر ہدایت خدا پر عمل کر کے ان کاموں کو نہ کرتے تب قابل تعریف ہوتے!! ایک جوان آدمی جب تمام ظلم وفحش، زنا، بدنظری، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے بچتا ہے تو لوگ اسے کہتے ہیں، کیا جوان صالح ہے۔ حالانکہ اس کے پاس بھی وہ آلات موجود ہیں جن سے وہ ان کاموں کو کر سکتا ہے لیکن حکم خدا کو ماننے کی وجہ سے برے کام نہیں کرتا۔ لہٰذا قابل

Presented by Ziaraat.Com

تعریف ہوا۔

نیز، اگر ایسا ہی ہوتا کہ تم سوائے نیک کاموں کے برے کام نہ کر سکتے تو انبیاء کا آنا بیکار ہوتا کتابوں کا خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا فضول ہوتا، کیونکہ یہ سب ہدایت کے واسطے آئے ہیں اور جب تم آپ ہی ایسے ہو کہ ہمیشہ اچھے کام کرتے ہو، برے کام کرتے ہی نہیں، تو ہدایت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں اور کسے ہدایت کی جاتی۔ یہ انبیاء تو اسی لیے آئے تھے تاکہ تم کو نیک اور بد راہیں بتا دیں اور تمہیں سمجھا دیں کہ اگر وہ کرو گے، جزا کے مستحق ہو گے، اگر یہ کرو گے، سزا کے لائق ہو گے۔ پس اگر خدا ہی تمہارے سب افعال کا خالق ہو تو کس قدر فضول ہوتا ہے۔ انبیاء کا آنا اور کتابوں کا نازل ہونا۔ اور اسی طرح اگر تمہارے پاس آلات عمل بد کے ہوتے ہی نہیں تو ان کا آنا کس قدر لغو ہوتا سمجھو اور غور کرو۔

پھر ابوالحسن اشعری کا یہ بھی قول ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالایطاق دیتا ہے اور دے سکتا ہے۔''

یعنی ایسی باتوں کا انسان کو حکم دے سکتا ہے یا دیتا ہے جنہیں انسان کر نہیں سکتا۔

(شہرستانی لکھتے ہیں: صفحہ ۱۲۴ ملل ونحل)

و تکلیف مالا یطاق جایز علی مذهبه یعنی ''امام اشعری کی رائے کے بموجب ایسی تکلیف جائز ہے جسے انسان نہ کر سکے۔ مثلاً پروردگار عالم، یہ حکم دے سکتا ہے کہ آدمی آسمان پر اڑ جائے حالانکہ اس کے پاس ایسے پر و بازو نہیں ہیں کہ جن سے وہ اڑ سکے (اور آسمان کو چھو سکے) اور جب باوجود اپنی بے بسی کے اس تکلیف محال کو نہ کر سکے تو اسے سزا بھی دیتا ہے کہ تو آسمان پر بغیر پر و بال وغیرہ کے کیوں نہ اڑ گیا۔

کیوں بھائیو! کیا عقل ایسی ہی باتیں خدائے تعالیٰ جل ذکرہٗ کی نسبت تجویز کرتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ کیا تمہارا عادل پروردگار ایسی ہی صفت کا ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو ہم ایسے خدا کے بندے نہیں ہونا چاہتے جو اتنا بڑا ظالم ہو۔

تعالیٰ اللہ عن ذلك علواً کبیراً اللہ اکبر جلَّ جلالهٗ و عزَّ مجدهٗ

جب تم ایک معمولی عقل کے آدمی کی نسبت یہ تجویز نہیں کرتے کہ وہ کسی کو ناممکن بات کا حکم دے تو خدائے تعالیٰ کی نسبت کیوں کر یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ کیا تم کسی آدمی سے کہہ سکتے ہو کہ ایک گھنٹہ میں دہلی سے لکھنؤ کو پیدل چلے جاؤ؟ ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اس کے پاس ایسے آلات نہیں ہیں جن سے وہ تمہارا یہ حکم بجالا سکے تو کیا پروردگار عالم ایسا حکم دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں!!

کتاب عقاید نسفی جو اہلسنت والجماعت کے اعتقادات کا مجموعہ ہے اس میں بھی ویسے ہی اعتقادات ثبت ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

وله صفات ازلية قائمة بذاته و هى لاهو ولا غيره و هى العلم والقدرة والحيوة والقوة والسمع والبصر ولارادة والمشية والفعل والتخليق والترزيق والكلام و هو متكلم بكلام هو صفة له ازلية و هو صفة مغائره منها فيه للسكوت والافة والله تعالىٰ متكلم بها
(صفحہ ۱۲ تا ۱۴ شرح عقاید نسفی مطبوعہ مطبع نظامی)

پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں:

و رؤية الله تعالىٰ جائزة فى العقل واجبة بالنقل و قدورد الدليل السمعى بالجاب رؤية المومنين لله تعالى فى الدارا لاخرة (شرح عقاید نسفی عبارت متن صفحہ ۱۸

Presented by Ziaraat.Com

مطبوعہ مطبع نظامی)

ان دونوں عبارتوں کا حاصل[1] یہ ہے کہ صفات خدائے تعالیٰ نہ زاید برذات ہیں نہ عین ذات اور پھر اصل ذات واجب الوجود سے الگ بھی نہیں اور علیحدہ سے اس کی ذات میں قائم ہیں[2]۔ خدا کا دیدار ہوگا۔ مومنین قیامت میں خدا کو دیکھیں گے!! حدیثیں بھی اس قسم کی اس شرح میں نقل کی گئی ہیں کہ ''مومنین خدا کے چہرہ کو جنت میں دیکھیں گے (دیکھو شرح عقاید نسفی ص ۱۹)۔

جب خدا کے لیے چہرہ ہوا تو ہاتھ پاؤں کان آنکھ ناک بھی ضرور ہوں گے پھر تو خاصہ آدمی ہو گیا، خدا کیا ہوا۔

یہ بھی لکھتے ہیں: واللّٰہ تعالیٰ خالق افعال العباد من الکفر والایمان والطاعة المعصیة (شرح عقاید نسفی ص ۲۰)

یعنی ''اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کفر، ایمان، طاعت اور معصیت کا پیدا کرنے والا ہے''۔ یعنی خود ہی کافر بناتا ہے، خود ہی لوگوں کو مومن بناتا ہے، خود ہی طاعت کرواتا ہے، خود ہی گناہ۔ سبحان اللہ! کیا معرفت ہے!! اے پروردگار! قسم ہے تیری ذات کی تو ایسا نہیں ہے۔ اگر واقعی تو ایسا ہی ہے تو ہم باز آئے تیری خدائی سے، تو تو بڑا ظالم نکلا، تو خود ہی لوگوں کو کافر بناتا ہے اور پھر آپ ہی ان پر عذاب کرے گا۔ ارے! یہ کیسا ظلم ہے۔ تو ہمارے ہاتھوں پر معصیت کو پیدا کرتا ہے اور پھر سزا دے گا۔ پھر تو تو کانا منصف ہے۔ نعوذ باللّٰہ

۱۔ اس فقرہ میں ایک عجیب بات اور ہے یعنی ارتفاع نقیضین آج تک کوئی عقلمند اس بات کا قائل نہیں ہوا کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں موجود بھی نہ ہو اور معدوم بھی نہ ہو۔ آخر کوئی شخص کیوں کر یہ بات کہہ سکتا ہے اگر وہ شے موجود نہیں ہے تو معدوم ضرور ہے اور اگر معدوم نہیں ہے تو موجود ضرور ہے یہ کیا معنی کہ موجود بھی نہیں معدوم بھی نہیں لا ھو ولا غیرہ کے یہ معنی ہیں کہ صفات پروردگار نہ اس کی عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ پھر آخر کیا ہیں۔ تیسری صورت تو ممکن ہی نہیں۔ اس کا جواب اگر کوئی سمجھا دے تو میں ممنون ہوں گا۔

Presented by Ziaraat.Com

من هـذه الاقــوال۔

اکثر حضرات اہلسنت اس بات کے بھی قائل ہو گزرے ہیں کہ خدائے تعالیٰ بالکل مجسم ہے۔ جیسے آدمی۔ اس کے گھونگھروالے بال بھی ہیں۔ گوشت، خون، ہاتھ، پاؤں سب ہیں۔ چنانچہ صاحب ملل ونحل لکھتے ہیں (ص ۱۳۹-۱۴۰ مطبوعہ بیروت)۔

و حكى الكعبى عن بعضهم انه كان يجوز الروية فى الدنيا يزوره و يزورهم و حكى عن داؤد الخوارزمى انه قال اعفونى عن الفرج واللحية واسالونى عما ورآء ذلك و قال ان معبودهم جسم ولحم و دم له جوارح واعضآء من يدورجل و راس و لسان و عينين و اذنين و مع ذلك جسم لا كالاجسام و لحم لا كاللحوم و دم لاكالدمآء و كذلك سائر الصفات و هو لا يشبهه شيئا من المخلوقات ولا يشبهه شئ و حكى انه قال هو اجوف من اعلاه الىٰ صدره مصمت ماسوى ذلك و انه له و فرة سودآء وله شعر قطط۔

''یعنی کعبی نے بیان کیا ہے ان میں سے بعض کا قول کہ وہ تجویز کرتا تھا خدا کا دیدار دنیا ہی میں اور یہ کہ وہ اس کی زیارت کرتے ہیں اور وہ ان کی زیارت و ملاقات کرتا ہے۔ اور داؤد خوارزمی کا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا مجھ سے نہ پوچھو کہ خدا کے فرج اور ڈاڑھی ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ اور سب باتیں مجھ سے پوچھو۔ وہ کہتا تھا کہ آدمیوں کا معبود جسم ہے، گوشت ہے، خون ہے۔ اس کے جوارح واعضاء بھی ہیں ہاتھ، پاؤں، سر، زبان، آنکھیں، کان اور باوجود اس کے وہ ایسا جسم

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ اور جسموں کا سا نہیں ہے اور گوشت ہے مگر اور گوشتوں کا سا نہیں، خون ہے مگر اور خونوں کا سا نہیں۔ اسی طرح اور تمام صفات ہیں اور وہ اپنے مخلوقات سے (باوجود اتنی مشابہتوں کے) مشابہ نہیں ہے اور نہ اور کوئی اس سے مشابہ ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ خدائے تعالیٰ اعلائے بدن سے سینہ تک جوف دار ہے اور نیچے سے ٹھوس ہے اور یہ کہ خدا کے گھنے گھنے کالے بال اور گھونگھر والے ہیں۔''

اب ان سب مذاہب کے مقابلہ میں ملاحظہ ہو اثنا عشری شیعوں کے اماموں کی تعلیم جو توحید کی بابت ہے۔

''ان کی تعلیم ہے کہ صرف ذات خدائے تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اس کے سوا سب حادث اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔''

ان کی تعلیم ہے کہ ''صرف ذات خدائے تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اس کے سوا سب حادث اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔''

''اس کا کوئی بیٹا نہیں، اس کی بیٹی نہیں، اس کی بیوی نہیں کیونکہ وہ ان سب سے غنی بالذات ہے۔ اس کے لیے جسم و مادہ وصورت وشکل نہیں۔''

- ☆ اس کا کوئی مکان نہیں، وہ عرش پر نہیں بیٹھا ہے۔
- ☆ اس کے مانند کوئی نہیں، اور نہ وہ کسی کے مانند ہے۔
- ☆ اس کے صفات عین ذات ہیں، اگر غیر ذات ہوں گے تو حدوقدماء لازم آئے گا جو محال ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔''

غرض اور بہت سے امور تنزیہہ ہیں جو مختصات شیعہ اثنا عشری سے ہیں۔ میرا

Presented by Ziaraat.Com

خیال ہے کہ دنیا میں اگر کوئی قوم موحد اور خدائے تعالیٰ کی معرفت رکھتی ہے تو وہ صرف یہی قوم ہے۔

چونکہ دنیا اس بات سے ابھی بہت کچھ ناواقف ہے کہ گروہ شیعۂ اہل اسلام کے مقتدا کیسے لوگ تھے۔ ان کی زندگی کس قسم سے بسر ہوتی تھی۔ وہ اہل عالم کو کیا سبق سکھاتے تھے۔ ان سے اہل اسلام کو کیا کیا فائدے پہنچے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان حضرات کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلا کے دکھاؤں کہ آیا سچے بندے خدائے تعالیٰ کے یہ لوگ تھے یا کوئی اور۔ اور قابل تقلید و قابل اطاعت یہ لوگ تھے یا کوئی اور جن کی زندگی دنیا میں صرف اس طور سے بسر ہوئی کہ وہ توحید خدائے تعالیٰ کی تعلیم کرتے رہے۔ احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ علوم مختلفہ کی تعلیم فرماتے رہے۔ کیا طبعیات، کیا الٰہیات، کیا ریاضیات، کیا اخلاق، کیا تمدن، کیا تدبیر المنزل۔ جس علم میں دیکھو ان حضرات نے دریا بہا دیے ہیں اور کیسی سچی تعلیم دی ہے۔ کہ اگر تمام عالم کے فلاسفر جمع ہوں تو اس سے بہتر ایک حرف بھی نہیں بتا سکتے۔ باوجودیکہ یہ بزرگوار دنیا کی طرف سے کیسی کیسی زحمتوں میں رکھے گئے تھے۔ قید کیے گئے، قتل کیے گئے، زہر پلائے گئے۔ خفیہ نگہبان ہر وقت ان کے گھروں پر موجود رہتا کہ دیکھیں کیا زبان سے نکالتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ بادشاہ وقت کے مخالف کچھ کہتے ہیں۔ لوگوں کو ان کے پاس آنے سے روکا جاتا تھا۔ ان کو کہیں جانے سے سخت ممانعت کی جاتی تھی۔ تمام خواہشیں ان کی مسدود کر دی گئی تھیں۔ جیسا کہ ایک مورخ یا تاریخ پر نظر رکھنے والے سے یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔ پھر بھی سوائے علوم حقیقیہ کی تعلیم کے اور کوئی کام نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان تمام علوم مذکورہ بالا میں اس قدر بیان فرما دیا ہے کہ آج سینکڑوں کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں مگر افسوس کہ نہ تو زمانہ انہیں دیکھتا ہے اور نہ اس کے پاس

Presented by Ziaraat.Com

قدردان نگاہ ہے۔ جس سے حق و باطل کا تفرقہ کرے۔

کاش اب بھی زمانہ چونکے، جبکہ خود غرضیوں کے اسباب تمام مفقود ہو چکے ہیں اور صرف حق و باطل میں سوچ کر تفرقہ ہی کرنا باقی رہ گیا ہے۔ ذرائع تحقیق موجود ہیں فقط دیکھنے اور غور کرنے کی دیر ہے۔

میں سچ کہتا ہوں، اگر دنیا ان کی تعلیمات پر خفیف سی بھی نظر کرے تو کبھی ان کے سوا کسی اور کو اپنا پیشوا نہ مانے کیونکہ دراصل اگر کوئی سچا مذہب ہوسکتا ہے تو وہی ہوسکتا ہے جس میں اتنی تنزیہہ اور پاکی اور اخلاقی علمی، عملی تعلیمیں ہوں اور جن کے ایسے معلم ہوں، جو بغیر انسانوں سے تعلیم حاصل کیے ہوئے ایسے ایسے علوم کے ماہر تھے۔

اب میں مختصر طور پر ''توحید الائمہ'' کا ترجمہ ناظرین کے سامنے حاضر کرتا ہوں۔ اس پر غور فرمائیں اور جو کچھ اس سے نتیجہ نکال سکیں اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ دنیا میں اگر کوئی چیز اہم سے اہم ہے تو وہ صرف مذہب ہے۔ ہر شخص ہوش سنبھالنے کے بعد پہلے اسی پر توجہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے معبود حقیقی کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اس کی واقعی مرضی کیا ہے۔ کہ اس پر عمل کر کے اپنے لیے نجات اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ حاصل کروں، اور ظاہر ہے کہ دنیا کا ہر مذہب صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس سبب سے کہ ان میں باہم اس قدر مخالفت ہے کہ ہر ایک کو سچا کہنا ناممکن ہے۔ دونوں باتیں کیوں کر صحیح ہوسکتی ہیں کہ خدا کے بیٹا بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔ قابل پرستش صرف خدا ہی ہے اور قابل پرستش اس کی مخلوقات، آگ پانی پتھر وغیرہ بھی ہیں۔ خدائے تعالیٰ جسم بھی ہے اور بغیر جسم کے بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ عقلاً وہی مذہب سچا ہوسکتا ہے جس کی علمی عملی، اخلاقی، تمدنی الٰہی تعلیم انتہا درجہ کی پاک اور مقدس ہو۔ اب اس کا

Presented by Ziaraat.Com

فیصلہ کہ وہ کون سا مذہب ہے جس میں حد درجہ کی تنزیہہ اور پاکی ہے۔ ناظرین خود غور کرنے سے سمجھ سکیں گے یہاں اس لیے بطور نمونہ کے تمام مذاہب کے اقوال مختصر طور پر سابق میں دکھلا دیے ہیں تا کہ ہر ایک منصف آدمی کو فیصلہ کرنے کا موقع مل سکے۔

قاعدے کی بات ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا یعنی ''ہر چیز اپنی مخالف چیز کے دیکھے جانے سے پہچانی جاتی ہے۔'' کوئی شخص سیاہی کو سیاہی نہیں کہہ سکتا جب تک یہ نہ جانے کہ اس کے مخالف سفیدی یا سرخی بھی ہے۔ دن کو دن نہیں سمجھ سکتا جب تک اس کے مقابلے میں رات کو بھی نہ دیکھ لے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ عنوان رسالہ میں یہ باتیں لکھ دی جائیں اگرچہ مختصر طور پر ہوں تا کہ سیاہ وسفید۔ رات اور دن کا فرق ظاہر ہو جائے اور کسی کو اس کے بعد عذر کا موقع نہ رہے کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا۔

اب آپ اس رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ وجود پروردگار عالم اور اس کا قدم اور اس کی قدرت کس عنوان سے ثابت کی گئی ہے اور کیا اس سے بہتر دنیا میں کوئی فلسفی تفصیل وتشریح کر سکتا ہے۔

آپ کو ابتدا ہی میں معلوم ہوگا کہ جو شخص درپے اثبات و بیان توحید ہے وہ کتنا بڑا حکیم، کتنا بڑا عالم علم نباتات و جمادات وحیوانات اور عالم تشریحات ہے۔ کس طرح کا خوش اخلاق، کتنا بڑا واعظ مقرر، کیسا حقانیت میں ڈوبا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے امور الٰہیہ پر غور کرنے کے اور دنیا میں اسے کوئی کام ہی نہیں تھا۔ اور واقعی بھی ایسا ہی ہے۔

اب میں اسے شروع کرتا ہوں جس کا وعدہ کر آیا ہوں اور خدائے تعالیٰ سے اس کے اِتمام میں مدد مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اسے مقبول خلائق بنا کر مفید خاص و عام

Presented by Ziaraat.Com

کرے۔ آمین ثم آمین۔

یہ حدیث جس کا ترجمہ پہلے شروع کیا جاتا ہے "حدیث مفضل" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ اس کے راوی ہیں۔ اس حدیث میں تمام مخلوقات عالم جمادات، نباتات، حیوانات، افلاک اور سیاروں وغیرہ کی مفصل تشریحیں اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہیں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسی حکمتیں بغیر کسی حکیم مدبر قادر کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا یہ اشیائے عالم مبین وجود خدائے تعالیٰ عز اسمہٗ ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن ابی العوجاء (دہریہ) اور فلسفہ توحید

محمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے مفضل بن عمر نے بیان کیا کہ میں ایک روز عصر کے بعد جناب رسالتمآبؐ کے روضہ میں قبر و منبر کے درمیان بیٹھا ہوا غور کر رہا تھا کہ پروردگار عالم نے ہمارے سید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا کیا شرف وفضائل عطا فرمائے ہیں۔ جسے عوام امت نہیں جانتے اور ان کے غایت فضل و کمال منزلت وعظمت مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ابن ابی العوجاء (دہریہ اور نیچری آدمی تھا) بھی آ گیا اور اتنے فاصلے سے بیٹھا کہ میں اُس کی باتیں سن سکتا تھا۔ پھر اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص آیا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا۔ ابن ابی العوجاء نے یہ گفتگو شروع کی کہ صاحب اس قبر کا کامل عزت تک پہنچ گیا اور شرف و ہمراہی نے کہا، ہاں! وہ (محمد مصطفیٰؐ) ایک فلسفی آدمی تھا۔ اس نے بڑے مرتبے کا دعویٰ کیا اور اس پر ایسے معجزے بھی لایا جن سے عام عقلوں کو حیران کر دیا اور عقلا نے ان کو معلوم کرنے کے لیے فکر کے دریاؤں میں غوطے لگائے، مگر پھر بھی ناکام واپس آئے۔ جب اس کی اس دعوت کو عقلا، فصحاء، خطباء نے مان لیا تو عام طور پر لوگ فوج فوج اس کے دین میں آنے لگے اور جن جن شہروں تک اس کی دعوت نبوت پہنچی، وہاں وہاں کے عبادت خانوں اور مسجدوں میں ناموس اکبر (خدائے تعالیٰ) کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی شامل ہو گیا۔ اور بلند آواز سے پکارا جانے لگا۔ اس میں نہ تخصیص خشکی کی ہے نہ دریا کی، نہ پہاڑی ملکوں کی، نہ ہموار ملکوں کی، اور یہ بلند آواز سے پکارا جانا بھی کچھ ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ اذان میں اور پانچ مرتبہ مکرر مکرر اقامت میں۔ اس نے اپنا نام خدا کے نام کے ساتھ صرف اس لیے ملایا کہ اس کی یاد ہر وقت تازہ ہوتی رہے اور اس کے کام میں خمول نہ ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

ابن ابی العوجاء بولا۔ محمدؐ کا ذکر تو چھوڑ، اس کے معاملے میں تو میری عقل حیران ہے اور میری فکر کو راستہ نہیں ملتا۔ اب کچھ اس اصل حال کا ذکر کر جس کے سبب سے محمدؐ کے دین میں لوگ داخل ہو رہے ہیں یعنی پروردگار عالم کا کچھ ذکر کر کہ آیا وہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ پھر اس نے اشیاء عالم کی ابتداء کا ذکر کیا کہ کیونکر یہ چیزیں بنیں۔ اور دعویٰ یہ پیش کیا کہ یہ چیزیں کسی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں، کوئی ان کا بنانے والا نہیں، کوئی ان کا مدبر و مصلح نہیں بلکہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور یوں ہی دنیا چلی آتی ہے اور چلی جائے گی۔

مفضل کا دہریہ کو جواب

مفضل کہتے ہیں، یہ سن کر مجھے غصہ کے مارے تاب نہ رہی۔ میں نے کہا، اے خدا کے دشمن! خدا کے دین میں کفر کرتا ہے۔ تو نے بالکل اس پیدا کرنے والے کا انکار کر دیا جس نے تجھ کو اس اچھی صورت میں پیدا کیا ہے اور ایسا تیرا بنیہ قرار دیا۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں نقل کرتا رہا، یہاں تک کہ تو اس حالت کو پہنچا (یعنی بچہ سے بڑا ہوا، بڑھ کر جوان ہوا جوان ہو کر، اب اس سن کو پہنچا) تو اگر صرف اپنے نفس کے متعلق فکر کرتا اور تیرا لطیف حاسہ تیرے ساتھ صداقت برتتا تو ربوبیت کے آثار اور مصنوعیت کے دلائل تجھ کو خود اپنے نفس میں موجود معلوم ہو جاتے اور خدائے تعالیٰ کے وجود کے شواہد و براہین صاف ظاہر ہوتے۔

دہریہ کی مفضل کو تنبیہ

دہریے نے کہا، میاں! اگر کچھ تم گفتگو کر سکتے ہو تو ہم تم سے کلام کریں۔ اگر تمہارے پاس کوئی قائم و ثابت دلیل ہو تو ہم اسے مان لیں گے اور اگر تم اہل کلام میں سے نہیں ہو تو تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تم جعفرؑ بن محمدؑ الصادق کے اصحاب میں سے ہو تو ان کا طرز کلام تو ایسا نہیں ہوتا جیسی تم نے گفتگو کی اور نہ وہ اس طرح کی دلیل سے ہم سے بحث کرتے۔ انہوں نے ہماری باتیں اس سے زیادہ سنی ہیں جو تم نے سنیں۔ لیکن نہ تو

Presented by Ziaraat.Com

کبھی گفتگو میں فحش سے کام لیا اور نہ ہم پر جواب دینے میں تعدی وظلم کیا۔ اور وہ بہت ہی بردبار، باوقار، عقلمند اور پختہ عقل کے آدمی ہیں۔ نہ تو سختی کرتے ہیں، نہ ان کو طیش آتا ہے۔ ہماری گفتگو سنتے ہیں اور نہایت توجہ سے کان لگاتے ہیں، اور ہماری دلیلوں کو پوچھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم تمام اپنی دلیلیں بیان کر لیتے ہیں اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ اب حضرت کو خاموش کر دیا تو اسی وقت ہماری حجت و دلیل کو ایک مختصر سے کلام اور معمولی سی دلیل سے باطل کر کے ہمارے اوپر حجت لازم فرماتے ہیں اور ہمارے عذر کو قطع کر دیتے ہیں اور پھر ہم حضرت کے جواب کو رد کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اگر تم بھی ان کے اصحاب میں سے ہو تو ویسی ہی گفتگو کرو۔

مفضل امام جعفرؑ صادق کی خدمت میں

مفضل نے کہا کہ: یہ سن کر میں وہاں سے محزون و متفکر نکلا کہ دیکھئے اسلام و اہل اسلام اس فرقے کے کفر کی وجہ سے کیسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں، کہ یہ خدا کو بالکل نہیں مانتے اور جہان کے معطل ہونے کے قائل ہیں۔ اور خدمت میں اپنے آقا صلواۃ اللہ علیہ کی حاضر ہوا۔ آپؑ نے جو مجھ کو شکستہ حال دیکھا تو فرمایا، تمہیں کیا ہو گیا؟ میں نے جو کچھ ان دہریوں کی باتیں سنی تھیں اور جس جس دلیل سے ان کے کلام کو رد کیا تھا عرض کر دیا۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تم کو باری تعالیٰ جل عزاسمہٗ کی وہ حکمتیں جو تمام عالم میں اور درندوں، بہائم، پرندوں، کیڑوں، مکوڑوں اور ہر قسم کے جانداروں خواہ حیوان ہوں یا نباتات اور اشجار ثمر دار ہوں یا بے ثمر اور ادنیٰ اور بقولات خوردنی و غیر خوردنی میں ہیں، ایسی بتاؤں گا جس سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کر سکیں اور مومنوں کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور ملحدوں کو حیرت ہو جائے۔ تم میرے پاس کل صبح کے وقت آنا۔

مفضل نے کہا کہ میں یہ سن کر میں نہایت خوش و خرم حضرت کے حضور سے واپس آیا

Presented by Ziaraat.Com

اور انتظار کی وجہ سے وہ شب بہت ہی طولانی معلوم ہوئی، کیونکہ مجھے انتظار تھا کہ کسی طرح صبح ہو اور وہ باتیں حضرت سے حاصل کروں، جن کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حاضر خدمت ہوا اور اِذن طلب کرنے کے بعد حضوری سے مشرف ہو کر باادب سامنے کھڑا ہوا۔ آپؑ نے بیٹھ جانے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ اُٹھ کر ایک حجرے کی طرف چلے جس میں اکثر بغرض تخلیہ تشریف رکھتے تھے، میں بھی ساتھ ہی اُٹھا، آپؑ نے فرمایا، چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے چلا۔ آپؑ داخل حجرہ ہوئے۔ میں بھی داخل ہوا۔ آپؑ بیٹھ گئے۔ میں بھی سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا:

''مفضل! گویا میں تم کو دیکھ رہا تھا کہ اس شب گزشتہ میں انتظار کی وجہ سے تم کو کس قدر طولانی رات معلوم ہوئی۔''

میں نے عرض کی، ہاں مولا، ایسا ہی ہے۔

امام جعفرؑ صادق کا مفضل کو درس توحید

''مفضل! خداوند کریم موجود تھا اور کوئی چیز اس سے پہلے نہ تھی اور وہ باقی رہے گا اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پس اُسی کے لیے حمد اس بات پر ہے کہ اس نے ہمیں الہام کیا اور اس کے لیے شکر ہے اس بات پر کہ اس نے ہم کو عطیہ دیا۔ اس نے ہمیں اعلیٰ علموں کے ساتھ خاص کیا اور روشن علوی مرتبہ کے ساتھ خصوصیت دی اور تمام خلق سے ہمیں اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا اور ہمیں ان پر اپنی حکمتیں دے کر امین مقرر کیا۔''

مفضل نے کہا، مولا! کیا آپؑ اجازت دیتے ہیں کہ جو کچھ آپؑ بیان فرمارہے اسے میں لکھتا رہوں، اور میں اس وقت اپنے ساتھ سامان کتابت بھی لے کر آیا ہوں؟

Presented by Ziaraat.Com

امامؑ نے فرمایا: ہاں لکھ لو۔

۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اے مفضل! شک و شبہ والوں نے مخلوقات کی پیدائش کے اسباب اور اس کی باریکیوں کو نہ جانا اور ان کے فہم و ادراک، ان چیزوں کی حکمت اور درستی کے سمجھنے سے قاصر ہیں جو خالق عالم جل قدسہٗ نے اپنی طرح طرح کی مخلوقات خشکی و تری، ہموار و ناہموار زمینوں میں پیدا کی ہیں۔ وہ اپنے علم کے قصور کی وجہ سے منکر ہو گئے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب جھٹلانے لگے، دشمنی پر آمادہ ہوئے، یہاں تک کہ اشیائے عالم کے پیدا کیے جانے ہی کے منکر ہو گئے اور اس امر کا دعویٰ کر دیا کہ یہ تمام چیزیں مہمل و معطل ہیں ان میں کسی کی صناعی نہیں اور نہ کسی مدبر و خالق کی طرف سے کوئی حکمت ہے اور نہ اس نے ان کو کسی مقدار معین پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے زیادہ برتر ہے جسے وہ بیان کرتے ہیں'' اللہ ان کو قتل کرے، کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی اور اندھے پن (بے بصیرتی) اور حیرت میں اندھوں کی طرح ہیں جو کسی ایسے گھر میں داخل ہوئے ہوں جس کی بنیاد نہایت مستحکم اور خوبصورت قائم کی گئی ہو اور اس میں اچھے اچھے نفیس فرش بچھے ہوں اور قسم قسم کے کھانے پینے کی اشیاء اور لباس اور ضروری چیزیں اس میں مہیا کی گئی ہوں اور ہر شے درستی کے ساتھ اپنے موقع و محل پر حکمت و تدبیر اور اندازے کے ساتھ رکھی ہوئی ہو اور وہ اندھے اس مکان میں دائیں بائیں ہاتھ چلا رہے ہوں اور اس کے کمروں میں مارے مارے پھرتے ہوں، کبھی ان میں سے کوئی کسی چیز کو پا بھی جائے جو اپنے موقع پر رکھی ہوئی ہے اور ضرورت کے لیے مہیا کی گئی ہے اور وہ اس کی غرض کو نہ جانتا ہو کہ یہ اس جگہ کیوں رکھی ہوئی ہے اور کس لیے مہیا کی گئی ہے اور کس مطلب سے اس طرح بنائی گئی ہے، تو اس پر غصہ کرے اور ناراض ہو اور اس مکان کو اور اس کے بنانے والے کو بُرا بھلا کہنے لگے (حالانکہ دراصل یہ اس اندھے کی بینائی کا قصور ہے) یہی حال اس فرقے کا ہے جو معاملہ خلقت اور ثبوت صنعت

Presented by Ziaraat.Com

کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کے ذہن ان اسباب اور علتوں کے سمجھنے سے قاصر رہے جو ان اشیاء میں ہیں تو تمام جہان میں حیران و سرگردان پھرنے لگے اور حسن صنعت اور کمال خلقت اور ان کے مہیا کرنے کی خوبی کو نہ سمجھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی چیز سے کوئی واقف ہوتا ہے اور اس کے سبب کو نہیں جانتا اور نہ اس کی غرض و احتیاج کو سمجھتا ہو، تو فوراً اس کی مذمت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے یہ محال ہے اور محض غلط ہے۔ جیسے مانویہ (مجوسیوں کا ایک فرقہ) مانی نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس نے شاپور ابن اردشیر شاہ کے زمانے میں ایک دین و مذہب نیا نکالا تھا، اس کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰؑ تو نبی ہیں مگر جناب موسیٰؑ نبی نہ تھے اور تمام عالم کو دو چیزوں نے پیدا کیا ہے اچھی چیزوں کو تو نور نے پیدا کیا ہے اور درندے وغیرہ موذی چیزوں کو ظلمت نے پیدا کیا ہے۔ یہی دو خدا ہیں جو نفع و ضرر کی چیزوں کے خالق ہیں نے کیا اور نیز اس ملحد سرکش بدکار فرقے نے علانیہ طور پر کہنا شروع کیا ہے اور ان کے علاوہ گمراہوں نے بھی جنہوں نے صرف یہ کہہ دینے سے کہ فلاں چیز محال ہے ناممکن ہے اپنے تئیں خدا سے دور کر دیا ہے۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی معرفت عنایت کی ہو اور اسے اپنے دین کی طرف ہدایت کی ہو اور مخلوقات کی کاری گری کی تدبیر پر غور کرنے اور اس لطیف اصلاح اور قائم دلیلوں کو عمدہ طور سے بیان کرنے پر جن خوبیوں سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں، توفیق دی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اس کا مولیٰ ہے اس توفیق عطا ہونے پر بہت حمد کرے اور اس سے اس بات کی خواہش کرے کہ وہ اسے اس معرفت وقوت بیان پر قائم رکھے اور زیادتی معرفت عطا کرے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ''اگر تم میرا شکریہ ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔'' لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ''اور اگر تم کفران نعمت کرو گے تو جان لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔''

Presented by Ziaraat.Com

اے مفضل! اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے وجود پر پہلی عبرت اور دلیل تو یہی ہے کہ عالم کو کس صورت سے بنایا گیا ہے۔ اس کے اجزا کیوں کر ترکیب دیے گئے ہیں۔ کس خوبی سے اس کا نظم و انتظام کیا ہے۔ اگر تم اس جہان کو اپنے فکر سے تامل اور غور کرو اور اپنی عقل سے ہر ایک چیز کو جدا جدا کر کے سمجھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ عالم ایک ایسے مکان کے مانند ہے جس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن کی ضرورت بندوں کو واقع ہوتی ہے۔ دیکھو! آسمان تو چھت کے مانند ہے اور زمین ایسی بچھی ہوئی ہے جیسے فرش اور ستارے اس طرح لگے ہوئے ہیں جیسے مکان میں بہت سے چراغ رکھے ہوں اور اپنے اپنے موقع سے روشن ہوتے ہوں اور جواہر اس طرح مخزون ہیں جیسے مکان میں خزانے اور ذخیرے ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ ہر شے اپنی اپنی ضرورت کے لیے تیار و موجود ہے۔ اور حضرت انسان اس جہان میں ایسے ہے جیسے اس مکان کا مالک اور آقا ہو جس کے قبضہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جو اس مکان کے اندر ہیں۔ اور مختلف طرح کے نباتات۔ اپنی اپنی ضرورتوں کے لیے موجود و مہیا ہیں (کوئی حیوانات کی غذا دہی کے لیے، کوئی انسان کی دوا کے لیے، کوئی محض زینت و آرائش کے لیے، کوئی انسان کو خوشبو پہنچانے اور اس کی تفریح کے لیے، کوئی حیوانات کی دوا کے لیے، کوئی انسانوں کی غذا رسانی کے لیے، کوئی صرف پرندوں کے لیے، کوئی صرف چرندوں کے لیے وغیرہ وغیرہ) اور قسم قسم کے حیوانات خاص خاص مصلحتوں اور منافع کے لیے صرف کیے گئے ہیں۔

اس حسن ترتیب و تالیف وجمع و توصیف میں صاف کھلی دلیل اس بات پر موجود ہے کہ تمام جہان کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جس نے ایک مقدار معین پر ان کو خلق کیا ان میں حکمتیں قرار دیں۔ ان میں انتظام قائم کیا، ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مناسبت اور تعلق قرار دیا۔ اور نیز اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے جس نے ان کو اس خوبی سے جمع کیا ہے، ترکیب دی ہے، ایک کو دوسرے سے منضم کر دیا[1] ہے۔ (وہ جلیل ہے

---

[1] کیونکہ اگر کئی خالق ہوتے تو جہان کا یہ انتظام قائم نہ رہ سکتا اور اتنی مدت تک ایک ہی سلسلہ باقی نہ رہتا ضرور کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد ہوتا اور جہان میں ابتری پھیلتی۔

Presented by Ziaraat.Com

قدوس ہے، بلندی والا ہے، اس کی ذات کریم ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، ان منکروں کی باتوں سے کہیں برتر ہے)۔

انسان کی ابتدائی خلقت کی حکمتیں

اے مفضل! ہم اب تمہارے سامنے انسان کی خلقت کے بیان سے ابتدا کرتے ہیں اس سے عبرت حاصل کرو (دیکھو!) اس انسان کی خلقت کا پہلا مرتبہ (مرحلہ) تو وہ ہے جس سے رحم کے اندر جنین کی اصلاح و تدبیر کی جاتی ہے حالانکہ وہ تین قسم کے پردوں میں بند ہے اور تین قسم کی تاریکیوں میں ہے۔ ایک پیٹ کی تاریکی۔ دوسرے، رحم کا اندھیرا، تیسرے بچہ دان کی تاریکی۔ اور یہ ایسا وقت ہے کہ بچہ نہ تو اپنی غذا کے لیے کوئی تدبیر کرسکتا ہے اور نہ کسی طرح کی تکلیف کو اپنے سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی نفع اپنے لیے حاصل کرسکتا ہے اور نہ کسی ضرر کو دفع کرسکتا ہے۔ اس وقت خون حیض اس بچہ کی طرف جاری ہوتا ہے جو اسے غذا پہنچاتا ہے جیسے نباتات کو پانی غذا پہنچاتا ہے۔ اسی طرح پر وہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس کی خلقت پوری نہیں ہو لیتی اور اس کے بدن کی جلد مضبوط نہیں ہوتی کہ ہوا کا مقابلہ کر سکے (یعنی ہوا سے اس کو تکلیف نہ پہنچ سکے) اور اس کی آنکھ اس قابل نہیں ہو جاتی کہ روشنی کو دیکھ سکے جب یہ سب کچھ ہو جاتا ہے تو اس کی ماں کو دردزہ شدت سے شروع ہوتا ہے اور اس کو بہت سخت متحرک اور بے چین کرتا ہے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ خون جس سے اس کی غذا پیٹ کے اندر ہوتی تھی، ماں کے پستان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تو اس کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے، رنگ بھی بدل جاتا ہے اور وہ کچھ اور ہی قسم کی غذا بن جاتا ہے۔ جو بچے کے مزاج کے نہایت ہی موافق ہوتا ہے بہ نسبت خون کے اور جس وقت اسے ضرورت ہوتی ہے اس وقت اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ پس جس وقت وہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت ہونٹوں پر زبان پھرانے لگتا ہے اور لبوں کو حرکت دیتا ہے۔ اس غرض سے کہ اسے دودھ پلایا

Presented by Ziaraat.Com

جائے۔ تو وہ اپنی ماں کے دونوں پستانوں کو ایسا پاتا ہے جیسے دو شربے اس کی خوراک کے لیے لٹکے ہوں ہیں۔ اسی حیثیت سے برابر دودھ سے غذا پاتا رہتا ہے جب تک اس کا بدن نرم اور اس کی آنتیں واعضاء رقیق اور کمزور رہتے ہیں۔

دانتوں کی ضرورت اور حکمت

یہاں تک کہ چلنے پھرنے لگتا ہے اور اسے ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جو سخت ہو، تاکہ اس کا بدن قوی ہو، اس میں طاقت آئے۔ تو اس وقت اس کے ڈاڑھ کے دانت نکلتے ہیں کہ ان سے غذا کی چیز کو چبا سکے تاکہ اس کا ہضم ہونا اس کے لیے آسان ہو جائے۔ پھر اسی طرح غذا کھاتا رہتا ہے۔

ڈاڑھی کی حکمت

یہاں تک کہ جب جوان ہوتا ہے۔ اگر لڑکا ہوا تو اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تاکہ مرد کی علامت اور مردوں کی عزت اس سے حاصل ہو، جس سے وہ بچپنے کی حد سے اور عورتوں کی مشابہت سے نکل جاتا ہے اور اگر لڑکی ہوئی تو اس کا چہرہ صاف وشفاف رہتا ہے اس پر بال نہیں نکلتے تاکہ تازگی اور حسن اس کا باقی رہے جس سے مردوں کو اس کی طرف رغبت ہو اور بقائے نسل کا باعث ہو سکے۔

تفصیل بیان گزشتہ

اے مفضل! ان تمام مختلف حالتوں میں جس شان سے انسان کی تدبیر واصلاح ہوتی رہی ہے کیا تم جان سکتے ہو کہ یونہی بغیر کسی مدبر اور خالق کے ہوتی رہی ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر یہ خون (خون حیض) اس وقت جبکہ وہ (بچہ) رحم میں تھا۔ اس کی طرف جاری نہ کیا جاتا، تو کیا وہ ان نباتات کی طرح خشک نہ ہو جاتا جن کو پانی نہیں ملتا۔ اور اگر دردزہ اسے متحرک نہ کرتا اور اس کے پیدا ہونے کے قابل ہو جانے کے بعد اس کو نکلنے کی تحریک نہ کرتا تو کیا وہ رحم

Presented by Ziaraat.Com

میں اسی طرح نہ دفن ہو جاتا جیسے زندہ بچے زمین میں دفن کر دیے جاتے تھے۔ اور اگر ولادت کے وقت اس کے مزاج کے موافق دودھ نہ ملتا تو کیا بھوکا مر نہ جاتا۔ یا ایسی غذا نہ کھاتا جو اس کے موافق مزاج نہ ہو اور اس کے بدن کی اصلاح نہ کر سکے اور اگر اپنے وقت خاص پر اس کے دانت نہ نکلتے تو کیا اس کو کھانے کی چیزیں کھانی اور چبانی اور ان کا ہضم کرنا دشوار نہ ہوتا۔ یا اسے اسی حالت رضاعت پر باقی نہ رکھتا تو پھر، نہ تو اس کا بدن مضبوط ہوتا اور نہ وہ کسی کام کے قابل بنتا، اور پھر تو اس کی ماں اسی کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہتی، کسی دوسرے بچے کی تربیت کی اس کو فرصت ہی نہ ملتی۔

اور اگر اس کے چہرے پر اپنے وقت سے بعد بال نہ نکلتے تو کیا بچوں ہی کی ہیئت اور عورتوں ہی کی صورت پر نہ رہ جاتا۔ پھر نہ تو اس میں کوئی جلالت ہوتی اور نہ وقار ہوتا (جیسے آپ خواجہ سراؤں کو دیکھتے ہیں، ڈاڑھی نہ ہونے کی وجہ سے کیا منڈی صورت معلوم ہوتی ہے)۔

مفضل نے عرض کی یا حضرت میں نے کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اپنی حالت پر باقی رہ جاتے ہیں ان کے ڈاڑھی نہیں نکلتی اگر چہ وہ بوڑھے بھی ہو جائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو ان کی کرنی کا نتیجہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پس سوائے اس شخص کے جس نے اس انسان کو پیدا کیا۔ جبکہ یہ معدوم تھا اور اس کے وجود کے بعد اس کے تمام مصالح کا خود کارکن بنا وہ کون ہے جو اس کے لیے منتظر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً اس کی ضروریات کو پورا کرتا رہتا ہے۔

اگر اہمال (بے کسی کے پیدا کیے ہوئے پیدا ہو جانا) ایسی ایسی تدبیروں کے ہوتے ہوئے بھی ہو سکتا، تو بالقصد پیدا کرنا اور باندازہ معین خلق کرنا غلطی اور محال سے بھی ہو سکتا، کیونکہ یہ دونوں اہمال کے مخالف ہیں حالانکہ ایسا کہنا نہایت ہی لغو ہے (کہ اصلاح و درستی تو

Presented by Ziaraat.Com

بغیر کسی خالق کے ہو جائے اور خرابی و نادرستی تدبیر و تقدیر خالق کے ہونے سے ہو سکے) اور اس کا کہنے والا جاہل ہے کیونکہ بغیر بنائے ہوئے کسی چیز کا پیدا ہو جانا کبھی ٹھیک اور درست نہ ہوگا اور خرابی و تضاد باہمی کبھی انتظام کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یہ ملحدین جو کچھ کہتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے کیوں ناسمجھ ہوتا ہے

پہلی حکمت:

اگر بچہ بافہم و عقل پیدا ہوتا تو وہ بالکل اس جہاں کو پہنچانتا ہی نہیں اور مدہوش و حیران رہ جاتا، جبکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتا جن کو کبھی نہ دیکھا تھا اور اس کے سامنے وہ جہان کی مختلف طرح کی صورتیں بہائم و طیور وغیرہ کی آتیں جیسی اس نے کبھی نہ دیکھی تھیں اور اب جنہیں دم بدم اور روز بروز دیکھتا ہے۔

اے مفضل! اسے یوں سمجھو کہ جیسے کوئی شخص کسی ایک ملک سے قید ہو کر دوسرے ملک میں جائے اور اس کی عقل بھی درست ہو تو دیکھو وہ کیسا حیران و پریشان ہوتا ہے۔ نہ تو جلد وہاں کی گفتگو سیکھ سکتا ہے اور نہ وہاں کے اخلاق و آداب کو قبول کر سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جو بچپنے ہی میں جبکہ اس کی عقل کامل نہ ہوئی ہو کسی غیر ملک میں قید کر کے پہنچایا جائے تو بہت جلد وہاں کی زبان، وہاں کے اخلاق و انداز سیکھ لے گا۔ اسی طرح، اگر بچہ باعقل و ہوش پیدا ہوتا اور یکایک آنکھ کھولتے ہی اس جہان کی عجیب عجیب چیزیں اور مختلف طرح کی صورتیں اور قسم قسم کے اتفاق و اختلاف دیکھتا تو سخت تعجب میں رہتا اور مدت تک اس کی عقل میں یہ بات نہ آتی کہ میں کہاں تھا، کہاں آ گیا اور یہ جسے میں دیکھ رہا ہوں کیا ہے۔ خواب ہے یا بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

دوسری حکمت

پھر اگر وہ باعقل و ادراک پیدا ہوتا تو جب اپنے تئیں دیکھتا کہ کوئی گود میں اٹھائے ہوئے ہے اس کو دودھ پلایا جاتا ہے اسے (بقاعدۂ عرب) کپڑے کی پٹیوں میں لپیٹا جاتا ہے، اسے گہوارہ میں لٹایا جاتا ہے، (کیونکہ بچوں کے لیے یہ سب باتیں ہونی ضروری ہیں، اس سبب سے ابھی اس کا بدن نرم ہے اور مرطوب ہے) تو اسے کیسی نفرت اور ذلت معلوم ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ باعقل و ہوش پیدا ہونے میں دلوں کو اس سے وہ حلاوت نہ ملتی اور نہ وہ وقعت اس کی لوگوں کو ہوتی جو عام طور پر ناداں بچوں کے کھلانے اُچھالنے سے ہوتی ہے اور ان کے بھولے پن کی وجہ سے دلوں کو ان کی طرف ایک خاص میلان اور رجحان ہوتا ہے۔

تیسری حکمت

لہٰذا وہ دنیا میں اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ کچھ سمجھتا نہیں ہوتا۔ بالکل دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے اور تمام چیزوں کو اپنے نہایت کمزور ذہن اور ناقص معرفت سے دیکھتا ہے جس کی وجہ سے اسے کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔

پھر رفتہ رفتہ، وقتاً فوقتاً اس کی عقل اور معرفت بڑھتی رہتی ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ تمام چیزوں سے مانوس ہو جائے اور اس کے ذہن کو مشق حاصل ہو جائے اور پھر اس پر قائم رہے اور اسے غور کرنے کی ضرورت نہ پڑے، نہ اس کو حیرت ہو اور پھر باطمینان اپنی عقل و تدبیر سے معاش حاصل کر سکے۔ اس کی کوشش کر سکے اور عبرت حاصل کرنا اور فرمانبرداری اور بھول چوک اور نافرمانی کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

چوتھی حکمت

یہ کہ اگر بچہ باعقل وادراک پیدا ہوتا اور خود اپنے کام کو سمجھ سکتا، تو اولاد کی پرورش کی

Presented by Ziaraat.Com

حلاوت کا محل نہ رہتا، اور وہ مصلحت جس سے والدین اپنی اولاد کے امور میں ہر وقت مصروف و مشغول رہتے ہیں فوت جاتی، اور نہ والدین کی ان پر وہ مہربانی اور عطوفت باقی رہتی جو عام بچوں کی ضرورتوں کے موقع پر ہوتی ہے جس سے وہ ان کے لیے تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔

پانچویں حکمت

یہ کہ نہ اولاد کو ماں باپ سے الفت پیدا ہوتی، اور نہ ماں باپ کو اولاد سے۔ اس لیے کہ جب وہ اپنی عقل کی وجہ سے والدین کی تربیت اور داشت سے مستغنی ہیں تو وہ ان سے وقت ولادت سے ہی الگ ہو جاتے، اولاد، ماں باپ سے اور ماں باپ، اولاد سے۔ پھر تو نہ کوئی شخص اپنی ماں کو پہنچانتا، نہ باپ کو اور نہ وہ اپنی ماں، بہن اور باقی محارم سے نکاح کرنے سے (صحبت کرنے سے) پرہیز کرتا، کیونکہ وہ ان کو پہچانتا ہی نہیں۔

چھٹی حکمت

اور کم از کم جو اس میں قباحت ہے حالانکہ وہ سب سے بڑی خرابی ہے اور نہایت مکروہ بات ہے اور وہ یہ کہ اگر بچہ باعقل و ادراک و باہوش و حواس، ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا اور وہ اس شے کو دیکھتا جسے دیکھنا اسے جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کچھ مناسب معلوم ہوتا کہ وہ اسے دیکھے تو اس کی کیا حالت ہوتی؟

اے مفضل! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس خلقت کی ہر شے کس انتہائی درستی اور خوبی پر قائم کی گئی ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں کسی غلطی اور خطا سے خالی ہے۔

بچوں کے رونے کی حکمت

دیکھو اے مفضل! بچوں کے رونے میں کیا نفع اور فائدہ ہے۔ اس بات کو جانو کہ بچوں کے دماغ میں رطوبت ہوتی ہے، اگر وہ اس میں رہ جائے تو طرح طرح کی مصیبتیں ان پر پڑتیں اور عارضے ان کو لاحق ہوتے۔ مثلاً آنکھ ہی جاتی رہتی یا اور کوئی بیماری واقع ہو جاتی۔

Presented by Ziaraat.Com

لہٰذا رونا، اس رطوبت کو ان کے دماغوں سے بہا دیتا ہے اور اس کے بعد ان کے بدنوں میں صحت پیدا کر دیتا ہے اور ان کی آنکھوں میں سلامتی پیدا کر دیتا ہے۔

کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بچہ تو رونے سے فائدہ پاتا ہے اور اس کے والدین اس بات کو نہیں سمجھتے اور اس وجہ سے کوشش کرتے ہیں کہ اسے خاموش کریں اور اس کی خوشی کے موافق کام کرتے رہیں تاکہ وہ روئے نہیں، حالانکہ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ رونا ہی اس کے لیے اچھا ہے اور اس کا انجام بہتر ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بہت سی چیزوں میں ایسی منفعتیں ہوں جنہیں یہ دہریے نہ سمجھتے ہوں۔

اور اگر وہ ان باتوں کو سمجھتے تو صرف اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہتے کہ اس میں فائدہ نہیں کیونکہ جن باتوں کو یہ منکرین نہیں سمجھتے اسے اہل معرفت جانتے ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق اس حکمت کو نہیں جانتی اور خالق اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

بچوں کی رال بہنے کی حکمت

بچوں کے منہ سے جو رال بہتی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ رطوبت نکلتی رہتی ہے جو اگر بدن میں رہ جائے تو بڑے بڑے امراض پیدا کر دے جیسے تم ان آدمیوں کو دیکھتے ہو جن کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہے وہ احمق اور مجنون اور بے عقل ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سے امراض ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فالج ہے، لقوہ ہے یا اس کے مانند اور امراض ہیں تو خدائے تعالیٰ نے یہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ رطوبت بچپنے ہی میں ان کے منہ کے ذریعے سے بہہ جائے جس سے ان کو بڑے ہونے کے بعد صحت رہے۔ یہ پروردگار نے ان کو ایسی چیز بخشی ہے جس کی حکمت سے یہ ناواقف ہیں اور ان چیزوں میں مہلت دی ہے جسے وہ نہیں جانتے (کہ شاید اب بھی معرفت حاصل کریں اور خدا شناس بنیں) اگر یہ لوگ اس کی

Presented by Ziaraat.Com

تمام نعمتوں کو جانتے ہوتے تو کبھی اتنی مدت تک معصیت میں نہ پڑے رہتے۔ پس اسی کے لیے تسبیح اور پاکی ہے۔ کس قدر اس کی نعمت بزرگ ہے اور جو اس کی مخلوقات میں سے اس کے مستحق ہیں یا نہیں مستحق ہیں ان سب پر کیسی کامل نعمت ہے، اور وہ اس سے زیادہ برتر ہے جسے یہ گمراہ کہتے ہیں۔

آلاتِ جماع کی ضرورت وحکمت

اے مفضل! اب ذرا غور کرو کہ جماع کے آلات نر و مادہ میں کیسے مناسب بنائے گئے ہیں۔ نر کے لیے تو ایسا آلہ بنایا ہے جو ابھر سکتا ہے اور بڑھ سکتا ہے تاکہ نطفہ رحم تک پہنچ سکے، کیونکہ اسے اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنا نطفہ کسی دوسری چیز میں ڈال سکے (اس لیے کہ نر سے تو بچہ ہو ہی نہیں سکتا لامحالہ اس کی ضرورت ہوئی کہ مادہ کے رحم تک نطفہ پہنچائے، تاکہ بچہ ہو سکے) اور مادہ کو ایک گہرا ظرف دیا گیا (یعنی رحم) جو دونوں (نر و مادہ) کے نطفوں کو اچھی طرح رکھ سکے اور بچے کا تحمل کرے اور اس کے لیے پھیلتا رہے (جس قدر بچہ بڑھتا رہتا ہے اسی قدر رحم پھیلتا جاتا ہے تاکہ بچے کو تنگی نہ ہو) اور اس کی حفاظت کرے کہ وہ قوی و مستحکم ہو جائے۔ کیا یہ بات کسی باریک بین حکیم کی تدبیر نہیں ہے؟ (اور کیا یہ سب حکمتیں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اور یہ لطیف مناسبتیں بھی خود بخود ہو گئی ہیں؟)!! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور مشرکین کے شرک سے برتر ہے۔

جملہ اعضائے جسم کی کیا ضرورت ہے؟

اے مفضل! غور کرو، جسم کے اعضاء میں اور اس امر میں کہ ہر ایک ان میں کس ضرورت کے لیے بنایا گیا ہے اور اس میں کیا اصلاح و تدبیر کی گئی ہے؟ دیکھو! دونوں ہاتھ تو کام کرنے کے لیے ہیں اور دونوں پاؤں چلنے کے لیے اور دونوں آنکھیں راہ دیکھنے کے لیے اور منہ غذا کھانے کے لیے، معدہ ہضم کے لیے اور جگر غذا کا لُب لباب نکال لینے کے لیے

Presented by Ziaraat.Com

(تا کہ اس سے خون صفرا، سودا اور بلغم بنا سکے اور تمام جسم کو تقسیم کرے) اور سوراخ اس لیے کہ ان میں سے فضلہ دفع ہو سکے، اور آنتیں...... ان کی متحمل رہنے کے لیے، اور فرج بقائے نسل کے لیے اور علیٰ ہذا القیاس تمام اعضاء ہیں کہ اگر ان میں غور کرو گے اور اپنی فکر سے کام لو گے تو ہر ایک عضو کو ایسا پاؤ گے کہ وہ کسی خاص کام کے لیے نہایت درستی اور حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔

طبیعت فاعل اور خالق عالم نہیں ہو سکتی

مفضل نے کہا میں نے عرض کی آقا! کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سب باتیں طبیعت سے پیدا ہوئی ہیں اور دراصل یہ طبیعت کا فعل ہے۔ (یعنی جس طرح اس شے کی طبیعت مقتضی ہوتی ہے ویسے ہی اس کے آلات بن جاتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اچھا تو ان سے پوچھو کہ یہ طبیعت جس کے یہ افعال باحکمت و باتدبیر ہیں، آیا وہ علم اور قدرت بھی رکھتی ہے یا محض بے شعور و بے ادراک ہے۔ اس میں نہ قوت ہے نہ علم۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اس میں علم اور قدرت ہے تو پھر انہیں خالق کے ماننے سے کیا چیز روکتی ہے؟ (اسی کو تو ہم خالق کہتے ہیں جو علم اور قدرت والا ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کو کسی علم اور قدرت والے نے پیدا کیا ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا کوئی خالق نہیں، تو جب طبیعت علم و قدرت والی ہوئی اور اس نے یہ فعل با حکمت و تدبیر کیے تو ان اشیاء کی پیدا کرنے والی ہوئی حالانکہ وہ پیدا کرنے والے کو مانتے ہی نہیں)۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت بے علم و قدرت کے ایسی ایسی چیزیں پیدا کر دیتی ہے۔ (یعنی نہ وہ جانتی ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں اور نہ اسے اس کام کی قدرت ہے جسے وہ کر رہی ہے) اور اس کے کاموں میں اس قسم کی حکمت و تدبیر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو (تو چونکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک شے کو کام کرنے کی قدرت بھی نہ ہو اور نہ اسے اس کام کا

Presented by Ziaraat.Com

ادراک ہو، پھر بھی وہ اس کو کرے)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ فعل کسی حکیم پیدا کرنے والے کا ہے اور جسے یہ لوگ طبیعت کہتے ہیں وہ صرف اس کا بنایا ہوا ایک قاعدہ ہے جسے اس نے اپنی مخلوقات میں حکمت سے جاری کر دیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ہر چیز کو اس کے اسباب اور علت سے پیدا کرے۔ مثلاً پانی سے دانہ اگاتا ہے۔ اگر مینہ نہ برسے تو غلہ نہ پیدا ہو۔ مجامعت زن وشوہر سے بچہ پیدا کرتا ہے۔ اگر مرد وعورت ہم صحبت نہ ہوں اور نطفہ رحم تک نہ جائے تو بچہ نہیں ہو سکتا۔ بخارات سے ابر پیدا کرتا ہے اور ابر کو ہوا سے متحرک کرتا ہے تاکہ مینہ (بارش) برسے، اگر یہ نہ ہو تو بارش نہ ہو۔ یہ دہریے اس لیے یہ سمجھے کہ دراصل یہی اسباب وعلل اور طبیعت خالق ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اشیائے عالم کا خالق نہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ صرف پانی جو بے روح ہے وہ کس طرح غلہ پیدا کر سکتا ہے جب تک اس میں کوئی اثر دینے والا اثر نہ پیدا کرے۔ اور نطفہ کیونکر بچہ پیدا کر سکتا ہے اگر کوئی حکیم مدبر اس میں یہ قوت پیدا نہ کرے کہ اس کے ایک حصے سے سر بنے اور ایک حصے سے پاؤں بنیں، ایک حصے سے ہڈیاں بنیں، ایک حصے سے قلب وجگر وغیرہ بن سکیں، صرف نطفہ جو ایک بے ادراک چیز ہے وہ کیا کر سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور چیزیں بھی ہیں۔

غذا خوری کے متعلق تدبیریں اور حکمتیں

اے مفضل! ذرا اس بات میں غور کرو کہ بدن کے اندر غذا کیونکر پہنچتی ہے اور اس میں کیا کیا حکمتیں اور تدابیر ہیں۔

دیکھو! کھانا جب معدے میں جاتا ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے اور اس کا لب لباب جگر کی طرف ان باریک رگوں کے ذریعے سے جو جگر کے اندر جالداری بنی ہوئی ہیں پھینک دیتا ہے (جسے اطباء کیموس کہتے ہیں) یہ معدہ مثل مصفی غذا کے بنایا گیا ہے کہ غذا کو صاف کر

Presented by Ziaraat.Com

کے جگر میں بھیجتا رہے تا کہ جگر میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچ جائے جو اسے زخمی کر دے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جگر ایک نرم چیز ہے سختی کا تحمل نہیں کر سکتا۔

پھر جگر اس غذائے حاصل شدہ اور لب لباب کو لے لیتا ہے تو وہ ایک نہایت ہی باریک حکمت سے خون بن جاتا ہے اور ان نالیوں (رگوں) کے ذریعے سے تمام بدن میں پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے لیے بنائی گئی ہیں جیسے پانی کے لیے نالیاں بنائی جاتی ہیں کہ تمام زمین تک پہنچ جائے۔ (جہاں تک پہنچانا مقصود ہے جیسے آپ کھیتوں میں دیکھتے ہیں۔ باغوں میں کہ ادھر سے ادھر نالیاں بنی ہوئی ہیں اور انہیں چھوٹی چھوٹی نالیوں سے پانی تمام کھیت اور باغ میں پہنچتا ہے) اور فضلہ اور خبیث چیزیں ان مقامات کی طرف بہہ جاتی ہیں جو خاص انہیں فضلات کے جمع کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ (مثلاً مثانہ، امعا، بیخ ران، بغل وغیرہ)

پس جو کہ از قسم صفرا ہوتا ہے وہ تو پتے میں چلا جاتا ہے اور جو از قسم سودا ہوتا ہے وہ طحال کی طرف اور جو نمی اور تری ہوتی ہے وہ مثانے کی طرف بہہ جاتی ہے۔

پس، غور کرو اے مفضل! کہ ترکیب بدن میں کیا حکمت ہوتی ہے اور یہ اعضا کس طرح اپنے اپنے موقعوں پر قائم کیے گئے ہیں اور یہ ظروف (آنتیں اور مثانہ وغیرہ) کیوں کر تیار کیے گئے ہیں کہ فضلوں کو اپنے میں جمع کریں تا کہ تمام بدن میں یہ فضلے نہ پھیل سکیں۔ جس سے جسم میں بیماری اور لاغری پیدا ہو۔

پس مبارک ہے وہ ذات جس نے ایسے اچھے اندازے اور محکم تدبیر سے ان اعضا کو پیدا کیا اور اسی کے لیے وہ حمد ہے جس کا وہ مستحق اور جس کے لائق ہے۔

مراتب نشوونمائے جسم

مفضل نے کہا، میں نے عرض کی مجھ سے اب آپ بدن کا نشوونما جو وقتاً فوقتاً اس کے پورے اور کامل ہو جانے تک ہوتا رہتا ہے، بیان فرمائیے:

Presented by Ziaraat.Com

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پہلا مرتبہ اس نشوونما کا وہ ہے جبکہ جنین کی صورت رحم میں بنتی ہے، ایسے وقت میں نہ اس کو آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر اس کی تدبیر ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کامل آدمی بن کر اور تمام وہ اعضاء و جوارح و دل و جگر و امعاء و تمام کارکن اعضاء جو ترکیب بدن میں داخل ہیں مثلاً ہڈیاں، گوشت، چربی، مغز، پٹھے، رگیں اور غضاریف ان کو پورا اور کامل کیے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب اس عالم میں آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ کیوں کر وہ مع اپنے تمام اعضاء کے نمو کرتا ہے اور بڑھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اس صورت اور ہیئت پر باقی رہتا ہے نہ کچھ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے (یعنی نہ اس کے اعضا میں انفصال ہوتا ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ اس میں کوئی جوڑ لگایا گیا یا گوشت کا پیوند کیا گیا اور نہ کوئی جزو زائد اس میں سے نکل جاتا ہے بلکہ بدن اسی طرح متصل رہتا ہے اور پھر اس میں نشوونما ہوتی رہتی ہے) یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی تک پہنچتا ہے خواہ اس کی عمر دراز ہو یا اپنی مدت عمر اس سے پہلے ہی پوری کر دے۔

کیا یہ نہایت باریک تدبیر اور حکمت نہیں ہے؟ (جسے کسی حکیم مدبر نے کمال حکمت سے کیا ہے)۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ

اے مفضل! غور کرو کہ انسان کو اس کی خلقت میں اور بہائم وغیرہ پر کیا فضیلت اور شرف دیا گیا ہے۔ یہ سیدھا اور کھڑا پیدا کیا ہے اور کیسا برابر ہو کر بیٹھتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تمام چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے لے سکے اور اپنے اعضا سے اسے حاصل کر سکے۔ کام کرنا اور تدبیر کرنا اسے ممکن ہو اگر جھکا ہوا اوندھا بنایا گیا ہوتا جیسے چوپائے ہیں تو کبھی اس سے وہ کام نہ ہو سکتے جواب کر سکتا ہے۔

غور کرو اے مفضل! ان حاسوں کی طرف جو خاص طور پر آدمی میں پیدا کیے گئے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں، اور ان سے اسے شرافت دی گئی ہے اور دوسروں کو وہ شرف حاصل نہیں (یعنی یہ حاسے جس انداز اور جس ترکیب سے انسان میں ہیں باقی حیوانات میں نہیں ہیں بلکہ دیگر حیوانات کے حاسوں کی ساخت اور ترکیب دوسرے عنوان سے ہے۔)

آنکھیں سر میں کیوں بنائی گئیں؟

آنکھیں سر میں اس طرح بنائی گئی ہیں جیسے چراغ دان پر چراغ رکھا ہوتا ہے تاکہ ہر چیز کو دیکھ سکے۔ یہ آنکھیں سر کے نیچے کے اعضا میں نہیں بنائی گئیں۔ ہاتھوں میں آنکھ نہیں بنائی گئی۔ پاؤں میں نہیں بنا دی گئی جس سے اس کو آفتیں پیش آتیں اور کام کرنے اور حرکت سے وہ باتیں اس میں پیدا ہو جاتیں جو اسے بیمار کر دیں اور اس میں اثر کریں اور اسے نقصان پہنچائیں۔

وسط بدن میں آنکھیں نہیں بنائی گئیں جیسے پیٹ، پیٹھ، سینہ وغیرہ ہے کیونکہ اگر ان مقامات میں آنکھیں بنائی جاتیں تو انہیں گردش دینا اور چیزوں کو اُچک کر دیکھنا دشوار ہوتا تو جبکہ ان اعضاء میں سے کوئی عضو آنکھوں کے لیے مناسب نہ ہوا تو سر ہی اچھا مقام ان حواس کے لیے قرار پایا اور وہ ان حواس کے لیے بمنزلہ صومعہ کے بنایا گیا ہے۔

حاسّے پانچ کیوں بنائے گئے کم و بیش کیوں نہ ہوئے؟

پھر حواس (حاسّے) پانچ بنائے گئے تاکہ پانچ قسم کی چیزوں کو محسوس کرسکیں اور محسوسات میں سے کوئی چیز ایسی نہ رہے جسے وہ معلوم نہ کر سکے۔

آنکھیں تو اس لیے بنائی گئی ہیں کہ ہر طرح کے رنگ کو معلوم کرلیں پس اگر رنگ موجود ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں جو انہیں محسوس کریں تو ان رنگوں کے موجود ہونے میں کوئی فائدہ نہ ہوتا (کیونکہ یہ رنگ صرف اس لیے ہیں کہ باہم اشیاء میں ان کی وجہ سے تمایز ہو اور یہ کہ آنکھوں کو ان سے تمیز حاصل ہو یا ان کو دیکھ کر فرحت حاصل کرسکیں۔)

Presented by Ziaraat.Com

کانوں کی ضرورت

اور کان اس لیے سر میں قرار دیے گئے ہیں کہ آوازوں کو محسوس کرسکیں۔ اگر آوازیں ہوتیں اور کان نہ ہوتے جو انہیں سمجھتے تو آوازیں بالکل بیکار ہوتیں۔

دیگر حاسّوں کی احتیاج

علیٰ ہٰذا القیاس اور حاسوں کو سمجھ لیں۔ (مثلاً اگر ذائقہ کی چیزیں موجود ہوتیں اور قوت ذائقہ نہ ہوتی تو یہ تمام مزے بیکار ہوتے اور گرمی، سردی، نرمی، سختی مثلاً موجود ہوتیں اور حاسّہ لامسہ نہ ہوتا تو ان کا وجود بیکار ہوتا۔ اگر خوشبودار چیزیں موجود ہوتیں اور قوت شامّہ نہ ہوتی تو تمام خوشبوئیں فضول ہوتیں۔)

پھر اس کا عکس بھی اسی طرح ہے کہ اگر آنکھیں ہوں اور دنیا کے رنگ نہ ہوں تو آنکھیں بیکار ہیں، اور اگر کان موجود ہوں اور آوازیں نہ ہوں تو کان کا کوئی فائدہ نہیں۔

تو دیکھیں کہ کس طرح ایسا مقدر کر دیا ہے کہ ایک چیز دوسرے کو محسوس و معلوم کرے۔ اور ہر ایک حواس کے لیے ایک خاص محسوس مقرر کر دیا ہے جو اس میں اپنا عمل کرے اور ہر محسوس کے واسطے ایک حاسّہ بنا دیا ہے جو اسے محسوس کرے۔ (مثلاً آواز صرف کان ہی سے سنی جا سکتی ہے۔ آنکھ اسے محسوس نہیں کرسکتی۔ آنکھیں صرف رنگوں اور شکلوں کو دیکھ سکتی ہیں آوازوں کو نہیں سن سکتیں۔ ناک، خوشبو اور بدبو ہی کو محسوس کرسکتی ہے رنگ اور آواز کا ادراک نہیں کرسکتی اور علیٰ ہٰذا القیاس۔

حاسہ اور محسوسات کے درمیان واسطہ کیونکر قائم ہے؟

اور پھر کچھ چیزیں ان حواس اور محسوسات کے درمیان واسطہ بھی قرار دی گئی ہیں جن کے بغیر حاسہ کچھ نہیں کرسکتا۔ مثلاً روشنی اور ہوا، کہ اگر روشنی نہ ہو جو رنگ کو آنکھوں کے سامنے ظاہر کرسکے تو آنکھیں کبھی رنگ کا احساس نہیں کرسکتیں۔ اور اگر ہوا نہ ہو جو آواز کو کانوں تک

Presented by Ziaraat.Com

پہنچاتی ہے تو کان کبھی آواز کا ادراک نہیں کر سکتے۔

تو کیا اے مفضل! جس شخص کی عقل صحیح ہو اور وہ اپنی فکر سے کام لے اس پر یہ بات چھپی رہ سکتی ہے کہ جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا، کہ حواس اس لیے بنائے گئے اور محسوسات اس طور پر پیدا ہوئے جو ایک دوسرے کو محسوس کرتے ہیں اور ان کے واسطے کچھ چیزیں واسطہ بھی قرار دی گئیں جن سے حواس کا عمل پورا ہوتا ہے۔ بغیر کسی باخبر باریک (لطیف) بنانے والے کی تدبیر اور قصد کے بن گئے، اور اس میں کسی خالق کا کچھ اثر نہیں ہے۔ (کہیں خود بخود ایسے مناسبات اور ایسی حکمتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ بھلا طبیعت کیا سمجھ سکتی ہے کہ آنکھ اس طرح بنائی جائے اور کان اس طرح اور فلاں چیز فلاں سے محسوس کرے، اور فلاں چیز فلاں کو، اور یہ بغیر واسطہ اور ذریعے کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا واسطے بھی پیدا کر دیے۔ کہیں طبیعت لاشعوریہ سے یہ بات ممکن ہے؟ جب تک کوئی حکیم، مدبر ان باتوں کو نہایت حکم ومصلحت کے ساتھ سمجھ کر نہ بنائے۔

اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو کیا کیا نقصان پہنچتے

غور کرو اے مفضل! اس شخص کے حال پر جس کی آنکھیں نہیں ہوتیں تو اس کے کاموں میں کیا خلل پڑتے ہیں۔ نہ تو وہ اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے (کہ کہاں قدم پڑا کہاں نہیں، بلندی ہے یا پستی، گڑھا ہے یا غار، وغیرہ وغیرہ) اور نہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ رنگوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اچھی بُری شکل کو۔ اگر کوئی گڑھا سامنے آ جائے تو اسے نہیں دکھائی دیتا۔ یا اگر کوئی دشمن تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے تو اسے نہیں معلوم ہوتا اور نہ اس کو تحریر، تجارت اور زیورسازی وغیرہ صنعتوں کے کام کی راہ معلوم ہوتی ہے۔ (کہ کیونکر ان کاموں کو کرے) یہاں تک کہ اگر اس کا ذہن (اور دماغ) کام نہ کرے تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے ایک پتھر پڑا ہوا ہے (البتہ اس کا ذہن کچھ اسے راہیں بتاتا ہے جس سے بغیر آنکھ کے

Presented by Ziaraat.Com

بھی چل پھر اور کھا، پی سکتا ہے)۔

کان نہ ہوں تو کیا خرابی ہوگی؟

علیٰ ہذا القیاس، جس کے کان نہ ہوں تو اس کے بہت سے کاموں میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اس کو گفتگو و کلام کا ذائقہ ہی نہیں ملتا، اور نہ دردناک یا طرب انگیز آوازوں کی لذت اسے محسوس ہوتی ہے، اور لوگوں کو اس سے کلام کرنے میں سخت دِقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے تنگ آ جاتے ہیں اور وہ لوگوں کی خبریں اور باتیں ہی نہیں سن سکتا، حالانکہ وہ موجود اور زندہ ہے، جیسے کوئی غائب آدمی خبروں سے ناواقف ہوتا ہے۔ یا جیسے کوئی مردہ ہے کہ لوگوں کی باتیں نہیں سن سکتا۔

عقل کا فائدہ

لیکن جس کی عقل ہی نہ ہو وہ تو بہائم کے مانند ہے بلکہ یہ شخص بہت سی ایسی چیزیں نہیں سمجھ سکے گا جنہیں بہائم سمجھتے اور جان سکتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ اعضاء و جوارح اور عقل اور تمام وہ چیزیں جن سے انسان کی اصلاح ہے اور جو ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو کتنا بڑا خلل اور ضرر اس کو پہنچے، کس طرح اس کی خلقت کو کامل بناتی ہیں اور کوئی ان میں سے کسی کامل مجسم انسان سے مفقود نہیں ہوتی تو کیا یہ سب چیزیں بے علم وقدرت و بے اندازہ پیدا ہوگئیں۔ (ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ضرور کسی مدبر نے علم و اندازہ کے ساتھ ان کو بنایا ہے)۔

بعض لوگوں کی اعضاء و جوارح سے محرومی کی وجہ

مفضل نے کہا کہ:...... میں نے عرض کی تو پھر بعض آدمیوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ان کے بعض اعضاء و جوارح نہیں ہوتے اور ان کو اس سے وہی نقصانات پہنچتے ہیں جنہیں آپؑ نے بیان فرمایا ہے:

Presented by Ziaraat.Com

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہ اس شخص کی تادیب وتنبیہ کے لیے ہے جس میں ایسا ہوتا ہے اور نیز غیروں کی تنبیہ ونصیحت کے لیے، جیسے بادشاہ لوگوں کو سزا دہی اور نصیحت کی غرض سے تنبیہ کرتا ہے اور یہ تنبیہ ان کی بُری بھی نہیں سمجھی جاتی (کیونکہ اگر سزا دہی کا قانون اٹھا دیا جائے تو خلقت سرکش ہو جائے) بلکہ ان کی تعریف کی جاتی ہے اور ان کی اس تدبیر کو ٹھیک سمجھا جاتا ہے۔

پھر جن لوگوں پر یہ بلا پڑتی ہے انہیں مرنے کے بعد اس قدر ثواب ملے گا (بشرطیکہ وہ خدا کا شکر کرتے رہیں اور اس کی طرف رجوع کریں) کہ جس کے سامنے وہ تمام مصیبتیں جو ان اعضاء کے نہ ہونے کی وجہ سے ان پر پڑی ہیں حقیر معلوم ہوں گی، یہاں تک کہ اگر ان کو مرنے کے بعد اختیار دیا جائے تو وہ اس بات کو پسند کریں گے انہیں بلاؤں میں لوٹا دیا جائے تاکہ زیادہ ثواب پائیں۔

سر ایک ہی کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

غور کرو اے مفضل! ان اعضاء و جوارح میں جو ایک ایک پیدا کیے گئے ہیں اور دو دو۔ اور دیکھو کہ اس میں حکمت کیا ہے اور کیا انداز ہے اور کیا درستی تدبیر ہے۔

دیکھو! سر ان اعضاں میں سے ہے جو ایک ہی پیدا کیا گیا ہے اور انسان کے لیے ہرگز مناسب بھی نہیں تھا کہ اس کے دو یا زیادہ سر بنائے جاتے۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر ایک سر کے ساتھ دوسرا سر اور لگا دیا جاتا تو اس پر ایک بوجھ ہو جاتا، حالانکہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ وہ تمام حاسے جن کی ضرورت انسان کو ہے وہ سب کے سب ایک ہی سر میں موجود ہیں۔

پھر اگر دو سر ہوتے تو ایک آدمی کے دو حصے ہو جاتے۔ پس اگر وہ ایک ہی سے گفتگو وغیرہ کرتا تو دوسرا محض بیکار ہوتا جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر دونوں کے ساتھ ایک ہی قسم

Presented by Ziaraat.Com

کی گفتگو کرتا تو ایک فضول تھا۔ (کیونکہ دونوں سے وہی بات حاصل ہوتی، جو ایک ہی سے ممکن تھی۔ پھر دوسرے سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت رہی، محض فضول ہوا۔) اور اگر ایک سے کچھ گفتگو کرتا (مثلاً) اور دوسرے سے کچھ، تو سننے والا یہی نہ سمجھ سکتا کہ کس کی بات قابل قبول ہے اور کسی کی نہیں۔ اسی طرح کے اور خلط مبحث واقع ہوتے۔

ہاتھ دو کیوں بنائے گئے؟

اور ہاتھ دو کیوں پیدا کیے گئے؟ انسان کے لیے ہرگز بہتر نہ ہوتا۔ اگر اس کے ایک ہی ہاتھ بنایا جاتا، کیونکہ یہ اس کے ان کاموں میں خلل انداز ہوتا جنہیں وہ کرتا ہے اور جن کی اسے ضرورت ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر بڑھئی اور معمار کا ایک ہاتھ شل ہو جائے تو وہ اس بات پر قادر نہ ہوگا کہ اپنے پیشے کو کر سکے؟ اور اگر یہ تکلیف کرے گا بھی تو اسے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ نہ کر سکے گا اور وہ کام ویسا نہ ہوگا کہ جیسا دونوں ہاتھوں سے ہوسکتا، جو اسے اس کام میں مدد دیتے ہیں۔

آواز اور اس کے آلات

اے مفضل! ذرا سوچو! انسان کی آواز اور کلا اس کے آلات کی ساخت کو اور اس معاملہ میں غور کرو۔ دیکھو حنجرہ (جس کی مدد سے آواز پیدا ہوتی ہے) تو ایک نلکی کے مشابہ ہے۔ جس سے آواز نکلتی ہے اور زبان، ہونٹ اور دانت حرفوں اور آوازوں کے ڈھالنے کا سانچا ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس کے دانت گر جاتے ہیں تو اس سے ''س'' نہیں ادا ہو سکتا، اور جس کے ''ہونٹ'' کٹ جائیں، اس کی زبان سے ''ف'' نہیں نکلتی، اور جس کی زبان موٹی ہو، اس سے ''ر'' نہیں ادا ہوتی، اور بڑا مزمار (جس کو غالباً بین باجا کہتے ہیں) اس سے بہت

Presented by Ziaraat.Com

ہی مشابہ ہے حنجرہ تو مزمار کی نلی سے مشابہ ہے اور پھیپھڑا، اس تونبی کے مشابہ ہے جس کے اندر پھونکتے ہیں، تا کہ ہوا بھرے اور عضلات جو پھیپھڑے کو پکڑے ہوئے ہیں تا کہ آواز نکل سکے وہ ان انگلیوں کے مانند ہے جن سے تونبی کو دباتے ہیں تا کہ ہوا نلی میں آئے اور ہونٹ اور دانت جو حروف اور راگ کو صحیح طریقے سے نکالتے ہیں وہ ان انگلیوں سے مشابہ ہیں جو مزمار کے منہ میں آتی جاتی ہیں جس سے صفیریں اور راگ پیدا ہوں۔ البتہ یہ بات ہے کہ اگرچہ مخرج آواز کو مزمار سے سمجھاتے ہیں اور تعلیم کے موقع پر مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے۔ (یعنی میں نے مخرج صوت کو مزمار سے تشبیہ دی ہے) لیکن دراصل مزمار مشبہ ہے اور مخرج صورت مشبہ بہ ہے جس کے اندر اور ڈھنگ پر یہ باجا بنایا گیا ہے۔ نہ یہ کہ مزمار باجے کو دیکھ کر مخرج صوت بنایا گیا ہے۔

اے مفضل! میں نے تمہارے سامنے جن آلات و اعضائے کلام کو بیان کیا ہے وہ گفتگو اور کلام کے پیدا کرنے اور حرفوں کے درست نکالنے کے لیے کافی ہیں۔

مگر ان میں علاوہ اس میرے بیان کے اور بھی اغراض ہیں۔ مثلاً حنجرہ۔

حنجرہ کیوں پیدا ہوا؟

حنجرہ اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی راہ سے لطیف ہوا پھیپھڑے تک پہنچ سکے اور دل کو متواتر اور پے در پے آنے والے سانس سے آرام دے جو اگر ایک دم کے لیے بھی ٹھہر جائے تو فوراً انسان مر جائے۔

زبان کیوں پیدا کی گئی؟

اور زبان اس لیے بنائی گئی ہے کہ کھانوں کا ذائقہ معلوم ہو سکے اور ان میں تمیز کر سکے ہر ایک ذائقے کو جدا جدا سمجھ سکے۔ میٹھے کو کھٹے سے الگ کر سکے اور خالص ترش کو کھٹے میٹھے سے اور نمکین کو شیریں اور اچھے کو بُرے سے تمیز کرے۔

Presented by Ziaraat.Com

علاوہ اس کے زبان کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے کھانے اور پانی کے خوشگوار معلوم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

دانت کیوں پیدا کیے گئے؟

دانت غذا کو چباتے ہیں تا کہ وہ نرم ہو جائے اور اس کا ہضم ہونا آسان ہو اور علاوہ بریں دانتوں کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ ہونٹوں کی روک (سہارا) ہیں اور منہ کے اندر ہونٹوں کے چلے جانے کو روکتے ہیں۔

اسے یوں سمجھو کہ تم دیکھتے ہو جس کے دانت گر گئے ہیں ان کے ہونٹ کیسے ڈھیلے ڈھالے اور متحرک ہوتے ہیں۔

ہونٹوں کی حکمت

ہونٹوں کے ذریعے سے انسان پانی کو چوس سکتا ہے تا کہ جو پانی پیٹ کے اندر جائے وہ باندازۂ معین اور بالقصد جائے نہ کہ غرغراتا ہوا بہتا ہوا جائے۔ جس سے پینے والے کے گلے میں پھندا نہ لگے اور زور سے بہہ کر جانے کے سبب سے کسی اندرونی حصہ میں خراش نہ پڑ جائے۔

پھر علاوہ اس کے یہ دونوں ہونٹ دروازہ کے مشابہ ہیں جو منہ کو ڈھانکے رہتے ہیں جب آدمی چاہے بند کرے۔

اے مفضل! ہم نے تم سے یہ بات بیان کر دی کہ ان اعضاء میں کئی طرح کے فوائد ہیں اور کئی کئی کاموں میں صرف ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہی آلے سے بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں مثلاً گینتی، جس سے زمین بھی کھودی جا سکتی ہے اور پتھر بھی توڑا جا سکتا ہے اور ہتھوڑا، جس سے کیل بھی ٹھونکی جا سکتی ہے اور لوہے کو بھی کوٹ کر باریک بنایا جا سکتا ہے وغیرہ۔

Presented by Ziaraat.Com

دماغی حکمتیں

اگر تم دماغ کو دیکھو تو ایسا پاؤ گے کہ تہہ بہ تہہ بہت سی جھلیوں میں لپٹا ہوا ہے تا کہ اسے آفتوں سے بچایا جا سکے اور متحرک نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے اوپر ایک کھوپڑی پاؤ گے جو بمنزلۂ خود کے ہے تا کہ ٹھیس اور دھکے کا صدمہ اسے چورا چورا نہ کر دے جو اکثر سر پر واقع ہوتا ہے۔

سر کے بالوں کی حکمت

پھر کھوپڑی کو ایسا پاؤ گے کہ اسے بالوں کا لباس پہنایا گیا ہے جو سر کے لیے بمنزلہ پوستین کے ہو گیا ہے اور اسے گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔

پس سوائے خالق کے کس نے دماغ میں یہ استحکام دیا اور حفاظت پیدا کی اور کس نے اس کو احساس کا سرچشمہ بنایا، اور کس نے اسے اس قابل کیا کہ اس کی حد سے زیادہ حفاظت کی جائے بہ نسبت باقی بدن کے اس کا مرتبہ زیادہ ہونے اور اس کا رتبہ بڑا ہونے اور اس کا درجہ بلند ہونے کے سبب سے اس کی پوری حفاظت و نگہداشت کی جائے۔

آنکھ کے پپوٹے اور پلکیں

اے مفضل! آنکھوں کے پپوٹوں پر غور کرو کہ کس طرح یہ آنکھوں کے لیے مثل پردوں کے بنائے گئے ہیں اور پلکیں مثل ان ڈوروں کے بنائی گئی ہیں جنہیں پکڑ کر پردے کو اٹھاتے اور چھوڑتے ہیں۔

اور دیکھو! کہ آنکھ کو کس طرح اس گڑھے کے اندر رکھا ہے اور اس پر اس پردے اور بالوں سے سایہ کیا ہے۔

دل کو سینے میں کیوں رکھا؟

اے مفضل! یہ کس نے دل کو سینے کے اندر چھپایا ہے اور اسے وہ چادر اڑھائی جسے تم

Presented by Ziaraat.Com

جھلی کہہ سکتے ہو اور کس نے اس کی حفاظت پسلیوں اور اس گوشت اور پٹھوں کے ذریعے سے جو اس کے اوپر ہیں، کی ہے تاکہ اس تک کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اس میں خراش پیدا کر دے یہ کس نے حلق کے اندر دو سوراخ اس لیے بنائے کہ ایک سے تو آواز نکلے اور یہ وہ سوراخ ہے جو پھیپھڑے سے قریب ہے اور دوسرے سے جسے مرے کہتے ہیں اور وہ معدے سے متصل ہے، غذا اندر جا سکے۔

اور کس نے آواز والے سوراخ کو ایک ڈھکنے سے ڈھانکا ہے جو کھانے کو پھیپھڑے تک پہنچنے سے روکتا ہے ورنہ آدمی مر جائے۔

یہ کس نے پھیپھڑے کو دل کا پنکھا بنایا ہے جو نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ اپنے کام میں خلل کرتا ہے تاکہ دل میں حرارت جمع نہ ہو جائے جو اس کی ہلاکت کا باعث ہو۔

یہ کس نے پیشاب پاخانے کے سوراخوں میں ایسی ڈوریاں لگائی ہیں جو ان دونوں کو روکے اور سمیٹے ہوئے رہیں۔ (جیسے کپڑے کے بٹوے میں ڈوری ہوتی ہے کہ جب چاہیں کھول لیں اور جب چاہیں بند کر دیں) تاکہ ہمیشہ بہتے ہی نہ رہیں اور اس سے انسان کی زندگی تلخ ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں شمار کرنے والا شمار کر سکتا ہے۔ بلکہ جو باتیں احصاء و شمار میں نہیں آتیں اور جنہیں آدمی نہیں جانتے وہ اس سے زیادہ ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔

یہ کس نے معدے کو سخت پٹھوں والا بنایا ہے اور سخت کھانے کے ہضم کے لیے اس کو معین کر دیا ہے۔

جگر نرم و رقیق کیوں بنایا؟

اور یہ کس نے جگر کو رقیق اور نرم پیدا کیا کہ لطیف اور صاف شدہ غذا کو قبول کر سکے اور ہضم کرے اور معدے کے فعل سے زیادہ لطیف فعل کر سکے۔

Presented by Ziaraat.Com

کیا یہ سب کام سوائے خدائے قادر مطلق کے اور کوئی کر سکتا ہے؟ کیا یہ تمہارا خیال ہے کہ اہمال و تعطیل بھی ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!! بلکہ یہ ایک مدبر، حکیم اور قادر کی تدبیر ہے جو تمام چیزوں کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے جانتا ہو، جو کسی کام میں عاجز نہ ہو، اور وہ اللہ لطیف و خبیر ہے۔

مختلف اعضاء کی خلقت کی وجوہات

اے مفضل! غور کرو کہ یہ رقیق مغز ہڈیوں کی نلیوں میں کیوں بحفاظت رکھے گئے ہیں؟ اسی لیے تاکہ نلیاں ان کی حفاظت کر سکیں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں (ورنہ اگر نلیوں میں نہ رکھا جاتا تو دھوپ اور حرارت آتش سے پگھل کر بہہ جاتا۔ سردی میں نہایت ٹھوس اور سخت ہو جاتا جس سے انسان زندہ نہ رہ سکتا) کیونکہ ہڈیوں کے مغز بھی باعث قوت بدن انسان ہیں۔

اور یہ بہنے والا خون کیوں رگوں میں بند کیا گیا ہے۔ جیسے پانی ظرف میں رکھا جاتا ہے۔ صرف اسی لیے تاکہ رگیں اس کو روکے رکھیں اور وہ بہہ جانے نہ پائے۔

یہ ناخن انگلیوں پر کیوں قرار دیے گئے ہیں۔ اسی لیے تاکہ ان کو صدمے سے محفوظ رکھیں اور کام کرنے میں مدد دیں (اگر انگلیوں پر ناخن نہ ہوتے صرف گوشت ہی گوشت ہوتا تو چٹکی سے کسی چیز کا گرفت کرنا یا اٹھانا سخت دشوار ہوتا۔ قلم کے ذریعے سے لکھنا دشوار ہوتا، سوئی پرونا ناممکن ہوتا (یعنی سوئی میں دھاگہ پرونا دشوار ہو جاتا)۔

یہ کان کا اندرونی حصہ قید خانے کی طرح کیوں ٹیڑھا میڑھا بنایا گیا ہے؟ اسی لیے تاکہ اس میں آواز جاری ہو سکے اور اس پردے تک پہنچ جائے جس سے آواز سنائی دیتی ہے اور نیز اس لیے کہ ہوا کی تیزی کا زور ٹوٹ جائے تاکہ پردۂ سماعت میں خراش نہ ڈالے۔

یہ آدمی کی رانوں اور سرین پر گوشت کیوں چڑھایا گیا ہے؟ اسی لیے تاکہ اسے

Presented by Ziaraat.Com

زمین کی تکلیف سے بچائے اور سُرین پر بیٹھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو، جیسے اس شخص کو بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے جس کا جسم دبلا اور گوشت کم ہو گیا ہو، اور اس کے اور زمین کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو زمین کی سختی سے اس کو بچائے (مثلاً گدہ، مسند وغیرہ)۔

انسان کی دو قسمیں مرد اور عورت کیوں ہیں؟

کس نے انسان کو مرد اور عورت بنا کر پیدا کیا؟ اسی نے نا، جس نے اس کو نسل بڑھانے والا بنایا (کیونکہ ان دونوں مختلف صنفوں کا وجود صرف اس لیے ہے کہ ان کے اجتماع وصحبت سے نسل انسانی بڑھتی رہے اور قائم رہے)۔ اور کس نے اس کو نسل بڑھانے والا بنایا ہے؟ اسی نے نا، جس نے اس کو امید والا پیدا کیا، (کیونکہ انسان اپنی نسل کے قائم رہنے کی صرف اسی لیے کوشش کرتا ہے کہ اس کا نام باقی رہے ورنہ اگر یہ خیال نہ ہوتا اور انسان کے دل میں یہ آرزو نہ ہوتی تو کیوں ایک دوسرے سے ہم صحبت ہوتا۔

دیکھو ان جانوروں کو جن کی نسل کی بقا صحبت و جماع پر موقوف نہیں ہے بلکہ مادہ کے جمع ہونے اور اس میں ایک خاص قوت پہنچ جانے سے پیدائش واقع ہوتی ہے۔ ان میں نر و مادہ کا تمائز بالکل نہیں ہوتا۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ زنبور، مثلاً کون سی مادہ ہے اور کون سا نر ہے؟

انسان کو کام کے آلات کیوں دیے گئے؟

اور کس نے اسے کام کے آلات دیے؟ اسی نے نا، جس نے اس کو کام کرنے والا بنایا اور کس نے اس کو کام کرنے والا بنایا؟ اسی نے نا، جس نے اس کو صاحب احتیاج پیدا کیا۔ (اگر آدمی کو کسی چیز کی احتیاج نہ ہوتی تو کبھی کوئی کام نہ کرتا، اگر اسے پیٹ بھرنے کی احتیاج نہ ہوتی تو مزدوری کیوں کرتا، حرفت وصنعت کیوں کرتا، اگر اسے جسم کو گرمی اور سردی سے بچانے کی ضرورت نہ ہوتی تو کپڑے کیوں سیتا، سوئی کیوں بناتا، ڈورے کیوں درست کرتا، کپڑے کیوں بُنتا، روئی کیوں کاتتا، کپاس کیوں بوتا، اور جب یہ نہ ہوتا تو آلات عمل، ہاتھ،

Presented by Ziaraat.Com

پاؤں، انگلیاں وغیرہ بھی بیکار تھیں) اور کس نے اسے صاحب احتیاج پیدا کیا۔ اسی نے نا، جس نے اس کے لیے احتیاج کے اسباب پیدا کیے اور کس نے اس کے لیے احتیاج کے اسباب پیدا کیے، اسی نے نا، جس نے اس کے پورا کرنے کی ذمہ داری لی۔ (غور سے اس مضمون کو پڑھیں)۔

انسان کو فہم کیوں دی گئی؟

کس نے اس کو بافہم بنایا؟ اسی نے نا، جس نے اس کے لیے جزا و سزا بھی لازم کی (کیونکہ اگر جزا و سزا اس پر لازم نہ کی جاتی تو اس میں سمجھ و فہم ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے اس کے پیدا کرنے والے نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے متعلق سزا و جزا کی جائے گی۔ لہٰذا اس کو عقل اور سمجھ بھی دی، تا کہ نیک و بد کو سمجھ سکے اور نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی قرار پائے۔

دیکھو جن مخلوقات کے لیے سزا و جزا نہیں قرار دی گئی ہے۔ ان کو کسی نیک و بد کا احساس ہی نہیں ہے اور نہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل حرام ہے، نہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے اور نہ انہیں مکروہ کی تمیز ہے نہ انہیں واجب کا علم ہے۔ سوائے اس کے کہ جس چیز کی ضرورت ان کے بقائے صنف یا بقائے شخص میں ہے اس کو البتہ پہچانتے اور جانتے ہیں۔ مثلاً پرندہ اس قدر ضرور سمجھ رکھتا ہے کہ باز اس کو شکار کرے گا۔ لہٰذا، اس کی صورت دیکھتے ہی تیز پروازی سے کام لیتا ہے۔ یا ایک ہرن، مثلاً خوب جانتا ہے کہ شیر اسے پھاڑ کھائے گا۔ لہٰذا اس کی شکل ہی دیکھ کر فرار ہو جاتا ہے)۔

انسان کو تدبیر کرنی کس نے بتائی؟

کس نے اس کو حیلہ و تدبیر عنایت کی؟ اسی نے نا، جس نے اسے قوت بخشی اور کس نے اسے قوت دی۔ اسی نے نا، جس نے اس پر حجت لازم کی (اگر اتمام حجت نہ مقصود ہوتا تو

Presented by Ziaraat.Com

قوت دینے کی ضرورت ہی کیا ہوتی۔ اب البتہ یہ بات پوچھی جاسکتی ہے کہ ہم نے تو تم کو اٹھنے بیٹھنے کی قوت دے دی تھی پھر تم نے مثلاً نماز کیوں نہ پڑھی یا تمہارے ہاتھ پاؤں میں طاقت دے دی تھی تم نے فلاں گرتے ہوئے آدمی کو دوڑ کر کیوں نہ بچایا۔ ان کاموں میں کون اس کی مدد کرتا ہے جن میں اس کی تدبیر کچھ کارگر نہیں ہوتی، وہی نا، جس کا انتہائے شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ (سبحان اللہ کس انداز کا کلام ہے اور کیا لطیف تعلیم ہے۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ)

مفضل غور کرو اور سوچو جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ کیا بغیر بنائے بن جاتے ہیں یہ نظم ونسق اور یہ ترتیب ہوسکتی ہے (ہرگز نہیں) تعالی اللہ عما یصفون (اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں)۔

دل کی حکمتیں

اے مفضل! اب میں تم سے کچھ دل کا حال بیان کرتا ہوں، جان لو کہ اس میں بہت سے سوراخ (باریک مسامات) ان سوراخوں کے سامنے ہیں جو پھیپھڑے میں واقع ہیں جو کہ دل کا پنکھا ہے۔ (دل کی گرمی اور بخارات کو دور کرتا رہتا اور اسے آرام دیتا رہتا ہے) اگر یہ سوراخ ہٹ جائیں اور ایک دوسرے کے سامنے نہ رہیں تو کبھی ہوا دل میں نہ پہنچ سکے اور انسان مر جائے۔ کیا کسی باعقل و ہوش آدمی کی عقل اجازت دے سکتی ہے کہ وہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ یہ ترکیب بغیر بنائے خود بخود بن گئی، اور کیا اس کا دل اسے اس بات کے کہنے سے نہ روکے گا؟ (یا اس کا نفس اس بات کی گواہی نہ دے گا کہ ایسا کہنا بے عقلی کی بات ہے۔)

اے مفضل! اگر تم دروازے کے دو کواڑوں میں سے ایک کو دیکھو جس میں کنڈا لگا ہو تو کیا تم کو یہ خیال ہوگا کہ یہ یوں ہی بنایا گیا ہے؟ بلکہ تم یقیناً اس بات کو جان لوگے کہ وہ بنایا ہوا ہے اور کسی دوسرے کواڑ سے ملایا جائے گا.......... تاکہ ان دونوں کے اجتماع سے کسی

Presented by Ziaraat.Com

قسم کا فائدہ ہو۔

اسی طرح تم نر حیوان کو پاؤ گے کہ وہ کسی جوڑے کا ایک فرد ہے جو مادہ کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ دونوں ہم صحبت ہوں اس لیے کہ اس میں بقائے نسل ہے (اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے مدبر حکیم نے نہایت دانائی سے سمجھ کر کہ مرد کو مردانہ آلات دیے جائیں اور عورت کو زنانہ، تاکہ دونوں کے اجتماع سے بقائے نسل رہے ورنہ صرف مادہ میں یہ تمیز کہاں تھی کہ ایسا سمجھ کر مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ بناتا اور ہر ایک کے لیے اس کے مناسب آلات پیدا کرتا۔)

پس اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے جو فلسفی بننے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر کیوں کر ان کے دل اس عجیب و غریب خلقت اور ساخت کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے ہیں جس سے انہوں نے انکار کر دیا، کہ خلقت عالم میں کسی مدبر کی تدبیر ہی نہیں اور کسی ارادے والے کا ارادہ ہی نہیں (بلکہ جہان آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے۔)

دیکھو! اگر مرد کا عضو تناسل مسترخی ہوتا تو کیوں کر رحم کے قعر تک پہنچ سکتا، اور کیوں کر اس میں نطفہ ڈال سکتا۔ اور اگر ہمیشہ ایستادہ ہی رہتا تو آدمی کیسے بچھونے پر کروٹ لیتا اور مجمع میں کیوں کر چل سکتا، جبکہ ایک چیز اس کے آگے تنی ہوئی کھڑی رہتی۔ (تو معلوم ہوا کہ کسی حکیم نے خاص حکمت سے اس عضو کو ایسا پیدا کیا ہے کہ صرف ضرورت کے وقت تو ایستادہ ہو ورنہ باقی اوقات میں سستا رہے تاکہ مذکورہ بالا فوائد حاصل ہو سکیں۔)

پھر علاوہ بدہیت اور بدنما ہونے کے اس میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی کہ ہر وقت مرد، عورت کی شہوت میں تحریک پیدا ہوتی رہتی۔ تو اللہ جل اسمہ نے ایسا بنا دیا کہ اس کا زیادہ حصہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے نہ رہے اور نہ مرد کو اس میں کچھ زحمت ہو۔ بلکہ صرف ضرورت کے وقت اس میں سیدھے کھڑے ہو جانے کی قوت دی گئی کیونکہ یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ اس میں نسل کا دوام و بقا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اے مفضل! ذرا عبرت کی نظر سے دیکھو کہ انسان کے کھانے پینے اور اس کی تکلیف کے بآسانی رفع ہو جانے میں کتنی بڑی نعمت پروردگار عالم کی ہے۔ کیا کسی مکان کے بنانے میں یہ خوبی اندازہ نہیں ہے کہ بیت الخلاء ایسے مقام پر بنایا جائے جو محفوظ جگہ ہو؟ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس سوراخ کو جو خلا (رفع حاجت) کے واسطے انسان کے لیے بنایا ہے وہ بھی اس کے ایسے مقام پر قرار دیا ہے جو بہت ہی پوشیدہ ہے اسے کھلا ہوا اور ظاہر اس کے پیچھے نہیں بنایا اور نہ ابھرا ہوا، اس کے سامنے، بلکہ وہ بدن کے ایک پوشیدہ حصے میں مخفی و مستتر اور باپردہ واقع ہے جس پر دونوں رانیں ملی ہوئی ہیں اور دونوں سرین اپنے گوشت سے اسے چھپائے ہوئے ہیں۔ جب آدمی کو رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس خاص نشست سے بیٹھتا ہے تو اس کا وہ منفذ جاری ہوتا ہے اور ثقل کے دفع کے لیے تیار ہو جاتا ہے (ورنہ بند رہتا ہے)۔

فتبارک اللہ من ظاھرت الائہ و لا تحصی نعمائہ

ڈاڑھ کے دانتوں کی حکمت

اے مفضل! ان ڈاڑھ کے دانتوں پر غور کرو جو آدمی کے منہ میں بنائے گئے ہیں۔ بعضے تو تیز ہیں جو غذا اور طعام کے کاٹنے اور کترنے کا کام دیتے ہیں اور بعضے چوڑے ہیں جو چبانے اور ریزہ ریزہ کرنے کا کام دیتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے دانتوں کی چونکہ اسے ضرورت تھی لہٰذا اس میں کمی نہیں کی گئی۔ (کیا طبیعت لاشعور یہ بھی یہ بات سمجھ سکتی ہے کہ آدمی کے واسطے ایسی ضرورت پڑے گی، لہٰذا اس کے لیے ایسے دانت بنانے چاہئیں۔ کیا اس میں یہ ادراک و تمیز ہے؟)

بالوں اور ناخنوں کی حکمتیں

غور کرو اور سمجھو کہ بالوں اور ناخنوں کا مونڈنا اور کاٹنا کیوں بہتر ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟ چونکہ یہ دونوں بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ضرورت پڑی کہ اس

Presented by Ziaraat.Com

کے اوپر اوپر کے حصے میں تخفیف کی جائے۔ لہٰذا یہ بے حس بنائے گئے تا کہ آدمی کو ان کے کٹوانے میں تکلیف نہ ہو اور اگر بال اور ناخنوں کے کترنے میں تکلیف محسوس ہوتی تو آدمی دو قسم کی زحمتوں کے درمیان پھنس جاتا، یا تو چھوڑ دیتا کہ بڑھا کریں، تو حد سے زیادہ بڑھ جاتے اور اسے بار معلوم ہوتا، یا کٹواتا تو اسے تکلیف محسوس ہوتی۔

مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی تو ایسے کیوں نہ بنائے گئے کہ بڑھتے ہی نہیں، کہ انسان کو اس کے کٹانے کی ضرورت پڑے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندوں پر اس امر میں بہت سی نعمتیں ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے، اگر جانتے تو اس پر خدا کا شکریہ ادا کرتے۔

معلوم کرو کہ بدن کے امراض و تکالیف انہیں بالوں کے ذریعے سے دفع ہوتے ہیں جو اپنے مسامات سے نکلتے ہیں (بخارات اور پسینے انہی مسامات سے نکلتے ہیں، خود یہ بال بھی وہی بخارات ہیں جو تحت الجلد تحبس ہوتے ہیں) اور انگلیوں کے امراض ان ناخنوں کے ذریعے سے دفع ہوتے ہیں اسی لیے تو نورہ لگانے، سر منڈانے، ناخن ترشوانے کا ہر ہفتہ میں حکم دیا گیا ہے۔ تا کہ بال اور ناخن جلد جلد نکلیں اور بیماریاں ان کے نکلنے سے دفع ہوں، اور جب یہ بڑھ جاتے ہیں تو امراض و آلام متحیر رہ جاتے ہیں اور کم نکلتے ہیں تو بیماریاں بدن میں تحبس ہو جاتی ہیں اور وہ طرح طرح کے درد اور امراض پیدا کرتی ہیں۔

اور باوجود اس کے ان مقامات میں بال نہ اگنے دیے جہاں انسان کو نقصان پہنچتا۔ اگر آنکھوں کے اندر بال اگتے تو کیا وہ اندھا نہ ہو جاتا؟ اور اگر منہ کے اندر بال نکلتے تو کیا اس کے کھانے پینے میں لقمہ اور پانی نہ رکتا۔ اگر ہتھیلیوں میں بال پیدا ہوتے تو کیا اس کی قوت لامسہ کو نہ روکتے، اور کیا اچھی طرح چھو کر دریافت کرنے سے باز نہ رکھتے، اور بعض کاموں میں خلل انداز نہ ہوتے؟ اور اگر عورت کی فرج میں بال اگتے یا مرد کے عضو تناسل پر،

Presented by Ziaraat.Com

تو کیا ان کی لذت مجامعت کو نہ کھو دیتے؟

تو دیکھو! کہ کیوں کر ان مقامات میں بال نہ پیدا ہوئے کیونکہ اس میں مصلحت تھی۔ (کیا طبیعت بھی ان حکمتوں کو سمجھ سکتی ہے یا اس طرح کے افعال با حکمت طبیعت کی طرف منسوب کیے جا سکتے ہیں؟ افسوس! ان دہریوں پر اور ان کی نافہمی پر)...... پھر یہ بات کچھ انسان ہی میں خاص نہیں، بلکہ بہائم اور درندوں اور تمام ان جانوروں میں بھی ایسا ہی پاؤ گے جن کی نسل کا بڑھنا صحبت و جماع پر موقوف ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ان کے تمام جسم تو بالوں سے ڈھانکے ہوئے ہوتے ہیں اور خاص یہ مقامات اس سے خالی ہوتے ہیں۔ اس میں بھی تو یہی سبب ہے پس غور کرو اس خلقت کے معاملے کو دیکھو کہ کس کس طرح غلطی اور ضرر کے طریقوں سے بچایا ہے اور کس کس طرح ٹھیک درست اور بانفع پیدا کیا ہے؟

ان مانویوں (مانوی ایک فرقہ ہے مجوسیوں کا، جو حکیم مانی کی طرف منسوب ہے) اور ان کے امثال نے جب یہ کوشش کی کہ پیدائش (عالم میں) اور بقصد و ارادہ پیدا ہونے میں عیب نکالیں تو انہوں نے یہ عیب نکالا کہ پیڑو پر اور بغلوں کے نیچے بال کیوں پیدا ہوئے، اور اس بات کو نہ سمجھے کہ یہ اس رطوبت کی وجہ سے ہے جو ان مقامات کی طرف بہہ کر آتی ہے۔ اس سبب سے وہاں بال پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے پانی کے جمع ہونے کے مقامات میں گھاس پیدا ہو جاتی ہے کیا تم ان مقامات کو نہیں دیکھتے بہ نسبت اور مقامات کے کہ کس قدر ان فضلات کے جمع کرنے کے لیے آمادہ ہیں اور انہیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ (یعنی کس قدر پیڑو کے نیچے رطوبات جمع رہتی ہیں؟)

پھر ان میں یہ بھی حکمت ہے کہ جہاں آدمی کو اپنے بدن کے متعلق کچھ مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، ان مشقتوں میں سے ایک یہ بھی قرار دی گئی ہے کیونکہ اس میں مصلحت ہے اس لیے کہ جتنی دیر وہ اپنے بدن کی صفائی اور بالوں کے دور کرنے میں مصروف رہے گا،

Presented by Ziaraat.Com

اتنی ہی دیر اپنے حرص و ظلم اور نخوت (اشر) اور بیہودگی سے بچا رہے گا اور ان امور کا اس کو موقع نہ ملے گا۔

لعاب دہن کی حکمت

اے مفضل! غور کرو لعاب دہن (تھوک) کو اور دیکھو کہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ یہ ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر وقت منہ کے اندر جاری رہتا ہے تاکہ حلق اور تالو کو تر رکھے کہ یہ خشک نہ ہونے پائیں، کیونکہ اگر تالو اور منہ خشک رہتے تو آدمی مر جاتا اور پھر یہ بھی ہوتا کہ کھانا بھی نہ کھا سکتا جبکہ منہ میں وہ رطوبت ہی نہ ہوتی جو اسے اندر کی طرف لے جائے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس پر مشاہدہ خود گواہ ہے اور جانو کہ رطوبت غذا کا مرکب ہے اور کبھی یہی رطوبت دہن پتے پر بھی بہہ کر جاتی ہے اور اگر پتہ خشک ہو جاتا تو آدمی مر جاتا۔

پیٹ بند کیوں بنایا گیا؟

چند جاہل متکلمین اور کم عقل فلسفہ کے مدعیوں نے اپنی کم فہمی اور قصور علم سے یہ کہہ دیا کہ اگر آدمی کا پیٹ ایسا بنایا جاتا جیسے قبا ہوتی ہے کہ جب طبیعت چاہتا کھولتا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے دیکھ لیتا اور اپنا ہاتھ اس میں ڈال سکتا، اور جب مرض کا علاج کرتا تو یہ اس سے بہتر ہوتا کہ بند رہے اور نگاہوں اور ہاتھ سے مخفی بنایا گیا ہے۔ اب جو اس کے اندر بیماری ہے اس کا حال باریک علامتوں سے معلوم ہوتا ہے مثلاً قارورہ دیکھنا، نبض پر ہاتھ رکھنا یا ایسی ہی اور باتیں جن میں اکثر غلطی اور شبہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات یہ غلطی نبض و قارورہ شناسی میں موت کا باعث ہو جاتی۔

کاش یہ جاہل مدعیان فلسفہ و کلام یہ جانتے کہ اگر ایسا ہوتا تو آدمی کو موت اور بیماری کا ڈر ہی نہ رہتا۔ (جہاں کچھ بیماری ہوئی فوراً پیٹ کو کھول کر دیکھ لیا اور جو کچھ اس میں سبب مرض ہے اسے نکال کر دور کر دیا کیونکہ وہ قبا کے پردوں کی طرح تو بنا ہی ہوا ہے۔) اور انسان

Presented by Ziaraat.Com

کو اپنی بقا اور عدم موت کا خیال ہونے لگتا اور اپنی سلامتی پر مغرور ہو جاتا اور اس کی وجہ سے اس میں سرکشی اور نخوت پیدا ہو جاتی۔

پھر یہ بھی ہوتا کہ پیٹ کے اندر کی رطوبت ٹپکتی اور بہتی رہتی تو آدمی کی نشست گاہ، خواب گاہ، نفیس کپڑے اور زینت کے لباس سب خراب ہوتے رہتے۔ بلکہ اس صورت میں اس کا عیش تنگ ہو جاتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ معدہ اور جگر اور دل جو اپنا اپنا فعل انجام دیتے ہیں تو صرف اس حرارت غریزیہ کے سبب سے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیٹ کے اندر پیدا کر رکھا ہے۔ پس اگر پیٹ میں کھلنے کے در ہوتے جس سے نظر اور ہاتھ اس کے علاج کے لیے اندر جا سکتے تو ہوا کی برودت پیٹ کے اندر پہنچ جاتی اور حرارت غریزیہ سے مخلوط ہو جاتی تو باطنی اعضاء کا عمل بھی بگڑ جاتا پھر تو آدمی مر ہی جاتا۔

کیا نہیں دیکھتے ہو (اے مفضل) کہ اصل خلقت اور اصل ساخت کے علاوہ جو خیالات پیدا ہوتے ہیں محض غلط اور فاسد ہوتے ہیں۔

کھانے سونے اور جماع کے متعلق امور حکمت

غور کرو اے مفضل! انسان کے کھانے اور سونے اور جماع کے معاملے میں جو اس کے لیے جو امور مقرر کیے گئے ہیں اور جو ان میں حکمتیں صرف کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کے واسطے ایک محرک بنایا گیا ہے جو اس کی خواہش کرے اور اسے ابھارے۔ پس بھوک کھانے کی مقتضی ہوتی ہے جس سے بدن اور قوام بدن کی حیات و زندگی ہے اور نیند کی کیفیت سونے کی مقتضی ہوتی ہے جس سے بدن کو راحت ملتی ہے اور قوئ کی تھکن دور ہوتی ہے اور اگر آدمی صرف اس وجہ سے کھانا کھایا کرتا، کہ اس کے بدن کو اس کی ضرورت ہے، اور خود اس کی طبیعت کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوتی جو اسے کھانا کھانے پر مجبور کرتی تو ممکن تھا کہ کسی کسی

Presented by Ziaraat.Com

وقت اس میں سستی بھی کرتا، کاہلی یا ثقل کی وجہ سے۔ تو اس کا بدن لاغر ہو جاتا اور وہ مرجاتا جیسے کسی شخص کو کسی دوا کی صرف اس وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے اپنے بدن کی اصلاح کرے مگر وہ اس کو ٹالتا رہتا ہے (کیونکہ طبیعت کی طرف سے کوئی قوی درخواست نہیں ہے۔) یہاں تک کہ یہ ٹالتے رہنا ہی بیماری اور موت کا سبب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر صرف اس سبب سے اور یہ سمجھ کر اسے اپنے بدن کو راحت دینے کی ضرورت ہے اور اپنے قویٰ کی تھکن مٹانی ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس میں کاہلی کرتا اور اسے روکتا تو آخر اس کا بدن دبلا ہو جاتا۔

اور اگر جماع صرف اس وجہ سے کرتا کہ اسے اولاد کی خواہش ہے (اور اس میں طبعی شہوت اور جوش نہ ہوتا) تو بالکل بعید نہ تھا کہ وہ اس میں سستی کرتا۔ آخر نسل کم ہو جاتی یا بالکل جاتی رہتی کیونکہ اکثر ایسے بھی آدمی ہیں جن کو اولاد کی خواہش نہیں ہے اور نہ اس کی پروا ہے۔ تو دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک فعل کے واسطے جس میں انسان کی تندرستی اور اصلاح ہے کس طرح اس کی طبیعت کے اندر ایک محرک پیدا کیا گیا جو اسے اس کی طرف آمادہ کرے اور اس کا محرک بنے۔

بدن کی چار قوتوں کا بیان

اور جان لو کہ آدمی کے جسم میں چار قوتیں ہیں۔

۱۔ جاذبہ ہے جو غذا کو قبول کرتی ہے اور اسے معدہ میں لے جاتی ہے۔

۲۔ مُمسکہ (ماسکہ) ہے جو غذا کو روکتی ہے تاکہ طبیعت اس میں اپنا فعل کرے (فعل انجام دے)۔

۳۔ ہاضمہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو اسے پکاتی ہے اور اس کا لب لباب نکال لیتی اور بدن میں اس کو پھیلاتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۴۔ دافعہ ہے۔ جو اسے دفع کرتی ہے اور بچے ہوئے ثقل کو گراتی ہے جبکہ قوت ہاضمہ اپنی ضرورت پوری کر چکی ہے۔

لہٰذا غور کرو کہ ان چاروں قوتوں میں جو بدن کے اندر ہیں کیا اندازہ قائم کیا گیا ہے اور چونکہ ان کی ضرورت تھی تو کس طرح بنائی گئیں اور ان میں کیا کیا حکمتیں اور تدابیر ہیں۔ (اگر ان چاروں قوتوں میں کسی ایک کی کمی ہوتی تو انتظام بدن میں خلل پڑ جاتا۔ آخر کو اسے موت آ جاتی) اگر قوت جاذبہ نہ ہوتی تو آدمی اس غذا کی تلاش کے واسطے جس میں اس کے بدن کا قوام و قیام ہے کیوں کر کوشش کرتا، اور اگر ماسکہ نہ ہوتی تو پیٹ کے اندر کیوں کر کھانا ٹھہر سکتا کہ معدہ اسے ہضم کرے۔ اور اگر ہاضمہ نہ ہوتی تو کیوں کر پکتا، اور کیوں کر وہ لب لباب نکلتا جو بدن کی غذا بن سکے اور اس میں خلل نہ پڑنے دے اور اگر دافعہ نہ ہوتی، تو وہ ثقل جسے ہاضمہ نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ دفع ہوتا اور یکے بعد دیگرے کس طرح نکلتا؟

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح پروردگار سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی لطیف کاریگری اور حسن تقدیر سے ان قویٰ کو بدن اور ان کاموں پر جن میں اس کی درستی ہے معین اور موکل کیا ہے۔ اس کی ایک مثال تم سے بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بدن کو تو سمجھو کہ ایک بادشاہ کا مکان ہے اور اس کے حشم و خدم اور بچے اس مکان میں ہیں اور کچھ خازن ہیں جن کے حوالے اس کا انتظام ہے۔ ایک کا تو یہ کام ہے کہ وہ اس حشم و خدم کی ضرورتوں کو لا کر پہنچائے اور ان کے پاس رکھے اور دوسرے کا یہ کام ہے کہ جو کچھ آیا ہے اس کو لے اور جمع کرے، تا کہ اس کی اصلاح کی جائے اور قابل خوراک بنایا جائے۔ اور تیسرے کا یہ کام ہے کہ اس کو درست کرے اور تیار کرے اور ہر ایک کو تقسیم کرے۔ چوتھے کا کام یہ ہے کہ جو کچھ گھر میں اس غلے وغیرہ کی وجہ سے کوڑا کرکٹ جمع ہو گیا ہے اس کو مکان سے باہر پھینک دے۔

پس بادشاہ اس مکان کا تو خلاق حکیم ہے جو تمام عالم کا مالک ہے اور مکان، یہ بدن

Presented by Ziaraat.Com

ہے اور حشم و خدم اعضاء ہیں اور نوکر چاکر یہی چاروں قوتیں ہیں۔

اے مفضل! شاید تم میرے اس بیان کو جو قوائے اربعہ اور ان کے افعال کی نسبت کیا، زائد اور بیکار خیال کرو، حالانکہ یہ میرا بیان اس نہج پر نہیں ہے جو اطباء کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے اور نہ میری گفتگو اس معاملے میں ان کی گفتگو کی طرح ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو ان قوائے اربعہ کا ذکر اس بنیاد پر کیا ہے کہ فن طب اور بدنوں کے صحیح رکھنے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم نے اس رخ سے بیان کیا ہے کہ جس کی ضرورت دین کی اصلاح اور گمراہوں کے نفسوں کو کجی سے شفا دہی میں ہے۔ جیسے وہ میرا شافی بیان اور مثل جس میں میں نے تدبیر و حکمت کو واضح کر دیا ہے۔

حواسِ خمسہ کا بیان اور ان کی حکمتیں

غور کرو اے مفضل! ان قویٰ کی بابت جو نفس انسان میں قرار دیے گئے ہیں اور وہ اس میں کس طرح واقع ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ فکر، وہم، عقل اور حافظہ وغیرہ قویٰ میں غور کرو۔ دیکھو! کہ اگر ان میں سے صرف قوت حافظہ ہی آدمی میں نہ ہو تو اس کا کیا حال ہوگا، اور کس قدر خلل اس کے کاموں میں اور امور معاش و تجارت میں پڑے گا جبکہ اسے یہی یاد نہ ہو گا کہ اس کا دوسروں پر کیا آتا ہے اور اس پر دوسروں کا کیا آتا ہے۔ کیا لیا تھا؟ کیا دیا تھا؟ کیا سنا تھا؟ کیا کہا تھا؟ اس سے کیا کہا گیا تھا؟ اور یہ بھی نہ یاد رہے گا، کہ کس نے اس پر احسان کیا تھا؟ اور کس نے برائی کی؟ کس چیز نے نفع پہنچایا تھا اور کس چیز نے نقصان؟

پھر اگر وہ کسی راہ میں بیشمار مرتبہ بھی چلتا تو بھی وہ راہ اسے یاد نہ رہتی۔ (کیونکہ اس کے دماغ میں قوت حافظہ ہی نہیں ہے) وہ اگر پڑھتا کسی علم کو تو تمام عمر یاد نہ کر سکتا، اور نہ کسی دین اور مذہب پر اپنا اعتقاد جما سکتا، نہ کسی تجربے سے فائدہ اٹھا سکتا، اور نہ کسی گزشتہ چیز پر کسی موجودہ چیز کو قیاس کر سکتا۔ (کیونکہ اسے یاد ہی نہیں کہ میں نے پہلے کیا دیکھا تھا) بلکہ وہ تو اس

Presented by Ziaraat.Com

قابل ہوتا کہ انسانیت سے بالکل باہر سمجھا جائے۔

تو اے مفضل دیکھو! کہ یہ قوی آدمی کے لیے کیسی بڑی نعمت ہیں؟ سب کو چھوڑ کر صرف ایک ہی کو دیکھو تو اس کا کیا حال اور کیا مرتبہ ہے (کہ اگر یہ ایک حافظہ آدمی میں نہ ہو تو سینکڑوں خرابیاں اس کے کام میں حائل ہوں اور آخر زندگی سے تنگ آ جائے)۔

نسیان کی حکمت

حافظے سے بڑھ کر آدمی کو جو نعمت ملی ہے وہ تو نسیان (بھول) ہے۔ اگر نسیان نہ ہوتا تو آدمی کسی مصیبت میں تسلی ہی نہیں پا سکتا تھا اور نہ کبھی اس کی حسرت تمام ہو سکتی تھی، اور نہ کبھی اس کے دل سے کینہ نکل سکتا تھا۔ (یہی نسیان تو ہے کہ جب انسان کو عارض ہوتا ہے تو وہ اپنی مصیبت گزشتہ کو بھول جاتا ہے۔ کسی شے کی حسرت کو بھول جاتا ہے۔ کینہ کو بھول جاتا ہے اور میل جول پیدا کر لیتا ہے) اور نہ اشیائے دنیا میں سے کسی چیز سے فائدہ اور ذائقہ اٹھا سکتا جبکہ اس کو اپنی مصیبتیں یاد آتی رہتیں۔ نہ اس کو بادشاہ کی غفلت اور اپنے حاسد کے حسد سے سست پڑ جانے کی امید رہتی (اسے ہر وقت خیال رہتا کہ میں نے بادشاہ کا فلاں گناہ کیا ہے اسے یاد تو ضرور ہی ہو گا۔ اب وہ مواخذہ کرے گا اور اس خیال میں اس کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ علیٰ ہذا القیاس، حاسد کے حسد کے خیال سے جو اس کو تکلیف پہنچتی رہتی وہ بھی اس کو تلخ عیش کرتی رہتی)۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی میں یہ دونوں قوتیں، حافظہ اور نسیان کیسی متضاد پیدا کی گئی ہیں، اور ہر ایک کے لیے ایک خاص مصلحت قرار دی گئی ہے۔ (کیا بغیر کسی حکیم کے فعل کے ایسی حکمتیں ظہور میں آ سکتی ہیں؟)

اور جو لوگ کہ تمام اشیائے عالم کے دو متضاد خالق مانتے ہیں (جیسے مانویہ) بالکل امید نہیں کہ وہ ان دو متضاد چیزوں کا خالق بھی انہیں دو متضاد خالق کو مانیں۔ کیونکہ ان دونوں

Presented by Ziaraat.Com

متضاد قوتوں میں وہ مصلحتیں ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو (حالانکہ ان کے نزدیک شر کے خالق سے سوائے شرارت اور بدی کے کچھ پیدا نہیں ہوسکتا اور یہاں دونوں متضاد قوتوں میں نفع ہی نفع ہے۔ تو کیوں کہ شروالا خالق ان میں سے کسی ایک کو پیدا کرسکتا۔)

مفضل! غور کرو اس صفت پر جو خاص آدمی ہی کو دی گئی ہے، اور اس کے ساتھ کوئی اور ان تمام مخلوق حیوانات میں سے اس کا شریک نہیں ہے وہ کیا ہے؟ وہ شرم ہے، اگر یہ نہ ہوتی تو کبھی کوئی شخص مہمان کی مہمانداری نہ کرتا، کوئی شخص اپنا وعدہ نہ پورا کرتا، اور نہ کسی کی ضرورت پوری ہوتی، اور نہ نیکی حاصل کی جاتی، اور نہ بدی سے پرہیز کیا جاتا، یہاں تک کہ ایسے بہت سے امور واجبہ ہیں جو صرف حیا و شرم کی وجہ سے بجالائے جاتے ہیں کیونکہ جس نے حیا چھوڑ دی، وہ نہ تو والدین کے حق کی رعایت کرتا ہے، نہ قرابت داروں سے صلۂ رحمی کرتا ہے، نہ امانت ادا کرتا ہے اور نہ کسی فحش بات سے اجتناب کرتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیوں کر آدمی میں یہ تمام باتیں پورے طور پر جمع کر دی گئیں جن میں اس کی بھلائی اور اس کے کام کا پورا ہونا ہے۔

گویائی کی طاقت اور اس کی حکمتیں

مفضل! غور کرو اس نعمت نطق (گویائی) پر جو اللہ تعالیٰ تقدست اسماءٗ نے اسے دی ہے جس سے یہ اپنے باطنی خیال اور دلی بات کو ظاہر کرتا ہے اور جسے اس کی فکر پیدا کرتی ہے اور اسی سے دوسروں کی دلی بات کو بھی سمجھتا ہے۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو یہ مثل چوپاؤں کے ہوتا جو نہ اپنے دل کی بات بیان کر سکتے ہیں اور نہ بیان کرنے والے کی بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس، تحریر کی صفت ہے جس سے گزشتہ لوگوں کے حالات موجودہ لوگوں کے لیے اور موجودہ لوگوں کے حالات آئندہ والوں کے لیے قید قلم میں لائے جاتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے علوم و آداب وغیرہ کی کتابیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور اسی کے ذریعے سے

Presented by Ziaraat.Com

ان گفتگوؤں اور حساب وغیرہ کو یاد رکھنا ہے جو اس کے اور کسی غیر کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو ایک زمانے کی چیزیں دوسرے زمانے سے بالکل منقطع ہو جاتیں اور نیز ان لوگوں کی خبریں بھی نہ ملتیں جو اپنے اپنے وطنوں سے جدا ہیں اور علوم بھی معدوم ہو جاتے۔ آداب واخلاق کی باتیں بھی تلف ہو جاتیں اور بہت ہی بڑا خلل لوگوں کے کاموں اور معاملات میں اور نیز ان دینی چیزوں اور روایات میں واقع ہوتا جنہیں دیکھنے کی انہیں ضرورت ہے اور جن کا نہ جاننا ان کو ممکن ہی نہیں (بلکہ لازم ہے کہ انہیں دیکھیں۔)

شاید تم یہ خیال کرو کہ انسان نے اس ضرورت کو اپنی تدبیر اور فہم و ذکاوت سے حاصل کیا ہے؟ انسان کی طبیعت وفطرت میں یہ قوت پیدا نہیں کی گئی ہے اور علیٰ ہٰذا القیاس گفتگو اور کلام ہے کیونکہ یہ بھی اصطلاحی اور قرار داد چیز ہے جسے لوگ آپس میں ٹھہرا لیتے ہیں اور اسی کے مطابق آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف فرقوں میں مختلف زبانیں ہیں، اور اسی طرح تحریریں، جیسے عربی تحریر اور سریانی اور عبرانی اور رومی وغیرہ جو ان تمام فرقوں میں مختلف ہیں ان کی ایک اصطلاح قرار دے لی ہے۔ جیسے کلام اور الفاظ کی اصطلاح۔

پس جو شخص اس کا دعویٰ کرے (کہ اس میں خدا نے کیا کیا ہے یہ تو آدمی نے خود بنا لی ہے) تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگرچہ ان دونوں امور میں انسان کی تدبیر اور فعل کو دخل ہے لیکن جس چیز کے سبب سے وہ اس تدبیر اور اس فعل تک پہنچا وہ بیشک ایک عطیہ ہے اور خدائے تعالیٰ عزوجل کی بخشش ہے جو اس کی ساخت کے اندر قرار دی ہے (مثلاً عقل یا زبان، جس کے ذریعے سے ان اصطلاحات کے قائم کرنے کی اسے قدرت حاصل ہوئی ہے) پس اگر اس کو زبان نہ دی گئی ہوتی جس سے وہ گفتگو کرے اور ذہن نہ ملا ہوتا جس سے وہ کاموں کی راہ پا سکے تو وہ ہرگز بول نہ سکتا اور اگر اس کو ہتھیلی اور انگلیاں نہ دی گئی ہوتیں تو لکھنا کبھی اس سے ممکن نہ ہوتا۔

Presented by Ziaraat.Com

اس بات کی عبرت بہائم سے حاصل کرو جن کو نہ کلام کی طاقت ہے نہ تحریر کی۔ (کیونکہ ان میں نہ وہ ذہن ہے اور نہ وہ آلات تحریر و کتابت ہیں) پس (معلوم ہوا) دراصل یہ باری تعالیٰ و تقدس کا (قانون) فطرت ہے جس پر اسے پیدا کیا ہے، اور خلق پر اس کا ایک تفضل ہے جو کوئی اس کا شکریہ ادا کرے گا اسے ثواب ملے گا اور جو اس نعمت کا کفران کرے گا تو کچھ پروا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہان سے مستغنی ہے۔ (اسے کسی کے شکر کی ضرورت نہیں۔)

انسان کا علم

مفضل! غور کرو ان چیزوں میں جن کا علم آدمی کو دیا گیا ہے اور جن کا علم نہیں دیا گیا، ان تمام چیزوں کا اسے علم دیا گیا، جن میں اس کے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ خالق تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے جو دلیلوں اور ان شہادتوں کے ذریعے سے حاصل کی جائے جو اس کی مخلوقات کے اندر موجود ہیں اور ان امور کی معرفت ہے جو اس پر واجب ہیں۔ مثلاً تمام آدمیوں کے ساتھ انصاف کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، امانت کا ادا کرنا، محتاجوں کی غم خواری کرنا، وغیرہ وغیرہ جن کی معرفت اور جن کا اقرار فطرتاً اور قدرتاً تمام اُمتوں میں ہے خواہ وہ ہمارے موافق ہوں یا مخالف۔ علیٰ ہذا القیاس اسے ان چیزوں کا علم دیا گیا ہے۔ جن میں اس کی دنیا کی بھلائی ہے۔ جیسے زراعت، باغبانی، زمینوں کا آباد کرنا، بھیڑوں اور چوپاؤں کا جمع کرنا، پانی کا کنوؤں یا چشموں وغیرہ سے نکالنا، جڑی بوٹیوں کی شناخت جن سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے، معدن کی پہچان، جن سے قسم قسم کے جواہر نکالے جاتے ہیں، کشتی پر سوار ہونے، دریا میں غوطہ خوری اور وحوش و طیور اور مچھلیوں کے شکار کرنے کی انواع و اقسام کی تدبیریں، صنعت و حرفت کرنے اور تجارت و کسب معاش کے طریقوں کی معرفت اور ان کے علاوہ بہت سے اور چیزیں ہیں جن کے بیان میں طول ہے اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے جن

Presented by Ziaraat.Com

میں انسان کی دنیاوی زندگی کے کاموں کی درستی ہے۔تو ان چیزوں کا علم دیا گیا ہے جس میں اس کی دینی اور دنیاوی بہتری ہو۔ علاوہ اس کے اور جو باتیں ہیں جن کا جاننا اس کی طاقت سے باہر ہے اور نہ اس کی حالت اس کی مقتضی ہے۔ ان کا علم اسے نہیں دیا گیا۔ مثلاً علم غیب اور جو بات آئندہ ہونے والی ہے۔ یا بعض وہ چیزیں جو پہلے ہو چکی ہیں۔ جیسے آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا جاننا اور جو دریاؤں کے اندر ہے اور عالم کے چاروں طرف ہے یا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ یا جو رحم کے اندر ہے وغیرذلک ان کا علم آدمیوں کو نہیں دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے ان کے جاننے کا دعویٰ کیا، ان کے دعوؤں کو ان باتوں نے باطل کر دیا جو برخلاف ان کے بیان کے ظاہر ہوئیں (اور جس کے جاننے کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا اس کے مخالف ہوئیں۔)

لہٰذا دیکھو، اے مفضل! کہ انسان کو کس طرح تمام ان چیزوں کا علم عطا ہوا جو اس کے لیے اس کے دنیاوی اور دینی امور میں ضروری ہیں۔ اور اس کے ناروا چیزوں کے جاننے سے روک دیا گیا تاکہ اس کی قدر اور اس کا نقصان معلوم ہو جائے (یعنی تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدمی دراصل ایک بے حقیقت چیز ہے اس میں بہت کچھ نقصان اور کمی ہے جس سے اس کو غرور و نخوت نہ پیدا ہونے پائے) اور ان دونوں باتوں میں اس کی بہتری ہے (اگر ان امور غیبیہ وغیرہ کا بھی اس کو علم دیا جاتا تو انسان کا غرور حد سے زیادہ ہو جاتا، جبکہ تھوڑے سے علم پر آدمی پھولا نہیں سماتا تو جس کی تمام معلومات غائب و حاضر اس کے پیش نظر ہو جاتے تو اپنے تئیں خدا ہی کہنے لگتا۔) لہٰذا ان چیزوں کی معرفت سے محروم رکھا گیا تاکہ جانے کہ میں ایک انسان ناقص ہوں مجھ سے بھی کوئی بڑھ کر موجود ہے۔ جسے ان کا بھی علم ہے اور وہ باری تعالیٰ عزاسمہٗ ہے۔)

اب اے مفضل! ذرا غور کرو کہ انسان کو اس کی مدت حیات کا علم کیوں نہیں دیا گیا،

Presented by Ziaraat.Com

وہ اس وجہ سے کہ اگر آدمی اپنی زندگی کو جان لیتا اور بالفرض اس کی زندگی بھی تھوڑی ہوتی تو زندگی نہایت تلخ ہو جاتی، کیونکہ اب وہ اس جان لینے اور علم کی وجہ سے موت کا منتظر اور اس وقت کا متوقع رہتا، بلکہ وہ اس شخص کے مانند ہو جاتا کہ جس کا تمام مال برباد ہو گیا ہو یا قریب بربادی کے ہو اور وہ اپنی مفلسی اور فقیری کو محسوس کر رہا ہو تو اس کو اپنے مال کے فنا ہونے اور اپنے فقر کا کیسا ڈر ہوگا، بلکہ وہ غم واندوہ جو اسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کی طرف سے پیدا ہو گا وہ اس خوف سے کہیں زیادہ ہوگا جو اسے اپنے مال کے خیال میں ہوگا۔ کیونکہ جس شخص کا مال تلف ہو جائے اسے تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس کے عوض اور مل جائے گا اور اس سے اس کے دل کو تسکین ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے جسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کا یقین ہو جائے تو اس کی ناامیدی قوی ہو جائے گی اور اگر اس کی عمر زیادہ ہوتی اور اسے معلوم ہو جاتا کہ میں زیادہ مدت تک زندہ رہوں گا تو اسے اپنی بقا پر بھروسہ ہو جاتا اور دنیاوی لذتوں اور جملہ معصیتوں میں ہمہ تن مشغول ہو جاتا اور اس خیال سے گناہ کرتا، کہ آج تو اپنی شہوت پوری کر لوں، پھر آخر میں توبہ کرلوں گا۔ حالانکہ یہ وہ بات ہے جسے پروردگار عالم اپنے بندوں سے نہیں چاہتا، اور نہ اسے پسند کرتا ہے۔ (بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ بندہ ہمہ وقت میری ہی طرف متوجہ رہے ملاہی و بدعت میں بالکل نہ مصروف ہو۔)

دیکھو! اگر تمہارا کوئی غلام کسی کام کو اس خیال سے کرے کہ سال بھر تو تم کو ناراض رکھے اور ایک دن یا ایک مہینہ تم کو راضی رکھے تو ہرگز تم اس کی یہ بات پسند نہ کرو گے۔ اور تمہارا یہ غلام نیک اور صالح غلام کے رُتبے پر (تمہارے نزدیک) نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر وہ ہر وقت اور ہر حالت میں تمہاری اطاعت اور خلوص ہی دل میں رکھے (تو وہ ضرور تمہیں بہت زیادہ محبوب ہوگا۔)

اس پر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک مدت تک آدمی نافرمانی کرتا

Presented by Ziaraat.Com

رہے۔ پھر جب توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے؟ تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ اسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب انسان کی خواہش نفسانی غالب نہ آ جائے اور اس کی مخالفت کر سکے اور دل میں یہ نہ ٹھان لے (کہ ہم مخالفت ہی کیے جائیں گے) اور اسی پر موقوف نہ رکھے (کہ آج چین کر لیں، کل توبہ کر لیں گے) تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرتا ہے اور اپنے تفضّل سے اس کو معاف کرتا ہے۔ لیکن جو کوئی یہ ٹھان لے کہ جب تک اس کے دل میں ہے ایسے شخص کو جو اس کے دھوکے میں نہیں آ سکتا، کہ اس وقت تو نقداً نقد لذت اٹھا لے اور اپنے تئیں آئندہ توبہ کا امیدوار اور موعود بنائے اور نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے وعدے کو پورا نہ کر سکے گا کیونکہ ناز پروری اور تلذذ سے باز آنا اور توبہ کی زحمت اٹھانا خصوصاً بڑھاپے اور بدن کی کمزوری کے زمانے میں نہایت دشوار امر ہے اور جو شخص توبہ میں حیلہ حوالہ کرتا ہے اس پر اس امر کا بھی امن نہیں ہے کہ دفعتاً موت اسے ہلاک کر دے اور وہ بغیر توبہ کیے دنیا سے چلا جائے۔ مثلاً کسی شخص پر قرض ہو اور وہ اس کے ادا کر دینے پر قادر بھی ہو باوجود اس کے ادائے قرض میں حیلہ حوالہ کرتا رہے یہاں تک کہ موت آ جائے اور مال بھی فنا ہو جائے تو وہ قرض اس کے اوپر قائم رہ جائے گا۔

لہٰذا، انسان کے لیے بہتری اسی میں تھی کہ اس کی مقدار عمر کا علم اس سے مخفی رکھا جائے تاکہ وہ اپنی تمام عمر موت کا منتظر رہے اور اس ڈر سے گناہوں کو ترک کرے اور نیک عمل اختیار کرے۔

اب اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس وقت بھی جبکہ اس کی مدت عمر کا حال اسے نہیں معلوم اور وہ ہر وقت موت کا ترقب رکھتا ہے، بدکاریوں کا مرتکب ہوتا ہے اور حرام کام کر لیتا ہے، تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ:

''اس معاملے میں تدبیر تو ایسی ہی کی گئی ہے جس پر یہ کام جاری ہے۔ اب اگر

Presented by Ziaraat.Com

باوجود اس کے کوئی شخص نہ باز آئے اور برائیوں سے نہ پرہیز کرے تو یہ اس کی بداعتدالی مزاج اور قساوت قلبی ہے۔ اس میں اصل تدبیر کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ جیسا کہ طبیب ان چیزوں کو مریض سے بیان کر دیتا ہے جن سے اس نفع پہنچے، پھر بھی اگر مریض اس کی بات نہ مانے، اس کے مشورے پر نہ چلے، اس کے منع کیے ہوئے امور سے باز نہ رہے، تو بھی طبیب کی بتائی ہوئی باتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا اور اس میں طبیب کی کوئی برائی نہیں ہے بلکہ اسی بیمار کی برائی ہے کیونکہ اس نے طبیب کا کہنا نہیں مانا۔

اور اگرچہ انسان باجود امید موت کے جو اسے عدم علم زمانہ موت کی حالت میں ہر وقت حاصل ہے گناہوں سے باز نہیں رہتا، لیکن اگر اسے اپنی بقا و طول حیات پر پورا بھروسہ ہو جائے تو پھر وہ نہایت ہی بد اور ناگوار گناہان کبیرہ کرنے لگے گا اور موت کا انتظار اور خیال اس کے لیے ہر حال میں بہ نسبت اپنی طول حیات و بقا پر بھروسہ کرنے کے بہتر ہے۔ (کہ اس سے کچھ تو اس کے دل میں ڈر رہے گا، کچھ تو خدا کا خیال کرے گا جس سے وہ گناہان سخت سے بچ سکے گا) اور اگر ایسا ہے کہ ایک قسم کے آدمی باوجود ترقب موت کے اس سے غافل ہیں اور اس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے تو دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور معصیت سے باز رہتا ہے اور عمل صالح بجالاتا ہے اور محتاجوں اور فقیروں کو صدقہ دینے کے لیے اپنے مال اور نفیس اشیاء میں بخشش سے کام لیتا ہے، تو ہرگز انصاف نہیں تھا کہ یہ لوگ اس بات سے فائدہ اٹھانے سے محروم کیے جاتے (اور وہ لوگ اس میں سے حصہ نہ لیتے۔) (یعنی ایک کے نہ فائدہ اٹھانے سے دوسرا اس فائدے سے کیوں محروم کیا جاتا، لہٰذا حال موت مخفی کیا گیا کہ جس شخص سے بھی ہو سکے اس سے فائدہ اٹھالے اور جو نہ فائدہ اٹھائے وہ اس کی بدنصیبی۔)

مفضل! غور کرو، خوابوں میں (رات کے وقت آدمی جو خواب دیکھتا ہے) اس میں

Presented by Ziaraat.Com

کیا حکمت و مصلحت صرف کی گئی ہے اور سچے خواب کو جھوٹے میں مخلوط کر دیا ہے پس اگر سب کے سب خواب سچے ہوتے تو تمام آدمی انبیاء ہی ہو جاتے۔ (پھر وہ حکمت جو اصل خلقت انسان میں ہے فوت ہو جاتی یعنی معاملہ امتحان۔) اگر تمام خواب جھوٹے ہی ہوتے تو اس میں کچھ فائدہ نہ تھا بلکہ زائد بیکار اور بے معنی ہوتے۔

لہٰذا، کبھی تو خواب سچے ہوتے ہیں تاکہ آدمی اس سے اپنی اس مصلحت و کاروبار میں فائدہ اٹھائے جس کی اسے ہدایت ملی ہے یا جس نقصان کا اسے حال معلوم ہوا ہے۔ اس سے بچاؤ کرے اور اکثر خواب جھوٹے ہوتے ہیں تاکہ آدمی انہیں پر پورا بھروسہ نہ کرلے۔ (کہ جو ہم خواب دیکھیں گے اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بھلائی برائی میں اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ معلوم ہوتی۔)

غور کرو اے مفضل! ان چیزوں میں جنہیں تم عالم میں موجود دیکھ رہے ہو اور جو اس لیے مہیا کی گئی ہیں کہ آدمیوں کو ان کی ضرورت ہے۔

مٹی تو مکان بنانے کے لیے اور لوہا، دستکاری کے لیے، لکڑی، کشتی وغیرہ بنانے کے واسطے، پتھر، چکیاں وغیرہ بنانے کے واسطے، تانبا، برتنوں کے واسطے، سونا، چاندی، معاملات (لین دین) کے لیے جواہرات، ذخیرہ کرنے کے واسطے، اناج، غذا کے واسطے، پھل، تفکہ کے واسطے، گوشت، کھانے کے لیے، خوشبودار چیزیں، لذت حاصل کرنے کے واسطے، دوائیں، بیماروں کو صحیح و تندرست کرنے کے لیے۔ چوپائے، بار برداری کی غرض سے، سوکھی لکڑیاں، آگ جلانے کے واسطے، راکھ، چونا بنانے کے لیے ریت، زمین کے فائدے کے لیے اور کوئی کس قدر ایسی چیزوں کو شمار کرے۔ یعنی ایسی ہی بیشمار چیزیں ہیں جن کا حصر نہیں ہوسکتا۔)

تو کیا اے مفضل! تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان میں داخل ہو اور دیکھے کہ اس میں انسان کی تمام ضرورت کی چیزیں مہیا و موجود ہیں تمام مکان ہی اس خزانے

Presented by Ziaraat.Com

سے بھرا پڑا ہے، اور دیکھے کہ ہر ایک چیز ایک خاص سبب سے رکھی ہوئی ہے تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ اس کا رکھنے والا کوئی نہیں خود بخود رکھی گئی ہیں کیونکر کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تجویز کرسکتا ہے کہ یہ عالم اور جو کچھ اس کے اندر ہے خود بخود ہو گیا ہے (اور کوئی ان کا خالق نہیں ہے)۔

اے مفضل! ان چیزوں سے عبرت حاصل کرو جو انسان کی ضرورتوں کے لیے بنائی گئی ہیں اور ان میں کیا حکمت ہے؟

تو دیکھو! اس کی خوراک کے واسطے غلّہ پیدا کیا گیا اور اسے اس کے پیسنے، گوندھنے اور روٹی پکانے کی تکلیف دی گئی۔ اون اس کے لیے پیدا کی گئی اور اسے اس کے دھنکنے، اس کو کاتنے اور اسے بُننے کی تکلیف دی گئی[1]۔ درخت اس کے لیے پیدا کیا گیا، اور اس کا بونا، اس کا سینچنا، اس کی نگہداشت اس کے متعلق کی گئی، جڑی بوٹیاں اس کی دوا کے لیے بنائی گئیں اور ان کے حاصل کرنے ان کو باہم ملانے، ان کو بنانے کی تکلیف اسے دی گئی اور علیٰ ہذا القیاس تم تمام چیزوں کو اسی طرح پاؤ گے۔ تو دیکھو کہ ان کے بنانے والے نے کیونکر ان چیزوں کو بنا کر انسان کی مدد کی جن میں بالکل اس کی تدبیر کارگر نہ ہو سکتی تھی اور ان میں عمل و تصرف کرنے کی ضرورت اور محل کو اسی پر چھوڑا کیونکہ اس کی بہتری اسی میں تھی، اس لیے کہ اگر وہ (خدائے تعالیٰ) ان کاموں کو بھی کر دیتا (جو انسان کے متعلق ہیں۔ مثلاً اناج کا پیسنا، اس کا صاف کرنا، اسے گوندھنا اور پھر روٹی پکانا) اور اس کے لیے ان چیزوں میں تصرف و عمل کی ضرورت ہی نہ رہتی تو وہ فخر اور نخوت سے زمین پر پنجوں کے بل چلنے لگتا اور زمین اسے اٹھا نہ سکتی (حد کی نخوت اس کے مزاج میں پیدا ہو جاتی) اور یہ بات اسے اس حد تک پہنچا دیتی کہ وہ ایسے کام کرنے لگتا جس میں اس کی تباہی اور ہلاکت ہوتی۔

---

[1] ظاہر ہے کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں جو انسان خود پیدا نہیں کر سکتا تھا، پھر ضرورت کے وقت کہاں سے لاتا۔ لہٰذا مدبر عالم نے ان چیزوں کو پہلے سے ہی پیدا کر دیا۔

Presented by Ziaraat.Com

نیز اگر انسان کی تمام ضروریات ہاتھ کے عمل کے بغیر موجود کر دیتا تو ان کی زندگی کچھ خوش گوار نہ ہوتی، اور نہ اس چیز کی کچھ لذت ان کو ملتی (کیونکہ وہ بغیر مشقت حاصل ہوئی ہے اور جو چیز بغیر مشقت ملتی ہے اس کے ملنے کی نہ انسان کو کچھ قدر ہوتی ہے اور نہ اس سے اس کی روح کو کچھ فرحت حاصل ہوتی، ہاں اگر مشقت اور محنت کے بعد حاصل ہو تو اس کے ملنے سے دل کو کیفیت آتی ہے اور وہ اس سے خوش ہوتا ہے جبکہ اپنی کوشش کا نتیجہ سامنے دیکھ لیتا ہے۔)

کیا تم، اے مفضل! نہیں دیکھتے کہ جو شخص کہیں مہمان کے طور پر جاتا ہے اور وہاں ایک عرصہ تک قیام کرتا ہے اور اس کی تمام ضروریات میزبان کی طرف سے برابر ملتی رہتی ہیں نہ اسے کھانے کی چیزیں مہیا کرنی پڑتی ہیں نہ پینے کی نہ سونے بیٹھنے کی۔ بالآخر وہ اس بیکار رہنے اور معطل بیٹھنے سے اکتا جاتا ہے اور اپنے لیے کوئی مشغلہ تلاش کرنے لگتا ہے۔ تو کیا حال ہوتا جبکہ تمام عمر اسے کوئی کام ہی نہ کرنا پڑتا۔ (روٹی پکی پکائی مل جاتی، کپڑے سلے سلائے آ جاتے، درخت بغیر باغبانی کیے ہوئے پھل اپنے دے دیتے اور اس کے منہ تک پہنچا دیتے) تو انسان کے لیے یہی مصلحت ٹھہری کہ اس کے لیے ان کاموں میں ہاتھ لگانے کی ضرورت باقی رکھی گئی تاکہ معطل اور بیکار بیٹھنا اس کو خاطر برداشتہ نہ کر دے اور ان کاموں کے کرنے سے روکے جنہیں وہ حاصل نہیں کر سکتا اور اگر حاصل بھی کر لے تو اس میں اس کے لیے کوئی بھلا نہ ہو۔ مثلاً بعض آدمی جن کے پاس دولت ہوتی ہے اور وہ بیکار رہتے ہیں تو ان کو یہ دھن سماتی ہے کہ کیمیا بنانا چاہیے۔ اس فکر میں ہزاروں روپیہ برباد کرتے ہیں، گھر کا اثاثہ ضائع کرتے ہیں مگر نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کیوں ہوا؟ اسی وجہ سے تو، کہ وہ بیکار بیٹھے تھے طبیعت تو چاہتی ہے کہ کوئی شغل اس کے لیے ہونا چاہیے۔ لہٰذا ادھر متوجہ ہوئے اور جب ادھر متوجہ ہوئے تو مال و زر ضائع ہوا اور حاصل کچھ بھی نہ ہوا، اور اگر کسی کو لاکھ دو لاکھ میں کچھ معلوم بھی ہو گیا تو اس

Presented by Ziaraat.Com

کے لیے فائدے مند نہیں ہوتا۔ تجربہ اس پر شاہد ہے۔

پس حکیم علی الاطلاق اور مدبر عالم نے اپنی قدرت سے اس کے لیے پہلے ہی مشغلے پیدا کر دیے ہیں۔ جن میں مصروف رہے اور فضول کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے جن سے اس کو نقصان پہنچے)۔

جان لو اے مفضل! کہ انسان کی اصل معاش و زندگی روٹی اور پانی ہے۔ تو دیکھو! کہ ان میں کیا کیا تدبیریں صرف کی گئی ہیں۔

آدمی کو پانی کی ضرورت روٹی کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ انسان بھوک پر بہ نسبت پیاس کے زیادہ صبر کر سکتا ہے اور جس قدر روٹی کا محتاج ہے اس سے زیادہ پانی کا محتاج ہے کیونکہ اسے پانی کی ضرورت پینے کے لیے پڑتی ہے، وضو میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، کپڑا دھونے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، چوپاؤں کو پلانے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، زراعت کے سینچنے میں یہ درکار ہے۔ لہٰذا پانی تو ایسا عام بنایا گیا ہے جس کے خریدنے کی ضرورت نہ ہو، تاکہ انسان کو اس کی تلاش میں مشقت نہ اٹھانی پڑے، اور روٹی ایسی بنائی گئی کہ اس کی تحصیل دشوار ہو اور بغیر تدبیر کے ہاتھ نہ آ سکے، تاکہ انسان کا یہ شغل برقرار رہے اور اسے تبختر و نخوت کا موقع نہ دے اور فضول کاموں سے روکے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک بچہ جبکہ وہ بالکل صغیر السن ہوتا ہے معلم کے پاس تعلیم کے لیے بھیج دیا جاتا ہے، صرف اس لیے کہ کھیل کود میں مصروف نہ ہونے پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو یا اس کے عزیزوں کو اس سے کوئی تکلیف اٹھانی پڑے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر انسان بالکل شغل سے خالی ہوتا تو ناز و تبختر اور فضول کاری اور نخوت سے ایسے کام کر گزرتا جن کا نقصان اسے بہت سخت پہنچتا۔

اس کو یوں سمجھو کہ مثلاً جو شخص بالکل آرام و آسائش اور اپنے اقربا کی تونگری اور خوش عیشی اور ناز و نعم وغیرہ میں پلا ہو، وہ ان امور میں پڑ جاتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ایک آدمی دوسرے آدمی سے کیوں مشابہ نہیں ہوتا؟

سمجھو! کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کیوں مشابہ نہیں ہوتا، جیسا کہ وحوش و طیور وغیرہ صورت میں ایک سے ہوتے ہیں۔ تم ہرنوں اور چکوروں کا ایک گلہ اور جھنڈ دیکھتے ہو جس میں کا ہر ایک جانور یا پرندہ دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے اور کوئی فرق ان میں باہم محسوس نہ ہوتا ہے، لیکن آدمیوں کو دیکھتے ہو کہ سب کی صورتیں اور ساخت جدا جدا ہیں۔ یہاں تک کہ دو آدمی ایک شکل وصفت کے کم ہی دکھائی دیں گے۔

سبب اس میں یہ ہے کہ ان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر ایک آدمی اپنی صورتوں اور حلیوں سے پہچانا جائے کیونکہ ان میں باہم معاملات ہوتے رہتے ہیں اور یہ معاملات بہائم وغیرہ میں نہیں ہوتے، تاکہ ایک کو دوسرے کے شخصی طور پر پہچاننے کی ضرورت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وحوش و طیور کا باہم متشابہ ہونا انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا، مگر انسان ایسا نہیں ہے کیونکہ اتفاقاً اگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ توام پیدا ہونے والے دو بچے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں تو لوگوں کو ان سے معاملات میں سخت مشکل اور دشواری پیش آتی ہے اور جو ایک کو دینا چاہیے وہ دھوکے سے دوسرے کو دیا جاتا ہے، اور ایک کے بدلے مواخذہ میں دوسرے کو پکڑا جاتا ہے اور ایسا ہی کبھی اور چیزوں میں بھی بہ سبب مشابہت کے پیدا ہو جاتا ہے۔ (مثلاً عطار کو دوا میں بیخ بادیان دینی ہے اور دھوکے میں وہ بیخ کنیر دے دیتا ہے یا بخار کی گولی دینی ہے اور وہ بہ سبب مشابہت کے جمال گوٹے کی گولیاں دے دیتا ہے جس سے مریض کو سخت نقصان پہنچتا ہے) چہ جائیکہ صورت کا تشابہہ (یہ تو اور بھی نقصان رساں ثابت ہوتا) تو کس نے اپنے بندوں کے لیے ایسی باریکیاں اور لطائف پیدا کیے جن کا خطور بھی دل میں ہونا دشوار ہے کہ اس کی خوبی پر مطلع ہو۔ ہاں یہ اسی نے پیدا کیے جس کی رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔ (فتبارک اللہ احسن الخالقین) کیا طبیعت اور نیچر میں بھی یہ طاقت ہے کہ ایسے ایسے لطائف کو سمجھے

Presented by Ziaraat.Com

اور پھر اسے مناسب موقعوں اور ضرورتوں کے ساتھ حسب حال پیدا کر سکے۔ توبہ کرو۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ

اے مفضل! اگر تم کسی آدمی کی تصویر دیوار پر کھینچی ہوئی دیکھو اور تم سے کوئی کہے کہ یہ تصویر خود بخود ظاہر ہوئی ہے کسی بنانے والے نے اسے نہیں بنایا ہے تو کیا تم اس بات کو مان لو گے؟ نہیں، بلکہ تم اس کی بات پر ہنسو گے۔ تو کیوں کر تم ایک بے حس تصویر کی بابت اسے نہیں مانتے کہ وہ بغیر بنائے ہوئے بن گئی اور ایک انسان جیتے جاگتے، بولتے چالتے ہوئے کی نسبت ماننے کے لیے تیار ہو کہ وہ خود بخود پیدا ہو گیا۔

جانداروں کے جسم مخصوص حد تک کیوں بڑھتے ہیں؟

ایسا کیوں ہوا کہ جانداروں کے جسم باوجودیکہ ہمیشہ غذا کھاتے رہتے ہیں برابر بڑھتے ہی نہیں رہتے بلکہ نمو کی ایک حد تک پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھتے، اگر اس میں کوئی حکمت نہیں تو ایسا کیوں ہے؟

اس میں حکیم مطلق کی تدبیر یہ ہے کہ حیوانات کی ہر صنف کے جسموں کی مقدار ایک حد معین پر رہے۔ نہ اس سے بڑی ہو نہ چھوٹی۔ اور وہ بڑھتے رہتے ہیں جب اس حد معین پر پہنچتے ہیں، ٹھہر جاتے ہیں، حالانکہ غذا برابر جاری رہتی ہے منقطع نہیں ہوتی۔ اگر برابر بڑھتے ہی رہتے تو وہ اجسام نہایت بڑھ جاتے اور ان کی مقداریں مشتبہ ہو جاتیں، اور کسی کی کوئی حد معروف و معلوم نہ رہتی۔

انسان کو تکلیف کیوں محسوس ہوتی ہے؟

خاص کر آدمیوں کے بدن میں ایسا کیوں ہے کہ حرکت اور مشی سے ان میں گرانی پیدا ہو جاتی ہے اور باریک صنعتوں سے بھاگتے ہیں؟

اسی وجہ سے نا، کہ جن چیزوں کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً لباس، خواب گاہ

Presented by Ziaraat.Com

وغیرہ ان میں اسے زیادہ مشقت ہو (اور پھر اسے اپنے کام کی قدر ہو کیونکہ اگر بغیر تکلیف کے کوئی بات حاصل ہو تو اس کی قدر نہیں ہوتی اور نیز یہ بھی سبب ہے کہ) اگر آدمی کو کوئی تکلیف اور درد نہ ہوا کرتا، تو وہ بدکاریوں سے کیوں بچتا، اور اللہ کے سامنے کیوں جھکتا، اور لوگوں پر کیوں مہربانی کرتا؟

کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب کسی کو درد کی تکلیف ہوتی ہے، فوراً اس نے خدا کے سامنے خضوع وخشوع سے سر جھکا دینا ضروری سمجھا، اور عاجزی کرنے لگتا ہے اور اپنے پروردگار کی طرف صحت حاصل کرنے کے لیے مائل ہوتا ہے اور صدقہ دینے میں اپنے ہاتھ کھول دیتا ہے۔

اور اگر آدمی کو مار کھانے سے تکلیف نہ محسوس ہوتی تو بادشاہ سرکشوں اور بدکاروں کو کس طرح سے سزا دیتا، اور بچے علوم وصناعات کیوں کر سیکھتے (چوٹ لگنے کا ڈر تو ختم ہی ہو جاتا) اور غلام اپنے آقاؤں کے سامنے کیوں کر انکساری کرتے اور دل سے ان کی اطاعت کیوں کر کرتے؟

کیا اس میں ابن ابی العوجاء (دہریہ مذکور الصدر) اور اس کے ساتھ والوں کی جو تدبیر کے منکر ہیں اور مانویہ کی جو تکلیف اور درد کی حکمت کو مانتے ہی نہیں (یعنی کہتے ہیں کہ تکلیف جو انسان کو پہنچتی ہے اس میں کوئی حکمت اور فائدہ نہیں، بلکہ لغو بات ہے) کچھ تنبیہ و توبیخ نہیں ہے (یہ تو سب کچھ ہے مگر بے عقلی اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے؟)

حیوانات میں صرف نر یا صرف مادہ ہی کیوں نہ پیدا ہوئے؟

اگر حیوانات میں صرف نر ہی پیدا ہوتے مادہ نہ ہوتی یا صرف مادہ ہی پیدا ہوتی اور نر نہ ہوتے تو کیا نسل نہ منقطع ہو جاتی اور اس کے ساتھ حیوانات کے تمام اجناس و اصناف فنا نہ ہو جاتے۔ لہٰذا بعض بچے تو نر پیدا ہوتے ہیں اور بعضے مادہ تاکہ ہمیشہ نسل برقرار

Presented by Ziaraat.Com

رہے اور یکبارگی ختم نہ ہو جائے۔

سنِ بلوغ پر مرد کے ڈاڑھی کیوں نکلتی ہے؟

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مرد، عورت جب سن شعور و بلوغ کو پہنچتے ہیں تو صرف مرد ہی کے ڈاڑھی کیوں نکلتی ہے، عورت کے کیوں نہیں نکلتی؟ اگر اس میں حکمت و تدبیر نہیں تو کیا ہے؟

یہ اس سبب سے ہے کہ چونکہ پروردگار نے مرد کو حاکم اور عورت کا منتظم و نگہبان بنایا ہے۔ اور عورت کو اس کی دلہن اور کارکن۔ لہٰذا مرد کو ڈاڑھی عطا کی کیونکہ اس میں عزت، جلالت اور ہیبت ہے اور عورت کو نہ دی، تاکہ اس کے چہرہ کا حسن اور تازگی باقی رہے، جو خوش فعلی اور ہمخوابی کے لیے نہایت مناسب ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے! کہ حکیم عزوجل کی تدبیر سے یہ خلقت کیسی کیسی خوبیاں ظاہر کرتی ہے جس میں بالکل غلطی کو دخل نہیں۔ جس قدر جس چیز کی ضرورت ہے اسی قدر مہیا ہوتی ہے اور جس کی ضرورت نہیں ہوتی، نہیں مہیا کی جاتی۔ (مثلاً مرد کے لیے ڈاڑھی کی ضرورت تھی وہ اسے ملی۔ عورت کو اس کی ضرورت نہ تھی اس کو نہ ملی۔)

مفضل کہتے ہیں کہ دوران گفتگو زوال کا وقت آ گیا۔ آقا، نماز کے لیے اٹھے اور فرمایا کہ ''کل صبح کو انشاء اللہ میرے پاس آنا''۔ میں وہاں سے ان معلومات کے حاصل ہونے سے نہایت خوش خوش اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا اس نعمت پر جو اس نے مجھے دی تھی، واپس آیا۔ تمام شب نہایت خوشی میں بسر کی کہ میرے آقا نے کیا کچھ مجھے عطا فرمایا، اور کیا کیا نہ تعلیم فرمائی۔

Presented by Ziaraat.Com

دوسری نشست

مفضل کہتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اذنِ حضوری لیا گیا اور میں داخل بیت الشرف ہوا۔ آپؑ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو گردش زمانہ کا مدبر (یا اس کا گردش دینے والا، دور زمانہ کا، یکے بعد دیگر لانے والا) اور قرنہائے دہر کو ایک درجے کے بعد دوسرا درجہ اور ایک عالم بنا کر لانے والا ہے، تاکہ بدکاروں کو ان کی برائیوں کا بدلہ دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا، اس لیے کہ وہ عادل ہے تمام نام اس کے مقدس ہیں۔ اور نعمتیں اس کی بڑی ہیں۔ وہ آدمیوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، لیکن انسان خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس پر خدا کا کلام گواہ ہے کہ ''جو شخص ایک ذرہ کے بقدر نیکی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا، اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کا عوض پائے گا''۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی اس کی کتاب (قرآن مجید) میں ہیں جس کے اندر تمام چیزوں کی تفصیل و توضیح موجود ہے۔ نہ جھوٹ اس کے سامنے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے۔ وہ حکیم مطلق اور محمود کل کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے۔'' اور اسی وجہ سے سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انما ھی اعمالکم ترد الیکم ۔ یہ تمہارے اعمال تمہیں کو واپس کر دیے جائیں گے۔ (یا یہ کہ یہ سزا و جزا تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تمہیں لوٹا

Presented by Ziaraat.Com

دیا گیا) یعنی خدائے تعالٰی کو کچھ ان اعمال سے فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ ان کا فائدہ تمہیں کو قیامت میں پہنچے گا)''۔

پھر امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ارشاد فرمایا:

''اے مفضل! یہ خلق حیران و سرگردان ہے، اندھی ہے، متوالی ہے، اپنی سرکشی کے اندر چلتی ہے۔ اپنے شیطانوں اور شیطان نما لوگوں کی پیروی کرتی ہے۔ آنکھ والے تو ہیں مگر اندھے ہیں کچھ نہیں دیکھتے۔ زبان والے تو ہیں مگر گونگے ہیں کچھ نہیں سمجھتے۔ کان والے تو ہیں مگر بہرے ہیں کچھ نہیں سنتے۔ پستی و حقارت میں خوش ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پا گئے۔ عاقلوں کے درجہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ گندے و نجس ''لوگوں کے'' سبزے کو چرتے ہیں (یعنی جو کہ مہمل لوگ کہتے ہیں، وہی یہ بھی کہنے لگتے ہیں۔ یہ نیچر فاعل ہے یا طبیعت وغیرہ وغیرہ۔) گویا وہ موت کے ناگہاں آ جانے سے امن میں ہیں اور بدلہ پانے سے بچائے ہوئے ہیں۔ افسوس کس قدر بدبخت ہیں اور ان کا رنج اور ان کی تکلیف کس قدر طولانی ہو گی۔ اور ان کی بلا کس قدر سخت ہو گی جس دن کہ کوئی دوست کسی دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا، اور نہ ان کی بالکل مدد کی جائے گی۔ (یعنی قیامت کے دن) البتہ وہ جن پر اللہ ہی رحم کرے۔

مفضل کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں رونے لگا۔ آپؑ نے فرمایا: ''نہ روؤ، تم تو بچ گئے، کیونکہ تم نے حق کو قبول کیا، اور نجات پالی، اس لیے کہ تم نے معرفت حاصل کر لی۔''

Presented by Ziaraat.Com

پھر فرمایا: ''اب میں چاہتا ہوں کہ تم سے حیوانات کا حال بیان کروں تا کہ تم کو ویسا ہی حال ان کا بھی معلوم ہو جیسا کہ اس کے علاوہ اوروں کا حال معلوم ہوا۔

حیوانوں کی جسمانی کیفیت

غور کرو حیوان کے بدن کی بناوٹ اور اس ہیئت و انداز میں جس پر وہ بنائے گئے ہیں۔ نہ وہ پتھر جیسے سخت ہیں، کیونکہ اگر ایسے ہوتے تو مڑ نہ سکتے اور کاموں میں تصرفات نہ کر سکتے اور نہ وہ نرم ہی ہیں، ورنہ پھر اٹھنا بیٹھنا دشوار ہوتا اور بلا سہارے مستقل بنفسہٖ قائم رہ سکتے۔ لہٰذا وہ ایسے نرم گوشت سے بنائے گئے ہیں جو بآسانی دُہرے ہو سکتے اور مڑ سکتے ہیں، اور ان کے اندر سخت ہڈیاں قرار دی گئیں جنہیں پٹھے پکڑے ہوئے ہیں اور رگیں مضبوط باندھے ہوئے ہیں اور ایک کو دوسرے سے ملائے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور پٹھوں کے اوپر ایک جلد قائم کی گئی ہے جو تمام بدن کو محیط ہے۔

اسی کے مشابہ یہ تصویریں (مورتیں اور کٹھ پتلیاں) ہیں جو لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اور انہیں کپڑوں میں لپیٹتے اور ڈوریوں سے باندھتے ہیں اور اس کے اوپر سے گوند کا وارنش کر دیتے ہیں، لکڑی کو تم ہڈیاں تصور کرو اور کپڑوں کو گوشت اور ڈوریوں کو پٹھے اور رگیں اور وارنش کو جلد سمجھو۔ تو اگر چلنے پھرنے والے حیوانات میں ایسا ہو سکتا، کہ خود بخود یہ چیزیں بن گئی ہیں (یعنی رگیں، پٹھے، گوشت، ہڈیاں اور ان کا باہم ارتباط و تعلق) تو یہ بھی ممکن ہو گا کہ ان مردہ تصویروں میں بھی ایسا ہی ہو سکے (یعنی خود بخود ان پر وارنش پھر جائے، کپڑے لپٹ جائیں اور ڈوریاں بندھ جائیں) اور اگر ان مورتوں (کٹھ پتلیوں) میں ایسا ممکن نہیں ہے تو حیوانات میں بدرجہ اولیٰ ناممکن ہو گا۔

اس کے بعد ان حیوانات کے بدنوں کو غور سے دیکھو۔ چونکہ یہ آدمی کے جسموں کی

طرح گوشت، ہڈی اور پٹھوں سے پیدا کیے گئے ہیں، لہٰذا ان کے کان، آنکھ بھی ہیں تا کہ آدمی اپنی ضرورت ان سے پوری کر سکے۔ کیونکہ اگر یہ اندھے یا بہرے پیدا کیے گئے ہوتے تو انسان ان سے فائدہ نہ اٹھا سکتا اور نہ یہ اس کی کسی ضرورت میں کارآمد ثابت ہوتے۔

پھر یہ کہ ان کو ذہن اور عقل کا مادہ نہیں دیا گیا۔ تا کہ یہ آدمیوں کے مطیع رہیں اور جب وہ ان پر سخت مشقت ڈالے اور بھاری بوجھ لادے تو یہ اس سے سرکشی نہ کریں۔

اگر یہاں پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ انسان کے غلام بھی ہوتے ہیں اور وہ صاحب عقل ہونے کے باوجود اطاعت گزار اور فرمانبردار بھی ہوتے ہیں، محنت و مشقت کے کام بھی ان سے لیے جاتے ہیں۔ (اسی طرح اگر ان حیوانات کو بھی عقل و ذہن ملتا تو کیا ہرج تھا۔ جس طرح غلام اپنے آقاؤں کے مطیع و فرمانبردار رہتے ہیں، حیوانات بھی رہتے)۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اس قسم کے آدمی (جو غلامی کی سخت مشقت اٹھانے پر بھی مطیع و فرمانبردار ہی رہیں، چون و چرا نہ کریں) کم ہیں، لیکن اکثر آدمی (جو غلام ہیں) وہ چکی بھی پیستے ہیں وغیرہ وغیرہ اور جن کاموں کی آدمی کو ضرورت ہے ان میں جانوروں کو کوئی بہکائے بھی، تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ (یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ان حیوانات میں کسی کے بہکانے کا کچھ اثر پیدا ہو بخلاف انسان کے کہ اس میں اس بات کا بدیہی اثر ہے)۔

پھر اگر (حیوانات میں عقل پیدا کی گئی ہوتی اور وہ تکلیف برداشت نہ کرنے کے سبب آدمیوں کا کام نہ کرتے، ان کے فرمانبردار نہ رہتے) اور آدمی ان کاموں کو جنہیں حیوانات کرتے ہیں) خود ہی کرتا تو دوسرے کاموں سے معطل ہو جاتا، کیونکہ اسے ایک اونٹ یا ایک خچر کے بدلے بہت سے آدمی درکار ہوتے (جو ان کاموں کو انجام دے سکتے)۔ یہی معمولی کام تمام آدمیوں کو ہمہ وقت مصروف رکھتا، دیگر صنعت و حرفت سے انسان محروم ہو جاتا۔

Presented by Ziaraat.Com

علاوہ ازیں انسانوں کو ان کاموں سے سخت تعب بھی پہنچتا اور ان کے معاش میں مشقت اور تنگی ہو جاتی۔

لہٰذا حیوانات کو ان کی بار برداری وغیرہ کے لیے ایسا پیدا کیا کہ انہیں عقل وشعور نہ ہو، تا کہ انسان کے حکم سے سرتابی نہ کرسکیں۔

تین قسم کے حیوانات کی تشریح

مفضل! غور تو کرو، ان تین قسم کے حیوانات اور ان کی ساخت میں، کہ کیوں کر بنے ہیں اور ہر ایک کے لیے اس قسم کی ساخت سے کیا بہتری اور خوبی ہے؟

(اوّل) انسان

انسان کے لیے چونکہ یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس میں ذہن و ذکاوت ہوگی اور معماری، نجاری، زرگری، جامہ دوزی اور دیگر پیشے اور حرفتیں کرے گا۔ لہٰذا ان کی ہتھیلیاں بڑی بنائی گئیں جن میں موٹی موٹی انگلیاں ہیں تا کہ تمام چیزوں کی گرفت کرنے پر اچھی طرح قادر ہوں اور سب سے ضروری یہی مذکورہ بالا پیشے تھے (جو بغیر چوڑی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی مدد کے ہو ہی نہ سکتے تھے)۔

(دوم) درندے

گوشت خور حیوانات کے لیے چونکہ یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ ان کی زندگی شکار کے ذریعے سے بسر ہوگی تو ان کی ہتھیلیاں لطیف، سمٹنے والی، پنجوں اور تیز ناخنوں دار بنائی گئیں، جو شکار کے تو لائق ہیں مگر صنعت وحرفت کے کام انجام نہیں دے سکتیں۔

(سوم) چرند

نباتات خور حیوانات کے لیے چونکہ یہ مقدر و معین کر دیا گیا تھا کہ نہ تو ان کے متعلق صنعت وحرفت کا کام ہوگا اور نہ شکار کا کام، لہٰذا بعض کو کھریاں دی گئیں جو انہیں زمین کی سختی

Presented by Ziaraat.Com

سے محفوظ رکھیں جبکہ وہ چلنے پھرنے اور چرنے کا کام کریں، اور کسی کو گول اور کھرے سم دیے گئے۔ جیسے چوپاؤں کے تلوے ہوتے ہیں جو زمین پر برابر پڑسکیں، تاکہ سواری اور بار برداری کے لیے عمدہ ثابت ہوسکیں۔

درندوں کی تشریح

گوشت خور جانوروں کی ساخت اور بناوٹ پر غور کرو کہ ان کے تیز دانت اور سخت نوکیلے اور تیز پنجے اور چوڑے دہانے (منہ) پیدا کیے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ گوشت ہی ان کی غذا ہو تو ان کی ساخت بھی اس کے مناسب ہی بنائی گئی اور ان کو ایسے ہتھیاروں اور آلات سے مدد دی گئی جو شکار کے قابل ہوں۔

علی ہذا القیاس، تم شکاری، پرندوں کو بھی پاؤ گے، کہ ان کی چونچ اور پنجے ان کے کام کے قابل بنائے گئے ہیں۔

اگر یہی پنجے، وحوش (غیر شکاری) جانوروں کو دیے جاتے تو ان کے لیے بیکار ثابت ہوتے۔ کیونکہ نہ تو وہ شکار کرتے ہیں اور نہ گوشت کھاتے ہیں اور اگر درندوں کو کھر (بجائے پنجوں کے) دیے جاتے تو جن چیزوں کی انہیں ضرورت تھی وہ انہیں نہ ملتیں یعنی وہ ہتھیار جن سے شکار کر کے اپنی زندگی بسر کرسکیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان دونوں قسم کے حیوانات کو وہی چیزیں ملی ہیں جو اس قسم کے لیے مناسب اور اس کے موافق ہیں، بلکہ انہیں سے ان کی زندگی ہے۔

اب چوپائے جانوروں کو دیکھو، کہ وہ کس طرح اپنی ماؤں کے پیچھے پیچھے خود بخود چلتے ہیں۔ اٹھانے کی ان کو ضرورت نہیں، پرورش کی ان کی ضرورت نہیں، جیسا کہ آدمیوں کے بچوں کو ضرورت ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان بچوں کی ماؤں کے پاس وہ آلات نہیں ہیں جو آدمی کے بچوں کی ماؤں کے پاس ہیں۔ مثلاً نرمی ولطف اور پرورش کا علم اور ان بچوں کو ہاتھ

Presented by Ziaraat.Com

اور انگلیوں کے ذریعے سے اٹھانے کی قوت جو اسی لیے بنائے گئے ہیں (یہ باتیں بیچارے چوپاؤں میں نہیں ہیں) لہٰذا ان چوپائے بچوں کے لیے یہ قرار دیا گیا کہ وہ خود ہی اٹھیں اور اپنا کام بھی خود ہی کریں۔

اسی طرح دیگر پرندوں میں بھی پاؤ گے۔ جیسے مرغی، تیتر، کبک کے بچے اسی وقت چلنے پھرنے اور دانہ چگنے لگتے ہیں (جبکہ وہ انڈوں سے نکلتے ہیں) لیکن وہ پرندے جو کمزور ہیں اور ان میں اٹھنے کی طاقت نہیں، جیسے دیسی اور جنگلی کبوتر اور خُمر کے بچے۔ تو ان کی ماؤں کو ان کی بہت ہی محبت دی گئی ہے کہ جب وہ اپنے پوٹوں کو بھر لیتی ہیں تو ان بچوں کے منہ میں لا کر بھراتی ہیں اور برابر کھلاتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ (بچے) اپنا کام انجام دے سکیں۔

اسی وجہ سے کبوتر کو بہت سے بچے نہیں دیے گئے۔ جیسے مرغیوں کے بہت سے بچے ہوتے ہیں تاکہ ان کی مائیں اپنے بچوں کے پالنے پر قادر ہو سکیں اور وہ بچے خراب اور ہلاک نہ ہوں۔ پس حکیم لطیف وخبیر کی حکمت کا ہر ایک کو ایک حصہ ملا ہے۔

حیوانات کی ٹانگیں جُفت کیوں بنائیں؟

دیکھو! حیوانات کی ٹانگیں کیوں کر جفت بنائی گئی ہیں؟

یہ اس لیے کہ چلنا پھرنا ممکن ہو۔ اگر طاق بنائی گئی ہوتیں تو اس (حیوان) کے قابل نہ ہوتیں۔ اس سبب سے کہ چلنے والے جاندار اپنے ایک پاؤں کو اٹھاتے اور دوسرے پر سہارا لیتے ہیں۔ دو ٹانگوں والے ایک کو اٹھاتے دوسری پر ٹھہرتے ہیں۔ اور چار ٹانگوں والے دو کو اٹھاتے اور دو پر سہارا لیتے ہیں اور یہ مختلف رخ سے ہوتا ہے کیونکہ اگر چوپائے دونوں ٹانگیں ایک ہی طرف کی اٹھاتے اور دوسری طرف کی دو ٹانگوں پر سہارا لیتے تو زمین پر نہ رک سکتے۔ جیسے تخت، چارپائی وغیرہ صرف دو پایوں پر رک نہیں سکتے۔ تو ایسا ہوا کہ دہنی طرف کی اگلی ٹانگ کو اٹھائے اور بائیں طرف کی پچھلی، اور اسی طرح مخالف جہت سے باقی ٹانگوں کو اٹھائے تاکہ

Presented by Ziaraat.Com

زمین پر قائم رہ سکے اور چلنے کے وقت گر نہ پڑے۔

اطاعت گزار چوپائے

کیا تم گدھے کو نہیں دیکھتے کہ؟ کیوں کر بار برداری کا کام کرتا ہے اور وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ خچر اس سے زیادہ کام کرتا ہے لیکن گھوڑا آرام و آسائش میں رکھا جاتا ہے۔

اور اونٹ تو اس قدر کام کرتا ہے کہ جتنا کئی آدمی مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ اگر یہ حکم نہ مانتا تو کیسا ہوتا؟ اب تو وہ ایک بچے کی بھی اطاعت کر لیتا ہے۔

اور بیل! کیوں کر اپنے مالک کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یہاں تک اس کی گردن پر جوا رکھ کر اس کے ذریعے سے زراعت کرتا ہے۔

شریف نسل کا گھوڑا، تلواروں اور نیزوں میں اپنے مالک کی طرح گھس جاتا ہے۔ (اپنی جان کا خوف نہیں کرتا)

بھیڑ کے ایک پورے گلے کو صرف ایک آدمی چرا لیتا ہے اور اگر ایسا ہوتا کہ بھیڑیں ادھر ادھر بھاگ جایا کرتیں اور ہر ایک ان میں الگ راستہ اختیار کرتی تو ایک شخص ان کے لیے ناکافی ہوتا۔

علیٰ ہذا القیاس اور تمام قسم کے حیوانات جو انسان کے لیے مسخر کیے گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

اسی سبب سے نا، کہ ان میں عقل نہیں۔ غور فکر کی قوت نہیں، اگر ان میں عقل ہوتی اور یہ اپنے اپنے کاموں میں غور کرتے ہوتے تو یقیناً آدمی کی ضروریات کے وقت پہلو تہی اور نافرمانی کر جایا کرتے۔ اونٹ اپنے ساربان کا حکم نہ مانتا، نہ بیل اپنے مالک کا۔ اور بھیڑیں اپنے چرواہے سے بھاگ کر متفرق ہو جایا کرتیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح یہ درندے اگر عقل و شعور رکھتے ہوتے تو آدمیوں سے عقلمندوں کی طرح

Presented by Ziaraat.Com

مقابلہ کرتے اور ان سے جھگڑتے (کہ تم ہماری خوراک کی چیزوں پر کس طرح قابض و متصرف ہونا چاہتے ہو)۔ شیر، بھیڑیے، چیتے اور ریچھوں وغیرہ سے کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ اگر وہ بھی آپس میں مل جل کر آدمیوں پر چڑھائی کر دیتے تو ان کے پاس بچنے کی کون سی راہ ہوتی؟

کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ یہ بات ان سے کیوں کر روک دی گئی اور بجائے اس کے کہ ان سے انسان ڈرتا ہے اور وہ خود بھی آدمیوں سے خائف رہتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ دن میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے نہیں نکلتے، رات کو نکلا کرتے ہیں۔ تو باوجود ہیبت وقوت کے بے روک ٹوک اور بغیر مار پیٹ آدمیوں سے ڈرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ان کے گھروں میں کود پھاند کر داخل ہو جاتے اور ان کی زندگی تنگ کر دیتے۔

کتے کی حالتیں

پھر منجملہ ان تمام درندوں کے کتے میں ایک خاص بات رکھی گئی ہے کہ اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے اور اس کی حمایت و حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کے گھر کی بھی حفاظت کے واسطے مکان کی چہار دیواری اور چھتوں وغیرہ پر اندھیری رات میں گھومتا پھرتا رہتا ہے چوروں سے بچاتا ہے، دوسرے کتے کو بھی نہیں آنے دیتا۔ اس کی محبت اپنے مالک سے اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ خود اس کے اور اس کے گلے اور مال کے بچانے کے واسطے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے اور اس سے بیحد محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ بھوک اور تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ تو کتا کیوں ایسا پیدا کیا گیا، اسی لیے نا، کہ آدمی کی حفاظت کرے۔ ''اس کے دانت سخت ہیں، اس کے پنجے تیز اور نوکیلے ہیں، اس کی آواز ڈراؤنی ہے۔'' ایسا کیوں ہے؟

اسی لیے نا، کہ چور اس سے ڈر جائے، اور جن چیزوں کی وہ حفاظت کرتا ہے ان کے پاس کوئی نہ پہنچ سکے۔

Presented by Ziaraat.Com

چوپاؤں کے چہروں کی کیفیت

مفضل! چوپاؤں کے چہروں کی طرف غور کرو۔ کیوں کر بنائے گئے ہیں؟ تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں سامنے کو لگی ہوئی ہیں تاکہ کسی دیوار سے نہ ٹکرا جائیں یا کسی گڑھے میں نہ گر پڑیں اور ان کے دہانوں کو تھوتھنی کے نیچے سے پھٹا ہوا پاؤ گے۔ اگر اس طرح پھٹے ہوتے جیسے انسانوں کے منہ ہیں، ٹھوڑی کے سامنے سے تو وہ اس پر قادر نہ ہوتے کہ زمین سے کوئی چیز اٹھا سکتے وغیرہ۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی اپنے منہ سے کھانے کی چیز کو نہیں اٹھاتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے اٹھاتا ہے۔ یہ اس کو خاص شرافت دیگر کھانے والوں پر دی گئی ہے اور چونکہ چوپاؤں میں ایسے ہاتھ نہیں ہیں جن سے وہ گھاس وغیرہ اٹھا کر کھا سکیں۔ لہٰذا ان کا تھوتھنی کا حصہ نیچے کی جانب شگافتہ بنایا گیا، تاکہ گھاس کو بآسانی پکڑ سکیں اور پھر اسے چبا سکیں (اور لمبے ہونٹوں سے مدد لے)۔

حیوانات کی دم کیوں بنائی گئی؟

ان جانوروں کی دم کو عبرت سے دیکھو! کہ اس میں کیا نفع قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان کے بول و براز (پیشاب پاخانہ) کے مقامات کے لیے ایک قسم کا ڈھکنا ہے جو دونوں کی ستر پوشی کرے۔ اور اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے جسم پر مکھیاں اور مچھر وغیرہ نہ جمع ہو سکیں۔ تیسرے فائدہ یہ ہے کہ ان کو دائیں بائیں دم کے ہلاتے رہنے سے آرام بھی ملتا ہے (گویا یہ ان کا ایک قسم کا مشغلہ ہے) اس لیے کہ، چونکہ یہ جانور اپنے اپنے چاروں ہی پیروں پر کھڑے رہتے ہیں اور اگلے دونوں پاؤں بدن کو اٹھائے رہنے میں مصروف رہتے ہیں اور انہیں ادھر ادھر پھرانے کا موقع نہیں ملتا، تو ان کو اپنی دم ہلانے میں راحت ملتی ہے اور اس میں بہت سے دیگر فائدے بھی ہیں جن کے جاننے سے ہم قاصر ہے جو اسی وقت معلوم ہوتے ہیں

Presented by Ziaraat.Com

جب اس کی ضرورت پڑے۔

منجملہ ان فائدوں کے چوتھا فائدہ یہ بھی ہے، کہ جانور کبھی دلدل میں پھنس جاتا ہے تو اس کے نکالنے اور اٹھانے کے لیے دم سے بڑھ کر کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

اور دم کے بالوں میں آدمیوں کے بھی بہت سے فائدے ہیں کہ انہیں اپنی ضرورتوں میں صرف کرتے ہیں۔

پھر ان حیوانوں کی پیٹھ مسطح اور چاروں ٹانگوں کے اوپر اوندھی ہوئی بنائی گئی تاکہ اس پر سوار ہونا یا باربرداری آسان ہو۔ ان کے مقام دخول (شرمگاہ) ان کے پیچھے کھلے ہوئے بنائے گئے، تاکہ نر کو جفتی کھانا ممکن اور آسان ہو۔ اور اگر پیٹ کے نیچے بنایا جاتا جیسے عورت کی شرمگاہ ہے تو ان کے نروں کو جفتی کرنا ممکن نہ ہوتی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ان کے نر منہ کے سامنے سے جفتی نہیں کھا سکتے جس طرح کوئی مرد، عورت سے صحبت کر سکتا ہے۔

ہاتھی کی سونڈ کے فوائد

ہاتھی کی سونڈ کو غور کرو اور دیکھو کہ اس میں کیا باریک حکمت ہے؟ یہ سونڈ اس کے لیے چارہ اور پانی لینے اور پیٹ تک پہنچانے میں ہاتھ کے قائم مقام ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو ہاتھی کسی چیز کو زمین سے نہ اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی گردن دوسرے چوپاؤں کی طرح لمبی نہیں ہوتی کہ ادرگرد حرکت کر سکے، اسی وجہ سے سونڈ کو اس کا قائم مقام بنایا گیا، اور لمبی سونڈ ہونے کے باعث اس کو لٹکائے رہے اور اپنی ضروریات پوری کر سکے...... تو کس نے بجائے اس عضو معدوم (ہاتھ و گردن) کے اسے ایسی چیز دی جو اس کا بدلہ ہو سکے۔ اسی نے نا، جو اپنی مخلوقات پر نہایت مہربان ہے اور یہ بغیر پیدا کیے کیوں کر ہو سکتا تھا جیسا کہ یہ ظالم نیچری اور دہریے کہتے ہیں۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ پھر اس کی گردن ویسی ہی کیوں نہ بنائی جیسی دیگر

Presented by Ziaraat.Com

چوپاؤں کی ہے تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ ہاتھی کا سر اور اس کے کان بہت بھاری اور ثقیل ہیں۔ اگر یہ سر اور کان لمبی گردن پر بنائے گئے ہوتے تو اسے توڑ دیتے اور سست کر دیتے۔

لہٰذا اس کا سر اس کے دھڑ (جسم) سے ملا ہوا بنایا گیا۔ تا کہ اسے وہ تکلیف نہ پہنچے جو ہم نے بیان کی ہے اور بجائے اس کے یہ سونڈ بنا دی گئی تا کہ اس کے ذریعے سے اپنی غذا حاصل کر سکے۔

پس باوجود گردن نہ ہونے کے یہ تمام ان چیزوں کو پوری طرح حاصل کر لیتا ہے جس میں اس کی ضرورت رفع ہو جائے۔

دیکھو ہتھنی (مادہ ہاتھی) کی فرج کیونکر پیٹ کے نیچے بنائی گئی ہے مگر جب اسے شہوت ہوتی ہے تو اوپر کی جانب ابھر آتی ہے، تا کہ نر کو اس سے جفتی کھانے میں آسانی ہو۔

غور کرو! کہ ہتھنی کی شرمگاہ برخلاف اور حیوانوں کے بنائی گئی ہے پھر اس میں وہ بات رکھ دی گئی جس سے وہ امر ممکن ہو سکے جس میں اس کی نسل کی بقائے دوام ہے۔

زرافہ کی ساخت

زرافہ کی ساخت کو ذرا غور کرو اور اس بات کو، کہ اس کے اعضاء کیسے مختلف ہیں اور چند طرح کے حیوانوں کے اعضاء سے مشابہ ہیں۔ اس کا سر گھوڑے جیسا، گردن، اونٹ کی طرح کھریاں گائے جیسی اور کھال چیتے کی طرح۔

بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا ہے (جن کو خدائے تعالیٰ حکمتوں کی معرفت نہیں) کہ مختلف اقسام کے نروں کی جفتی سے اس طرح کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ان جاہلوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خشکی کے قسم قسم کے جانور جب پانی پینے کے لیے گھاٹوں پر جاتے ہیں تو کوئی جانور کسی سے، کوئی کسی سے جفتی کھا جاتا ہے تو اس صورت کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے جو مختلف قسم کے حیوانات کا گویا کہ ایک نمونہ ہے۔ یہ اس کہنے والے کی جہالت ہے اور یہ خدائے جل قدسہٗ وعز جلالہ کو

Presented by Ziaraat.Com

پہچانتا ہی نہیں۔

کسی قسم کا جانور دوسری قسم کے جانوروں سے جفتی نہیں کھاتا۔ نہ گھوڑا، اونٹنی سے اور نہ اونٹ گائے سے وغیرہ۔ جفتی تو صرف ان جانوروں میں باہم ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے مشاکل و مشابہ ہوں۔ جیسے گھوڑا گدھی سے جفتی کھاتا ہے۔ جس سے خچر پیدا ہوتا ہے اور بھیڑیا، بجو سے جفتی کھاتا ہے جس سے سمع پیدا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی بچہ ان کی جفتی سے پیدا ہو تو ایک ایک عضو ہر ایک جانور کے مشابہ ہو۔ (مثلاً، سر تو بجو جیسا ہو اور باقی جسم بھیڑیے جیسا ہو) جیسا کہ زرافہ میں ہے کہ ایک عضو تو گھوڑے کا ہے اور ایک عضو اونٹ کی طرح اور کھریاں گائے جیسی۔ بلکہ ان دونوں سے مل کر ایک تیسری قسم کا جانور بن جاتا ہے۔ جیسے تم خچر کو دیکھتے ہو کہ اس کا سر اس کے کان، اس کی پشت (پیٹھ)، اس کی دم، اس کے سُم گدھے اور گھوڑے کے ان اعضاء کے بین بین ہیں۔ اور اس کی آواز گھوڑے کی طرح (ہنہناہٹ) اور گدھے کی آواز کے بین بین ہے۔

پس یہی اس بات کی دلیل ہے کہ زرافہ مختلف جانوروں کی باہم جفتی کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے یہ بھی ایک عجیب مخلوق ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہو جو کسی چیز میں عاجز نہیں۔

یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ قسم قسم کے حیوانات کا خالق جس کے جس عضو بدن کو چاہتا ہے ایک سا پیدا کرتا ہے اور جس کے اعضائے بدن کو چاہتا ہے مختلف پیدا کرتا ہے۔ بناوٹ میں جو چاہتا ہے زیادتی کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اس سے اس کی قدرت معلوم ہو اور یہ کہ اسے کوئی ایسی چیز جس کا وہ ارادہ کرے عاجز نہیں کر سکتی۔

زرافہ کی گردن اس قدر لمبی کیوں ہے اور اس میں اسے کیا فائدہ ہے۔ تو وہ فائدہ یہ

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ اس کی چراگاہ اور اس کی پیدائش کی جگہ درختوں کے جھنڈ میں ہے جہاں اونچے اونچے، لمبے لمبے درخت پیدا ہوتے ہیں تو اسے لمبی گردن ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے منہ سے درختوں کی پتیاں توڑ سکے اور اس کے پھلوں سے اپنی غذا بنا سکے۔

بندر کی ساخت

بندر کی پیدائش اور اس کے اعضاء اکثر و بیشتر آدمی کے اعضاء سے مشابہ ہونے پر غور کرو۔ یعنی سر، دونوں شانے اور سینہ اور اسی طرح اس کے باطنی اعضاء بھی انسان کے باطنی اعضاء سے مشابہ ہیں۔ علاوہ بریں اسے ذہن و ذکاء بھی دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اپنے پالنے والے کی ان باتوں کو سمجھتا ہے جس کا وہ اشارہ کرتا ہے اور اکثر انسان کو جو کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی نقل اتارتا ہے یہاں تک کہ انسانی خصلت اور اس کے شمائل و خصائل سے اپنی تدبیر ساخت میں بہت قریب ہے اور آدمی کے لیے باعث عبرت ہے کہ وہ اس بات کو سمجھے کہ میں بھی بہائم کی طینت اور مادے سے بنا ہوں، کیونکہ انہیں بہائم میں سے وہ بھی ہے جو انسان سے اس قدر قریب ہے اور یہ کہ اگر مجھ کو ذہن و عقل و گویائی میں اس پر فضیلت نہ دی جاتی تو میں بھی کسی جانور ہی کے مانند ہوتا۔

علاوہ اس کے بندر کے جسم میں کچھ اضافہ بھی ہے جن کی وجہ سے اس میں اور انسان میں فرق ہو جاتا ہے۔ مثلاً دہانہ (منہ)، دم اور بال جو اس کے جسم کا لباس ہیں۔ اور یہ باتیں انسان سے اس کے ملحق اور مشابہ ہو جانے سے مانع نہ ہوتیں اگر اس کو انسان ہی کے مانند عقل، ذہن اور گویائی کی طاقت دی گئی ہوتی۔ پس صحیح حد فاصل اس میں اور آدمی میں، صرف عقل، ذہن اور طاقت گویائی کی کمی ہے۔

چوپاؤں کو ضروریات زندگی کی فراہمی

اے مفضل! ذرا اللہ تعالیٰ کی مہربانی ان بہائم پر دیکھو کہ ان کے بدنوں کو مختلف قسم

Presented by Ziaraat.Com

کے بالوں کا کیسا لباس پہنایا ہے تاکہ سردی اور آفتوں کے زیادہ پڑنے سے محفوظ رہیں اور انہیں (بجائے جوتے کے) کھریاں، سم اور خف (اونٹ اور ہاتھی جیسے پاؤں ہیں) دیے تاکہ گھسنے سے بچیں کیونکہ ان کے نہ تو ہاتھ ہی ہیں، نہ ہتھیلیاں اور نہ انگلیاں جن سے آدمی کی طرح کوئی کام کر کے اپنے جسم کی حفاظت کر سکیں، ان کا لباس ان کی ساخت و بناوٹ اور خلقت ہی میں بنا دیا گیا ہے۔ جو ان کی زندگی تک باقی رہے اور انہیں اس کی تجدید اور بدلنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مگر انسان تو صاحب تدبیر ہے اس کے پاس ہتھیلیاں اور انگلیاں، نیز عقل و فہم وغیرہ موجود ہے جن سے کام کر سکتا ہے۔ وہ کپڑا بنتا ہے اور سوت بھی کاتتا ہے اور اسی سے اپنے لیے کپڑا بناتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسے تبدیل بھی کرتا رہتا ہے اور اس کے لیے اس میں کئی طرح کی بہتری ہے۔ منجملہ ان تمام کاموں کے یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہو کر فضول باتوں سے بچتا ہے۔ وغیرہ، علاوہ ازیں جب چاہتا ہے اپنے کپڑے اتار کر آرام حاصل کرتا ہے۔ اپنے لباس کو اپنی صنعت کے ذریعے سے خوشنما اور عمدہ تیار کرتا ہے جوتے اور دیگر اقسام کی صنعت و حرفت کرتا ہے جن میں اس کے اور دوسروں کے واسطے معاش اور تجارت بھی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس بہائم وغیرہ کے لیے ان تمام باتوں کا نعم البدل ان کے بال، سم اور کھریاں و خف وغیرہ میں رکھا گیا ہے۔

چوپاؤں کے مُردوں کی حالت

مفضل! ذرا اس عجیب خلقت کو غور کرو جو بہائم میں بنائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام بہائم جب مر جاتے ہیں تو اپنے مُردوں کو اسی طرح چھپا دیتے ہیں جیسے انسان اپنے مردوں کو دفن کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر ان کے مردے کیا ہوتے ہیں جو ایک بھی دکھائی نہیں دیتا، اور ایسے کم تعداد میں بھی نہیں ہیں کہ پوشیدہ رہتے ہیں بلکہ اگر ان کو آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

اسے، ان ہرنوں، جنگلی گائے، بیلوں، گدھوں، جنگلی بکریوں اور بارہ سنگھوں کے گلوں کے ذریعے سے سمجھو اور نیز وہ وحوش اور مختلف طرح کے درندے، شیر، بجو، بھیڑیے، چیتے اور مختلف قسم کے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض اور زمین پر چلنے والے دوسرے جانوروں سے سمجھو اور عبرت حاصل کرو جو صحراؤں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس پرندوں کے جتھے، مثلاً کوے، چکور، کلنگ بط، کبوتر اور تمام شکاری پرندوں سے عبرت لو۔ ان سب کے مردے کہیں دکھائی نہیں دیتے، مگر وہی ایک آدھ جسے شکاری شکار کر لیتا ہے یا درندے پھاڑ کھاتے ہیں۔ (دراصل ہوتا یہ ہے کہ) جب ان حیوانات کو اپنے مرنے کا احساس ہوتا ہے تو کسی مخفی مقام میں چھپ جاتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو تمام زمین ان کے مردوں ہی سے بھر جاتی۔ یہاں تک کہ ہوا میں بدبو پیدا ہو جاتی اور طرح طرح کی بیماریاں اور وبائیں پھیل جاتیں۔ غور کرو اس بات پر جو انسان نے حیوانات ہی سے حاصل کی اور اس پہلی تمثیل (جسے خدائے تعالیٰ نے ہابیل و قابیل کے قصے میں بیان کیا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو دیکھا کہ دو کوے لڑتے ہوئے آئے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اور زمین کھود کر اسے دفن کر دیا۔ اس سے قابیل نے سیکھا کہ ایک گڑھا کھودا جائے اور اس میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیا جائے) پر عمل کیا جسے پروردگار نے اس کے لیے قائم کیا تھا۔

جانوروں میں اِدراک

کس طرح اس مدبر عالم نے ان بہائم وغیرہ میں یہ ادراک اور طبیعت (قانون فطرت) قرار دی ہے جس کی وجہ سے آدمی ان امراض اور فسادات کی ایذا سے بچ گیا جو اس پر وارد اور واقع ہوتے۔

مفضل! ان سمجھداریوں پر غور کرو جو ان بہائم میں قرار دی گئی ہیں اور قدرتی طور پر

Presented by Ziaraat.Com

اللہ تعالٰی کی مہربانی سے ان کی خلقت میں داخل ہیں۔ تا کہ اس کی مخلوق ان نعمتوں سے محروم نہ رہے، مگر یہ سمجھ، عقل اور قوت مفکرہ کے ساتھ نہیں ہے (جس کی پہلے نفی کی گئی ہے)۔

دیکھو کہ گوزن (نیولہ)، سانپ کو کھا جاتا ہے اور اس وجہ سے اسے سخت پیاس لگتی ہے۔ مگر پانی نہیں پیتا اس خوف سے کہ اگر اس نے پانی پی لیا تو زہر اس کے تمام جسم میں سرایت کر جائے گا اور اسے ہلاک کر دے گا۔ تالابوں کے کنارے کھڑا رہتا ہے اور اس کو پیاس سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو بلند آواز سے چیختا ہے مگر پانی نہیں پیتا اگر پی لے تو اُسی دم مر جائے۔

تو دیکھو! کہ بالطبع ان جانوروں میں سخت پیاس کے روک لینے کی اپنے ضرر کے خوف سے کس قدر برداشت رکھی گئی ہے۔ حالانکہ یہ ایسی چیز ہے کہ باعقل وتمیز آدمی بھی خود اسے ضبط نہیں کرسکتا۔

لومڑی (کو دیکھو کہ) جب اسے خوراک نہیں بہم پہنچتی تو اپنے تئیں مردہ بنالیتی ہے اور اپنا پیٹ پُھلا لیتی ہے اس لیے کہ پرندے اسے مردہ سمجھیں اور جونہی پرندے اس کو نوچنے اور کھانے کے لیے اس پر گرتے ہیں فوراً ان پر حملہ کرتی اور پکڑ لیتی ہے۔

پھر بتاؤ! کہ بے زبان اور بے ادراک لومڑی کو یہ تدبیر کس نے بتائی؟ اُسی نے نا، جو ان طریقوں سے اسے روزی پہنچانے کا ذمہ دار ہوا ہے۔ چونکہ لومڑی اکثر ان امور کو نہیں کر سکتی جنہیں درندے کرتے ہیں۔ مثلاً شکار کا مقابلہ کرنا، ان پر حملہ کرنا وغیرہ۔ تو اسے اس چالاکی اور حیلہ گری سے اس کے معاش کے لیے مدد پہنچائی گئی ہے۔

مچھلی ڈُلفن (ڈالفن) جو آبی جانوروں اور ڈوبتے ہوئے آدمی کو بچا لیتی ہے) پرندوں کا شکار چاہتی ہے تو اس کی اس معاملے میں یہ تدبیر ہوتی ہے کہ پہلے مچھلی کو پکڑ کر مار ڈالتی ہے تا کہ وہ پانی پر اُبھری رہے اور خود اس کے نیچے چھپی رہتی ہے اور پانی کو اچھالتی رہتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ کہیں اس کا جسم نہ دکھائی دے، جب کوئی پرندہ اس مری ہوئی مچھلی پر گرتا ہے تو اسے اُچک کر شکار کر لیتی ہے۔

مفضل کہتے ہیں! میں نے عرض کی کہ مولیٰ، اژدہے اور بادل کا کچھ حال بیان فرمائیے۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: ابر گویا اس پر موکل کیا گیا ہے کہ جہاں اسے پائے اُچک لے۔ جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو جذب کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنا سر زمین سے اٹھاتا ہی نہیں، کیونکہ اسے ابر کا خوف لگا رہتا ہے اور سوائے گرمی کے دنوں کے، جبکہ آسمان صاف ہو اور ابر کا ایک نقطہ بھی اوپر نہ ہو، باہر آتا ہی نہیں اور وہ بھی صرف ایک مرتبہ نکلتا ہے۔

مفضل کہتے ہیں، میں نے عرض کی، تو ابر کیوں اژدہے پر موکل کیا گیا، جو اس کی گھات میں رہتا اور جہاں اسے پائے اُچک لیتا ہے؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اس لیے کہ آدمیوں کو اس کے ضرر سے بچائے۔''

مفضل کہتے ہیں، میں نے عرض کی مولیٰ! آپؑ نے بہائم وحیوانات کا تو ایسا حال بیان فرما دیا، جو عبرت حاصل کرنے والوں کے عبرت ہو سکے۔ اب آپؑ چیونٹی، چیونٹے اور پرندوں کا حال بیان فرمائیے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے مفضل! سنو! اس ننھی سی چیونٹی کے منہ کو دیکھو، کیا اس میں کسی ایسی بات کی کمی پاتے ہو جس کی بہتری اور بھلائی نہ ہو اور جو اس کے مناسب نہ ہو؟ یہ اندازہ اور صواب کہاں سے آیا؟ سوائے اس کے کہ وہی حکمت و تدبیر اس میں بھی صرف ہوئی ہے جو بڑی مخلوق اور چھوٹی مخلوق میں ہوئی ہے (اسی وجہ سے جتنی چیزیں چیونٹی کے لیے ضروری ہو سکتی تھیں سب ہی اس کے واسطے پیدا کر دی گئیں)۔

دیکھو! اس چیونٹی کو کہ اپنی غذا کے جمع کرنے کے لیے کیوں کر مجتمع اور اکٹھا ہوتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ تم ایسا دیکھو گے کہ کئی کئی چیونٹیاں جب کسی دانے کو اپنے سوراخ میں پہنچانا چاہتی ہیں تو ایسی ہوتی ہیں جیسے چند آدمی مل کر غلے وغیرہ کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بلکہ چیونٹی کو اس بارے میں تو اتنی کوشش اور تندہی ہوتی ہے کہ آدمی ویسا نہیں کر سکتے۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ دانہ حاصل کر کے ان کے درمیان سے دو ٹکڑے کر دیتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو (یہ دانے ان سوراخوں میں پانی پا کر اُگ آئیں اور ان کے کام کے نہ رہیں۔ اور جب ان دانوں کو تری پہنچ جاتی ہے تو ان کو نکال کر پھیلا دیتی ہے، تاکہ خشک ہو جائیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ چیونٹیاں ایسے مقام پر اپنا سوراخ بناتی ہیں جو بلند ہوتا کہ پانی کی رو وہاں تک پہنچ کر انہیں غرق نہ کر دے۔ مگر یہ سب باتیں بغیر عقل وفکر کے ہیں۔ اور ایک فطری اور قدرتی باتیں ہیں جو ان کی مصلحت کے واسطے خدائے عزوجل کی مہربانی سے ان کی خلقت میں داخل کر دی گئی ہیں۔

اس جاندار کو دیکھو جسے لَیث (شیر) کہتے ہیں اور عام لوگ اس کو اسدالذباب (مکھیوں کا شیر)۔ یہ ایک قسم کی مکڑی ہے جو مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ کیسی تدبیر اور حیلہ گری، اس کو اپنی تحصیل معاش کے لیے رفق اور ملائمت دی گئی ہے؟

تم دیکھو گے کہ جب اسے مکھی کا احساس ہوتا ہے کہ اس کے قریب آئی، تو دیر تک اسے چھوڑے رکھتی ہے (بالکل اس سے تعرض نہیں کرتی اور نہ چال چلتی، نہ شکار کا ارادہ ظاہر کرتی ہے) گویا خود ایک مردہ چیز ہے جس میں کچھ حس و حرکت ہی نہیں، جب مکھی کو مطمئن پاتی ہے اور خود سے اس کو غافل دیکھتی ہے تو نہایت آہستہ آہستہ رساں رساں اس کی طرف چلتی ہے جس وقت اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ اسے پکڑ سکے گی تب اس پر جست لگا کر پکڑ لیتی ہے اور پھر اس طرح اپنے تمام جسم سے اس کے ساتھ چمٹتی ہے کہ کہیں چھوٹ نہ جائے اور اتنی دیر تک اس کو مضبوط تھامے رہتی ہے کہ اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ مکھی اب کمزور ہو گئی ہے، اور

Presented by Ziaraat.Com

ہاتھ پاؤں اس کے ڈھیلے ہو گئے، پھر متوجہ ہوتی ہے اور اسے کسی محفوظ مقام پر لے جا کر اپنی غذا بناتی ہے اور اسی کے ذریعے سے اس کی حیات ہے۔ (اب بتاؤ! کہ یہ تدبیر مکڑی کو کس نے بتائی کہ اس حیلہ گری کو کام میں لائے اور مکھی کو شکار کر کے اپنی غذا بنائے؟

کیا مکڑی کے مادے نے اسے سکھایا، یا اس کی بغیر ادراک طبیعت نے۔ ہرگز نہیں، بلکہ کسی بڑے مدبر حکیم نے جس نے اسے پیدا کیا ہے، یہ ترکیب و تدبیر اس کی خلقت میں ودیعت فرمائی ہے)۔

لیکن باقی (عام) مکڑی، تو وہ جالا تنتی اور اسے مکھیوں کے شکار کا جال اور پھندا بناتی ہے اور خود اس کے اندر چھپ کر بیٹھ جاتی ہے۔ جونہی مکھی اس میں پھنستی ہے اس کو لپک کر دم بدم کاٹنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کی زندگی اسی طرح بسر ہوتی ہے۔

اسی طرح لوگ شیر وغیرہ کے شکار کے لیے جال اور پھندے کے صید کا بھی بیان کرتے ہیں۔ (یعنی جو تدبیر انسان اپنی عقل سے شکار کے لیے اختیار کرتا ہے مکڑی بھی باوجود بے عقل و ادراک ہونے کے محض اپنی فطرتی اور قدرتی ودیعت شدہ قوت سے وہی تدبیر اختیار کرتی ہے)۔

تو دیکھو! اس کمزور جانور کی طبیعت میں کیوں کر وہ بات رکھی گئی ہے جسے انسان بغیر حیلہ و تدبیر اور استعمال آلات نہیں کر سکتا! تم کسی چیز کو عیب نہ لگاؤ جب کہ کوئی اثر عبرت موجود ہو۔ جیسے چیونٹی، چیونٹے وغیرہ (یعنی ان کو حقیر نہ سمجھو)۔ (اس کلام سے حضرت کا مقصود یہ ہے کہ چیونٹی وغیرہ چھوٹی چھوٹی مخلوقات خدا کو حقیر نہ سمجھو، ان میں بھی عجیب و غریب حکمتیں اور صناعیاں (صنعتیں) ہیں جو ان کے خالق نے ان میں ودیعت فرمائی ہیں جن سے انسان غور کرنے کے بعد بڑی بڑی عبرتیں حاصل کر سکتا ہے۔) کیونکہ کبھی کسی نفیس مطلب کی مثال ایسی حقیر اور چھوٹی چیز سے بھی دی جاتی ہے تو اس سے اس نفیس مطلب کی قدر کچھ کم نہیں ہو جاتی۔

Presented by Ziaraat.Com

جیسے سونا، لوہے کے باٹ سے (یا پیتل کے باٹ سے) تولا جاتا ہے تو اس تولنے سے سونے کی قدر و قیمت کم نہیں ہو جاتی۔

پرندوں کی پرداخت

اے مفضل! پرندوں کے جسم اور ان کی بناوٹ پر غور کرو، چونکہ ان کے لیے یہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ فضائے آسمان میں اڑا کریں، اس لیے ان کے اجسام ہلکے اور سمٹے ہوئے بنائے گئے، چار پیروں کے بدلے صرف دو پیر انہیں دیے گئے اور پانچ انگلیوں کے بدلے صرف چار، اور پیٹ اور پیشاب کے دو سوراخوں کے بدلے صرف ایک سوراخ جو دونوں کام دے سکتا ہے۔ پھر اس کو سینہ تیز (اور باریک) دیا گیا کہ اس طرف کی ہوا کو کاٹ سکے جدھر جانا چاہے جیسا کہ کشتی بنائی جاتی ہے جسے پرندے کی صورت پر بنایا گیا ہے تاکہ پانی کو آسانی کاٹ سکے اور اس پر چل سکے۔

پرندے کے بازوؤں اور دم میں لمبے لمبے مضبوط پر پیدا کیے گئے تاکہ ان کے ذریعے سے اڑنے کے لیے بلند ہو سکے اور تمام بدن پروں سے ڈھانپ دیا گیا، تاکہ اس کے اندر ہوا بھر کر اسے بلند کرے۔ اور چونکہ اس کے لیے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ غذا اس کی دانے اور گوشت سے ہو گی جسے وہ بغیر چبائے صرف نگل جائے۔ تو اس کی خلقت میں سے دانت کم کر دیے گئے اور سخت چونچ ٹٹولنے والی پیدا کی گئی جس سے وہ اپنے کھانے کی چیزوں کو اٹھا سکے، ورنہ وہ دانوں کو اٹھانے سے چھل جاتی، اور نہ گوشت کو نوچنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور چونکہ اس کے دانت نہیں ہیں بلکہ کھڑا دانہ نگل جاتا ہے اور کچا گوشت کھا جاتا ہے اس لیے اس کے پیٹ کے اندر بہت زیادہ حرارت پیدا کی گئی جو اس کی غذا کو خوب گلا دے۔ جس کی وجہ سے چبانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

اسے اس طرح سمجھ لو کہ انگور وغیرہ کے بیج تو آدمی کے پیٹ سے سالم نکل آتے ہیں

Presented by Ziaraat.Com

مگر پرندوں کے پیٹ میں ایسے گل جاتے ہیں کہ ان کا اثر بھی نہیں رہتا۔ (اس سے ثابت ہوا کہ پرندوں کے پیٹ یا پوٹے میں ایسی حرارت ہے جو سخت سے سخت بیج اور دانوں کو بھی گلا دیتی ہے۔)

پھر وہ ایسے بھی بنائے گئے ہیں کہ انڈے ہی دیا کریں، بچے نہ جنیں تا کہ اڑنے میں ان کو گرانی نہ ہو، کیونکہ اگر بچہ اس کے پیٹ میں اتنے دنوں تک ٹھہرتا کہ مضبوط ہو جائے تب پیدا ہوتو اسے بہت گرانی ہوتی، اور اڑنے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی۔ لہٰذا اس کی خلقت اور ساخت کی ہر چیز اسی مناسبت سے پیدا کی گئی ہے جس صورت سے اس کا ہونا مقدر ہو چکا ہے۔

پھر یہ بھی مقدر ہوا کہ یہ فضائے آسمانی میں اڑنے والا پرندہ (جس کی فطرت اڑنے ہی کے لیے بنائی گئی ہے) اپنے انڈوں پر بیٹھے اور ایک یا دو ہفتے یا تین ہفتے تک اپنے پروں کے نیچے رکھے تا کہ بچہ نکلے۔ پھر وہ کیسا اس پر ہمہ تن متوجہ ہوتا اور اسے ہوا بھراتا ہے تا کہ اس کا پوٹہ غذا کے واسطے وسیع ہو جائے۔ پھر اسے پرورش کرتا ہے اور ایسی چیز سے غذا دیتا ہے جس سے وہ زندہ رہ سکے۔

کس نے یہ کام اس کے متعلق کیا کہ پہلے دانے چنے پھر جب اس کے پوٹے کے اندر ٹھہرے تو اسے نکالے اور اس سے اپنے بچے کو بھرائے اور کیوں وہ اس مشقت کا متحمل ہوتا ہے، حالانکہ نہ اس کے لیے غور وفکر کی طاقت دی گئی ہے اور نہ اسے وہ امید ہی ہے جو انسان کو اپنے بچوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً عزت، بخشش اور بقائے نام ونسل وغیرہ۔ یہ ایسا فعل ہے جو گواہی دے رہا ہے کہ کسی خاص ایسے سبب سے خدائے تعالیٰ جل جلالہٗ کی عنایت سے اس کے بچے کے لیے معطوف ہوا ہے (پرورش کا سبب ہوا ہے) جسے وہ پرندہ خود نہیں جان سکتا۔ اور نہ اسے اس کی فکر وغور ہے۔ وہ کیا ہے؟ یعنی وہ دوام وبقائے نسل ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

مرغی کو دیکھو کہ انڈے سینے اور بچے نکالنے کے لیے کیسی بیقرار ہوتی ہے۔ حالانکہ نہ اس کے انڈے یکجا ہوتے ہیں اور نہ اس کا کوئی خاص گھونسلا ہے، بلکہ ابھرتی اور پھولتی اور کڑکڑاتی ہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیتی ہے جب تک کہ اس کے پاس انڈے نہ جمع کر دیے جائیں جنہیں وہ سے سکے اور بچے نکال سکے۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اسی لیے نا، تاکہ اس کی نسل باقی رہے (ورنہ اسے اس قدر کوشش کی کیا ضرورت تھی) اور اگر قدرتاً اس میں یہ بات پیدا نہ کی گئی ہوتی تو کون اس کو نسل کی بقا پر مجبور کرتا؟ حالانکہ نہ اس میں ادراک ہے نہ غور وفکر کی قوت (جس سے وہ سمجھتی کہ مجھے انڈے سینے چاہئیں تاکہ ان سے بچے نکلیں اور میری نسل قائم رہے)۔

انڈے کی ساخت اور اس کے اندر کی بستہ زردی اور رقیق سفیدی پر غور کرو، کہ ایک حصہ تو اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس سے بچہ پیدا ہو اور ایک حصہ اس لیے بنایا کہ اس کی غذا بنے جب تک کہ وہ انڈے سے نکل نہ آئے (زردی سے بچہ بنتا ہے اور سفیدی اس میں جذب ہوتی ہے اور وہی اس کی غذا بنتی ہے۔) دیکھو! کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ از بسکہ اس بچے کی خلقت اس محفوظ چھلکے کے اندر قرار پائے جس میں کوئی بیرونی چیز داخل نہیں ہو سکتی تو اس کی غذا اس کے اندر ہی قرار دی گئی جو اس کے نکلنے کے وقت تک کے لیے کافی ہو سکے۔ کسی شخص کو جب ایسے سخت قید خانے میں بند کرتے ہیں جس میں کوئی جانے نہ پائے۔ تو اس کے پاس اس قدر قوت (خوراک) بھی رکھ دی جاتی ہے جو اس کے قید خانے سے نکلنے کے وقت تک کے لیے کافی۔ (اسی طرح انڈے کے اندر بچے کے لیے غذا کا سامان یعنی انڈے کی سفیدی پیدا کی گئی جو اس میں جذب ہو کر اس کی غذا بنے)۔

پرندے کے پوٹے اور اس حکمت پر غور کرو جو اس میں قائم کی گئی ہے۔ چونکہ سنگ دانے میں غذا کے جانے کا راستہ تنگ ہے تھوڑی تھوڑی کر کے غذا اس میں پہنچتی ہے تو اگر ایسا

Presented by Ziaraat.Com

ہوتا، کہ پرندہ دوسرا دانہ تو چکنے نہ پائے کہ پہلا دانہ سنگدانے میں پہنچ جائے تو اسے بڑی دیر لگتی، اور چونکہ وہ اپنی نہایت ہی دوراندیشی سے جلدی جلدی اپنے کھانے کی چیز کو بھر لیتا ہے تو اس کا پوٹہ ایسا بنایا گیا جیسے توبرہ جو اس کے آگے لٹکا ہوا ہے تاکہ جو کچھ اسے کھانے کے لیے ملے جلدی سے اس میں بھر لے۔ پھر آہستہ آہستہ سنگدانہ (جو خاص ہضم کرنے کے واسطے بنایا گیا ہے) تک پہنچائے۔

پوٹے میں ایک اور بھی فائدہ ہے، وہ یہ کہ بعضے پرندوں کو اپنے بچے بھرانے کی ضرورت ہوتی تو ایسی صورت میں غذا کا بچے کے پوٹے کی طرف قریب سے لوٹا دینا آسان ہوتا ہے۔ (برخلاف اس کے اگر اس کے دانے پیٹ میں جا کر جمع ہوا کرتے پھر بچوں کو بھرانے کے واسطے پیٹ کے اندر سے نکال کر بچے کے منہ میں بھرنا بہت دشوار ہوتا۔ لہٰذا ایسا مقرر ہوا کہ یہ پرندے دانوں کو پوٹے میں بھر لیں اور قریب ہی سے اپنے بچوں کو بھرا سکیں۔)

مفضل کہتے ہیں...... میں نے عرض کی کہ معطلہ فرقے میں سے کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ رنگوں اور شکلوں کا پرندوں میں مختلف ہونا محض عناصر و اخلاط کے امتزاج اور ان کی مقدار کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے۔ کسی نے خاص طور پر ایسا نہیں بنایا ہے۔ (پرندہ مختلف رنگوں کا ہو اور مختلف طرح کی شکلیں ہوں، جیسے مور، چتلے مرغ، تیتر وغیرہ بلکہ ان کے رنگوں کا اختلاف صرف مادے کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے۔)

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہ گلکاریاں جنہیں تم مور اور دُرّاج (تیتر) وغیرہ میں دیکھتے ہو اور یہ تدریجی برابر اور مقابلہ (کہ اگر ایک طرف دو انگل سرخ ہے تو دوسری طرف بھی ایسا ہی ہوگا۔ ایک بازو میں جو رنگین اور جس صفت کا ہے، دوسرے بازو میں بھی اسی نمبر کا پر اسی رنگ اور صفت کا ہوگا۔ جتنا چڑھاؤ، اتار ایک جانب ہے اتنا ہی دوسری جانب بھی ہے۔) جیسے کوئی شخص قلم سے نقشبندی اور مصوری کرتا ہے۔ اسے یہ امتزاج (باہمی امتزاج

Presented by Ziaraat.Com

عناصر) مہمل (بے عقل وشعور) ایسی شکل پر جس میں کچھ اختلاف نہ ہو کیوں کر بنا سکتا ہے۔ اگر یہ رنگینیاں اور گلکاریاں بغیر کسی صانع کے ہوتیں تو ان میں نسبت مساوات نہ رہتی، اور اختلاف ہوتا (حالانکہ ہم کس حسن و دلفریبی کے ساتھ ان رنگ آمیزیوں کو پرندوں میں دیکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مدبر حکیم نے نہایت ہی صناعی اور حکمت سے ان میں ایسے ایسے رنگوں کو رنگ آمیز کیا ہے۔)

پرندے کے پر کو غور سے دیکھو کہ کیوں کر بنا ہے؟

تم اسے ایسا دیکھو گے جیسے کپڑا باریک تیلیوں سے بنا جاتا ہے اسی طرح بنے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے، جیسے ایک ڈورا دوسرے ڈورے سے اور ایک بال دوسرے بال سے۔

پھر تم اس بناوٹ کو دیکھو کہ جب تم اسے کھولو تو تھوڑا کھل جاتا ہے، اور پھٹ نہیں جاتا، تاکہ اس میں ہوا بھر سکے اور جب وہ اڑنا چاہے اُڑ سکے۔

اور پر کے بیچ میں تم ایک مضبوط موٹی سینک (سلائی) دیکھو گے جس پر بالوں کے مانند ایک چیز بُنی گئی ہے تاکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے اسے تھامے رہے اور وہ سینک پر کے اندر ایک سوراخ دار چیز اور کھوکھلی ہے تاکہ پرندے کو بار نہ ہو، اس کو اڑنے سے روک نہ سکے۔

کیا تم نے اس لمبی ٹانگوں والے پرندے کو بھی دیکھا ہے اور یہ بھی سمجھے ہو کہ اس کی ساقیں (پنڈلیاں) لمبی ہونے سے کیا فائدہ ہے؟ اکثر یہ پرندہ پانی کی کم گہرائی کے مقام پر ہوتا ہے۔ تم اسے دیکھتے ہو گے کہ اپنی لمبی لمبی ساقوں سے گویا ایک مقام پر بیٹھ کر نگہبانی کر رہا ہے اور وہ غور کرتا رہتا ہے کہ اپنی میں کیا چیز چلی۔ پس جب کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کی غذا کے قابل ہے تو آہستہ آہستہ چند قدم چل کر اسے پکڑ لیتا ہے اور اگر اس کی ساقیں چھوٹی ہوتیں اور پھر شکار کی طرف اس کے پکڑنے کے لیے چلتا تو اس کا پیٹ پانی سے مل جاتا اور پھول جاتا

Presented by Ziaraat.Com

تو وہ اس سے خوف کھا کر الگ ہو جاتا۔ لہٰذا اس کے لیے یہ دو عمود بنائے گئے کہ اپنی ضرورت پوری کر سکے اور اس کے مطلب میں کچھ خرابی نہ پڑے۔

پرندے کی خلقت میں جو کئی طرح کی حکمتیں صرف کی گئی ہیں ان پر غور کرو۔ تم ہر لمبی ساقوں (پنڈلیوں) والے پرندے کو دیکھو گے کہ اس کی گردن بھی لمبی ہوتی ہے۔ یہ اس غرض سے کہ زمین سے اپنی غذا اٹھا سکے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمبی گردن کے بدلے لمبی سی چونچ بنا دی جاتی ہے تا کہ اس سے مزید سہولت ہو جائے۔

کیا تم ایسا نہیں دیکھتے کہ مخلوقات میں سے جس چیز کو تلاش کرو اسے نہایت ٹھیک و درست اور حکمت کے ساتھ پاؤ گے (ضرور ایسا ہی ہے۔ مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں معلوم ہوتی جس میں انواع و اقسام کی حکمتیں نہ صرف کی گئی ہوں اور جو بالکل اس شے کے مناسب ہی نہ ہوں۔)

پرندوں کی خوراک

ان جڑی بوٹیوں کو دیکھو جنہیں یہ پرندے دن میں تلاش کرتے ہیں۔ نہ تو ایسا ہوتا ہے کہ انہیں مل ہی سکیں اور نہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک ہی جگہ رکھی ہوئی دستیاب ہو جائیں، بلکہ تلاش کرنے اور چلنے پھرنے سے دستیاب ہوتی ہیں۔ یہی حالت دوسری مخلوقات کی بھی ہے۔

سبحان اللہ۔ وہی قابل تسبیح و تقدیس ہے جس نے روزی معین کی۔ کس کس طرح سے ان کو قوت (روزی) پہنچائی اور ایسا نہ کیا کہ یہ اس پر قادر بھی نہ ہو سکے۔ کیونکہ خلقت کو اس کی احتیاط ہے اور نہ ایسا بنایا کہ عام طور پر ہر جگہ آسانی سے مل جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی بہتری نہیں ہے اس لیے کہ اگر غذا اکٹھی ایک ہی جگہ مل جایا کرتی تو بہائم اسی میں لوٹا کرتے اور وہاں سے جدا ہی نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ بدہضمی پیدا ہو جاتی اور پھر مر جاتے اور انسان بھی فراغت و اطمینان کی وجہ سے نہایت کبر و نخوت میں پڑ جاتے تو بہت سے فسادات پیدا

Presented by Ziaraat.Com

ہوتے اور فواحش میں اضافہ ہونے لگتا۔ اس لیے ایسا بنایا گیا کہ اشیائے غذا ہر قسم کے جانداروں کی متفرق مقامات سے حاصل ہوں تاکہ ان کی تلاش میں ان جانداروں کی ورزش بھی ہوتی رہے حرکت کی وجہ سے ان کی غذا بھی ہضم ہو جائے۔ فکر و خیال کی وجہ سے ان کو نخوت کا بھی موقع نہ ملے۔

تم کچھ جانتے ہو کہ وہ پرندے جو صرف رات ہی کو نکلا کرتے ہیں جیسے اُلو، کیڑے مکوڑے اور چمگادڑ وغیرہ، ان کی خوراک کیا ہے؟

مفضل کہتے ہیں میں نے عرض کیا ''مولا! مجھے معلوم نہیں۔''

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا...... ان حیوانات کی خوراک وہ انواع و اقسام کے کیڑے ہیں جو اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں مثلاً مچھر، پروانے اور ٹڈیوں کی صورت کے پتنگے اور مکڑیاں وغیرہ۔ یہ تمام جانور فضائے آسمان میں پھیلے رہتے ہیں۔ کوئی مقام ان سے خالی نہیں رہتا۔

اسے اس طرح سمجھ لو کہ جب تم رات کو کسی چھت پر یا صحن خانہ میں چراغ روشن کرتے ہو تو اس قسم کے بہت سے کیڑے اس پر جمع ہو جاتے ہیں یہ سب کہاں سے آتے ہیں۔ قریب ہی سے تو آتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جنگلوں اور میدانوں سے آتے ہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اسی وقت اتنی دور سے کیوں کر آ پہنچتے ہیں اور اتنے فاصلے سے چراغ کو کیسے دیکھتے ہیں جو کسی ایسے مکان میں روشن کیا گیا ہے جس کے اطراف اور بہت سے مکانات ہیں۔ بایں ہمہ یہ تو ایک چشم دید بات ہے کہ یہ کیڑے قریب ہی سے چراغ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کے سب فضائے آسمانی کے ہر مقام میں پھیلے ہوئے ہیں اور شب کے نکلنے والے پرندے جب نکلتے ہیں تو انہیں پکڑ پکڑ کے اپنی غذا بناتے ہیں۔

دیکھو ان پرندوں کے لیے اس قسم کے فضا میں پھیلے ہوئے کیڑے مکوڑوں سے

Presented by Ziaraat.Com

کیوں کر روزی پہنچانے کا راستہ نکالا گیا ہے۔

بعض حیوانات کی خِلقت کی حکمتیں

اسی کے ساتھ ساتھ ان حیوانات کے پیدا ہونے کی غرض بھی سمجھو! شاید کوئی خیال کرنے والا یہ خیال کرے کہ یہ فضول پیدا ہوئے ہیں ان سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔

چمگادڑ (خفاش) کو تو ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کیا ہے جو پرندے اور چوپائے کے بَین بَین ہے، بلکہ چوپاؤں سے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ اس کے دو کان اوپر کو نکلے ہوئے ہیں۔ دانت ہیں، باریک رونگٹے ہیں، بچے جنتا ہے، دودھ پلاتا ہے۔ بول و براز کرتا ہے۔ جب چلنا چاہتا ہے چاروں پیروں سے چلتا ہے۔ یہ سب صفتیں پرندے کے برخلاف ہیں۔ پھر یہ شب ہی کو نکلتا ہے اور ان کیڑوں اور پتنگوں کو اپنی غذا بناتا ہے جو فضائے آسمانی میں منتشر ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چمگادڑ تو کچھ کھاتی ہی نہیں۔ اس کی غذا صرف ٹھنڈی ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات دو وجوہات سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ اس سے پیشاب، پائخانہ نکلتا ہے۔ یہ بات بغیر غذا کے ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس کے دانت ہیں۔ اگر یہ کچھ نہ کھاتا ہوتا، تو دانت اس کے بالکل بیکار تھے۔ حالانکہ خلقت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

اس جانور (چمگادڑ) کے وجود کے فائدے تو مشہور ہی ہیں۔ اس کی بیٹ بعض عملی چیزوں میں داخل کی جاتی ہے اور بڑی غرض تو اس کی وہ عجیب وغریب ساخت اور خلقت اور اپنی مصلحت اور فائدے کے لیے اس کا آنا جانا۔ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے۔ جو خالق جل شانہٗ کی قدرت کو بتا رہی ہے۔

اور وہ پرندہ جسے ابن تمرہ (غالبًا اس سے مراد وہ پرندہ ہے جسے ہندوستان میں پیا کہتے ہیں)۔ کبھی کبھی درختوں پر آشیانہ بناتا ہے۔ جب کسی بڑے سانپ کو دیکھتا ہے کہ اس

Presented by Ziaraat.Com

کے گھونسلے کی طرف متوجہ ہوا، اور اس کو نگل جانے کے لیے اپنا منہ کھولا۔ تو نہایت بےچین ہوتا ہے اور کوئی تدبیر بچنے کی کرتا ہے تو وہ جلدی سے اڑ کر حسکہ (خار خشک جسے گوکھرو کہتے ہیں) اٹھا لاتا ہے اور سانپ کے منہ میں اوپر سے ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے سانپ لوٹنے لگتا ہے اور بالآخر اس کی تکلیف سے مر جاتا ہے۔

اگر میں تم سے یہ بات نہ بیان کرتا تو کیا تمہارے یا کسی اور کے دل میں اس کا خیال بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ حسکہ (پیا) میں یہ بڑی منفعت ہے یا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ کسی چھوٹے یا بڑے پرندے کو یہ تدبیر سوجھ سکتی ہے۔

اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور اسی طرح بہت سی چیزیں ہیں جن میں غیر معلوم فوائد ہیں جو بغیر کسی نئے واقعے کے جو بیان کیا جائے یا کسی خبر کو جو سُنی جائے معلوم نہیں ہو سکتے۔

شہد کی مکھی کو دیکھو اور غور سے شہد کے بنانے پر ان کی اجتماعی کوشش سے جمع ہونے اور چھ پہلوؤں کا گھر بنانے پر تفکر کرو، اور یہ کہ اس میں فطانت (ذہانت) کی کیا کیا باریکیاں ہیں؟ جب تم اس کے کام پر غور کرو گے تو تمہیں نہایت ہی عجیب ولطیف معلوم ہوگا۔ اور جب ان کی بنائی ہوئی چیز کو دیکھو گے تو بہت ہی قابلِ عظمت پاؤ گے۔ جو آدمیوں کے لیے کیسی اچھی ذائقہ دار صحت بخش مصرف کی چیز ہے۔

اور جب اس کام کے کرنے والے کہ جس نے ایسا باقاعدہ مکان بنایا اور جس نے پھولوں کے عرق سے شہد تیار کیا اور موم بنایا۔ یعنی شہد کی مکھی کو دیکھو گے تو اسے نہایت ہی غبی (ناسمجھ) پاؤ گے جو اپنے تئیں بھی نہیں سمجھ سکتی، چہ جائیکہ اور چیزیں۔

پس اس میں صاف اور کھلی ہوئی دلیل اس بات کی موجود ہے کہ اس کی صنعت کی یہ درستی اور حکمت اس مکھی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی حکمت ہے جس نے انہیں اس فطرت

Presented by Ziaraat.Com

پر پیدا کیا ہے اور آدمیوں کی مصلحت کے لیے اس کام پر اسے مجبور کر دیا ہے (تاکہ وہ شہد بنایا کرے جس سے انسان فائدہ اٹھائے اسے اپنے علاج میں صرف کر سکے۔ اس کے ذائقہ سے محظوظ ہو سکے۔)

اس ٹڈی کی خلقت اور ساخت دیکھو گے تو کمزور پاؤ گے لیکن قوی بھی ہے۔ اور اگر اس کا لشکر کسی مقام پر آ پڑے تو اسے نہایت قوی و طاقتور پاؤ گے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روئے زمین کے بادشاہوں میں سے اگر کوئی بادشاہ اپنے لشکر کو ٹڈیوں کے لشکر سے بچانے کے لیے جمع کرے تو وہ اس پر قادر نہ ہو گا۔

کیا یہ بات خالق کی قدرت پر دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنی کمزور ترین مخلوقات کو قوی ترین مخلوقات پر بھیج دے اور وہ اس کے دفعیہ پر قادر نہ ہو۔ اسے دیکھو! کہ روئے زمین پر کیسے سیلاب کی طرح آ پڑتی ہے اور کوہ و صحرا، میدان و شہر سب کو گھیر لیتی ہے یہاں تک کہ اس کی کثرت سے آفتاب کی روشنی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔

بتاؤ کہ اگر یہ ٹڈیاں ہاتھ سے بنائی جاتیں تو کب اس کثرت سے جمع ہو سکتی تھیں اور کتنے برس اس کے لیے درکار ہوتے اور ایسی بن بھی نہ سکتی تھیں۔ اس سے پروردگار نے اپنی قدرت کا ثبوت دیا ہے جس قدرت کو کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اسے کوئی چیز زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مچھلی کی خلقت اور ان مناسبتوں کو دیکھو کہ جس حالت پر اس کا ہونا اور رہنا مقدر ہو چکا ہے، کس طرح اس میں موجود ہیں۔

(۱) اُسے ٹانگیں نہیں دی گئیں، کیونکہ اس کو چلنے کی ضرورت نہ تھی اس کا مسکن پانی قرار دیا گیا۔ (۲) اس کے پھیپھڑے نہیں پیدا کیے گئے کیونکہ اسے سانس لینا ممکن نہیں۔ (اگر سانس لیتی تو پیٹ میں اس کے پانی بھر جایا کرتا اور مر جاتی۔) جبکہ وہ سمندر میں

Presented by Ziaraat.Com

ڈوبی ہوئی ہے۔ (۳) اسے ٹانگوں کے بدلے سخت ترین پر دیے گئے جن سے وہ دونوں طرف پانی کو کاٹتی جاتی ہے۔ جیسے ملاح چپوؤں سے کشتی کے دونوں طرف پانی کاٹتا ہے۔ (۴) اس کے جسم کو موٹے چھلکوں کا لباس پہنایا گیا جو ایک دوسرے کے اندر داخل ہیں جیسے زرہ یا جوشن کی کڑیاں، تاکہ اپنے تئیں آفتوں سے بچا سکے۔ ۵ اسے قوت شامہ بہت ہی زیادہ دی گئی۔ اس لیے کہ نظر اس کی کمزور ہے اور پانی اسے روکتا ہے تو کھانے کی چیز کو دور سے سونگھ لیتی ہے اور پھر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے ورنہ کیوں کر اسے محسوس کر سکتی (کہ کھانے کی چیز کیا ہے اور کہاں ہے؟) ۶ اور (یہ بھی) جان لو، کہ اس کے دہانے سے لے کر دونوں کانوں تک سوراخ بنائے گئے ہیں۔ منہ سے تو پانی پیتی اور اس راہ سے نکال دیتی ہے اور اس طرح روح کی ترویح و آسائش کرتی ہے جیسے دیگر حیوانات ٹھنڈی ہوائے صبح سے ترویح روح حاصل کرتے ہیں۔

اب اس کی نسل کی زیادتی کو اور اس کی خصوصیت کو سمجھو اور غور کرو۔ تم ایک مچھلی کے پیٹ میں اتنے انڈے پاؤ گے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دیگر جانوروں کی غذا میں اس کی وجہ سے زیادتی ہو جائے کیونکہ اکثر حیوانات مچھلیوں ہی کو کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ درندے بھی جھاڑیوں کے اندر پانی کے کنارے مچھلیوں کی گھات میں بیٹھے رہتے ہیں جیسے ہی کوئی مچھلی ان کے قریب سے گزرتی ہے تو یہ فوراً اُچک لیتے ہیں۔

پس چونکہ درندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں اور پرندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں اور آدمی بھی اس کو اپنی غذا بناتا ہے، خود مچھلیاں بھی مچھلیوں کو کھاتی ہیں۔ (بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں) تو اس میں حکمت یہی ہے کہ جس کثرت سے اب ہیں اسی قدر آئندہ ہوں۔

پھر اگر تم کو خالق عالم کی وسعت، حکمت اور مخلوقین کے کمی علم کو جاننا مقصود ہو تو

Presented by Ziaraat.Com

سمندر کے ان انواع واقسام کی مچھلیوں، آبی حیوانات، سیپ اور دوسرے جانوروں کو دیکھو جن کا شمار نہیں ہو سکتا ہے اور نہ جن کے فائدے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر یکے بعد دیگرے جنہیں انسان ان ذریعوں سے معلوم کرتا ہے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً قُرمُز ہے کہ اس کے رنگ کو لوگوں نے یوں جانا کہ ایک مادہ کتیا دریا کے کنارے دوڑ رہی تھی اسے ایک چیز ملی جسے حلزون (یہ ایک کیڑا ہے جو اونٹوں کی چراگاہ میں ہوتا ہے اور رنگ دیتا ہے) کہتے ہیں، تو اس کو کھا لیا۔ اس سے اس کا دہانہ رنگین ہو گیا۔ لوگوں کو جو یہ اچھا سا رنگ معلوم ہوا تو قرمز (جھاؤ کا کیڑا ہے جس سے ریشم کو رنگتے ہیں) کو رنگ بنا لیا اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں، جسے لوگ وقتاً فوقتاً معلوم کرتے ہیں۔ (اور بہت سی ایسی ہی چیزیں ہیں، جو اب تک معلوم ہی نہیں ہوئی ہیں)۔

مفضل کہتے ہیں ...... اتنے میں زوال کا وقت قریب آ گیا اور مولیٰ، نماز کے لیے اٹھے اور فرمایا: ''کل سویرے صبح کو انشاءاللہ تعالیٰ آنا۔

میں وہاں سے واپس آیا، اور ان علوم کی وجہ سے جو حضرت نے مجھے تعلیم فرمائے تھے بے انتہا خوش تھا، آپؑ کے اس عطیہ پر نہایت مسرور اور خدا کے اس انعام پر شکر کرتا تھا، اور وہ شب بہت ہی خوشی میں بسر کی۔

Presented by Ziaraat.Com

تیسری نشست

جب تیسرا دن ہوا، تو صبح سویرے ہی میں اپنے مولیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے لیے اجازت مانگی گئی، میں داخل بیت الشرف ہوا۔ آپؑ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا میں بیٹھ گیا۔ پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا:

الحمد للّٰه الّذی اصطفانا ولم یصطف علینا اصطفانا بعلمہ
و ایّدنا بحلمہ من شذّعنّا فالنّار ماواہ و من تفیأ بظل
دوحتنا فالجنّة مثواہ

اے مفضل! میں نے تمہارے سامنے انسان کی خلقت اور جس خدا نے اس کی اصلاح و تدبیر فرمائی ہے اور اس کے حالات کا متغیر ہونا اور جو اس میں عبرت ہے مفصّل بیان کر دی اور حیوانات کے حالات کی بھی تشریح کر دی اب میں سما (بظاہر اس سے بلندیٔ آسمان اور اس کی فضا مراد ہے)۔ آفتاب، چاند، ستارے، افلاک (حرکت کرنے والے آسمان) رات، دن، گرمی، سردی، ہوائیں، عناصر اربعہ (مٹی، پانی، ہوا، آگ) بارش، بڑے بڑے پتھر، پہاڑ، چھوٹے پتھر، کیچڑ، معدنیات، نباتات، درخت خرما اور عام درختوں کا ذکر کرتا ہوں، اور یہ کہ ان میں کیا کیا دلیلیں اور عبرتیں ہیں۔

آسمان کے بارے میں

سماء (بلندی و فضائے آسمان) کے رنگ کو دیکھو! کہ اس میں کیا بہترین تدبیر ہے؟ کیونکہ یہ رنگ نظر کے لیے تمام رنگوں کی بہ نسبت زیادہ مناسب اور مقوی ہے۔ یہاں تک کہ اطباء بھی اس شخص کے لیے جس کی آنکھ میں کوئی بیماری ہوگئی ہو سبزی کی طرف برابر دیکھنا، یا جو اس سے قریب قریب مائل بہ سیاہی ہو تجویز کرتے ہیں اور حاذق حکیم اس کے

Presented by Ziaraat.Com

لیے جس کی نظر کمزور ہوگئی ہو۔ ایسے لگن میں دیکھا کرنا بتاتے ہیں جس کا رنگ سبز ہو اور اس میں پانی بھرا ہوا ہو۔

تو دیکھو! کہ اللہ جل وتعالیٰ نے آسمان[1] سبز رنگ کا کیوں کر بنایا ہے جو مائل بہ سیاہی ہے۔ تاکہ ان نگاہوں کو روکے جو اس پر بار بار پڑتی ہیں اور دیر تک دیکھنے سے ان میں خرابی (یا کوئی خراش) نہ ڈالے پس یہی ایک چیز ہے جس کو لوگوں نے فکر وغور اور تجربوں سے حاصل کیا ہے۔ (یعنی یہ کہ آشوب چشم والے کو سبز رنگ کی طرف دیکھنا چاہیے) وہ خدائی حکمت بالغہ کے ذریعے سے اس کی خلقت میں منزوع عنہ (یعنی مخالف خلقت مخلوق نہیں) پائی جاتی ہے۔ جن میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی، بلکہ پہلے ہی سے انسان وغیرہ کی ضرورت کے لیے مہیا کر دیا گیا ہے۔ تاکہ عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں،اور ملحدین اس میں غور کریں۔ اللہ ان کو قتل کرے۔ یہ کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔ (قاتل هم الله ان يوفكون)

مفضل! رات اور دن کے قائم کرنے کے لیے آفتاب کے طلوع اور غروب کرنے کی بابت غور کرو۔

پس اگر اس کا طلوع نہ ہوتا تو تمام عالم کا کام بھی تباہ وبرباد ہو جاتا۔ نہ تو لوگ اپنے معاش کی کوشش کر سکتے تھے اور نہ اپنے دوسرے کام کر سکتے تھے، جبکہ تمام دنیا ان کی نگاہ میں تیرہ وتاریک ہوتی اور روشنی کی لذت اور راحت نہ پانے کی وجہ سے ان کی زندگی بھی بامزہ و خوشگوار نہ ہوتی۔

اس کے طلوع کے اغراض تو خیر اس قدر واضح ہیں کہ اس کے بیان میں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کے غروب کے فوائد پر غور کرو۔

---

[1] حدیث میں لفظ سما ہے جس سے میں فضائے آسمان اور اس کی بلندی سمجھتا ہوں کیونکہ مقابلہ میں اس کے معصوم نے فلک فرمایا ہے جس سے خاص گردش کرنے والا آسمان مراد ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

پس اگر وہ غروب نہ ہوتا، تو آدمیوں کو آرام وقرار ہی نہ ملتا، باوجود اس کے ان کو اپنے بدن کو راحت پہنچانے اور اپنے حواس کو مجتمع کرنے اور ہضم طعام کے لیے قوت ہاضمہ کو ابھارنے اور غذا کو اعضاء کے اندر اثر ونفوذ کرانے کے لیے بڑی سخت ضرورت سکون و آرام لینے کی ہے۔

پھر (اگر غروب آفتاب نہ ہوتا اور رات نہ آتی برابر دن ہی رہتا تو) ان کا حرص ان سے برابر اس قدر کام لیتا کہ جس سے ان کے جسم میں سخت خرابی پیدا ہوتی۔ کیونکہ اکثر آدمی اس قسم کے ہیں کہ اگر یہ رات ان پر اپنی تاریکی نہ ڈالے تو کسب معاش اور جمع مال اور خزانہ کرنے کی حرص کی وجہ سے بالکل آرام وقرار ہی نہ لیں۔

پھر یہ بھی ہوتا کہ برابر آفتاب کے روشن رہنے کی وجہ سے تمام زمین تپتی رہتی اور جو حیوانات یا نباتات کہ اس پر ہیں وہ بھی ہر وقت جلتے رہتے (اور اس سبب سے تمام حیوانات و نباتات کو سخت نقصان پہنچتا) لہٰذا اس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت و تدبیر سے یہ مقدر کر دیا کہ ایک وقت غروب کرے اور ایک وقت طلوع کرے۔ جیسے، چراغ مکان والوں کے لیے ایک وقت میں ضرورتوں کے رفع کرنے کے لیے روشن کر دیا جاتا ہے اور اسی طرح پھر ان سے غائب ہو جاتا یعنی بجھا دیا جاتا ہے) تاکہ انہیں سکون وقرار ملے۔ تو باوجودیکہ نور اور ظلمت دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پھر بھی ان امور کے لیے جن میں اصلاح و درستی عالم ہے کس قدر مطیع و معین ہیں۔ (اس میں مانویہ فرقہ کی رد ہے، جو کہتا ہے کہ تاریکی محض شر ہے اس میں کوئی خیر وخوبی نہیں۔ حالانکہ ظلمت یعنی تاریکی میں اتنے فوائد ہیں جو اوپر بیان فرمائے گئے ہیں)۔

پھر سال کے چاروں زمانوں (گرمی، سردی، بہار، خزاں) کے قائم کرنے کے لیے آفتاب کے بلند ہونے اور نیچے کی طرف جھکنے پر غور کرو کہ اس میں کیا تدبیر و مصلحت ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

(آفتاب کے بلند ہونے سے مطلب اس کا خط استواء سے جانب شمال آنا اور انحطاط سے مطلب جانب جنوب چلا جانا ہے جو نظام بطلیموسی سے اور نیز ارصادات کواکب سے ثابت ہے کہ آفتاب کی براہ مدارات یومیہ جانب جنوب وشمال حرکت ہوتی رہتی ہے۔ اسی سے اعتدال ربیعی، اعتدال خریفی، انقلاب صیفی، انقلاب شتوی پیدا ہوتے ہیں (یعنی بہار، خزاں، سردی و گرمی پیدا ہوتی ہیں)۔

جس زمانے میں اس کا رجحان جانب شمال ہوتا ہے تو شمالی ملکوں میں گرمی ہوتی ہے اور جب جانب جنوب چلاتا ہے تو شمالی حصوں میں سردی ہوتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس، اس کے برعکس جنوبی ملکوں میں ہے۔ انہیں دو زمانوں کے درمیانی رفتار آفتاب میں فصل ربیع و فصل خریف ہوتی ہے۔)

جاڑے میں درخت اور دیگر نباتات میں حرارت عود کر آتی ہے اور ان میں پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں (اس وجہ سے کہ سردی کی وجہ سے مسامات ہر شے کے بند ہو جاتے ہیں اور حرارت اس کے اندر ہی جمع رہتی ہے۔ یہی وہ اصل حرارت اس کی ہوتی ہے جو پھلوں کے مادوں کو تیار کرتی ہے۔ اگر سردی سے حرارت کا جمع ہونا مثال سے سمجھنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ اس زمانے میں کنوؤں کا پانی گرم ہوتا ہے اس لیے کہ زمین کی حرارت باہر نہیں نکل سکتی۔ اس کے مسامات بند ہو جاتے ہیں۔

برخلاف اس کے گرمیوں میں کنوؤں کا پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس لیے کہ حرارت بہ سبب مسامات کے کھلے رہنے کے نکلتی رہتی ہے۔

اور ہوا میں کثافت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ابر اور بارش پیدا ہوتے ہیں، اسی فصل میں حیوانات کے بدن قوی اور مضبوط ہوتے ہیں۔

فصل ربیع میں بھی حرارت (طبیعی) حرکت میں آتی ہے اور اس مادے کا ظہور ہوتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے جو سردی کے موسم میں پیدا ہوا ہے۔ اس سے نباتات میں خوشے لگتے ہیں۔ درختوں میں پھل آتے ہیں۔ حیوانات کو ہیجان شہوت ہوتا ہے۔

گرمی میں ہوا گرم ہو جاتی ہے جس سے پھل پختہ ہوتے ہیں اور جسم کی رطوبات فعلیہ تحلیل ہوتی ہیں۔ زمین خشک ہو کر عمارت بنانے اور نیز دوسرے کاموں کے قابل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا، خریف کے زمانے میں ہوا صاف ہو جاتی ہے۔ امراض دفع ہو جاتے ہیں۔ بدن صحیح ہو جاتے اور رات طولانی ہو جاتی ہے۔ اس میں بعض بعض کام (اطمینان کے ساتھ) اس کے طولانی ہونے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔

اس فصل میں اور مصلحتوں کے لیے بھی ہوا بہت اچھی ہوتی ہے۔ اگر میں ان سب کا ذکر کروں تو طول کلام ہو جائے گا۔

اب سال کا دور قائم کرنے کے لیے آفتاب کے بارہ برجوں میں منتقل ہوتے رہنے پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ اس میں کیا حکمت ہے؟

یہ وہی دور ہے جس سے سال کے چاروں زمانے، جاڑا، ربیع، گرمی اور خریف بنتے ہیں اور یہی دوران چاروں زمانوں کو پورا کرتا ہے۔ آفتاب کے اس قدر دورے اور گردش میں غلے اور پھل تیار ہوتے ہیں اور انسان کی غرض و غایت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ عود کرتے اور نشو و نما شروع کرتے ہیں۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ برج حمل سے برج حمل تک آفتاب کے چلنے کی مقدار کا نام سال ہے۔ پس سال اور ایسی ہی چیزوں (مہینوں اور ہفتوں وغیرہ) سے زمانے کا شمار و پیمانہ اس وقت سے ہے جب سے خدائے تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا ہے۔ گزشتہ ہر زمانے اور ہر عصر میں بھی یہی ہوتا رہا ہے اس سے لوگ عمروں اور قرض و اجارہ اور دیگر معاملات وغیرہ

Presented by Ziaraat.Com

کاموں کی معین مدتوں کا حساب لگاتے ہیں۔ دور آفتاب ہی کی رفتار سے سال پورا ہوتا اور زمانے کا حساب صحت کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

دیکھو کہ آفتاب کس طرح عالم پر اپنی روشنی ڈالتا ہے اور کس حکمت سے ایسا ہونا اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ پس اگر آسمان کے صرف ایک مقام پر آفتاب روشن رہتا، وہیں ٹھہرا رہتا، وہاں سے حرکت نہ کرتا، تو اس کی شعاعوں اور اس کا فائدہ اکثر سمتوں میں نہ پہنچتا، اس لیے کہ پہاڑ اور دیواریں اس سے مانع ہوتیں۔ لہٰذا ایسا بنایا گیا کہ دن کے پہلے حصے میں مشرق سے طلوع کرے اور اپنے سامنے والی مغرب کی تمام چیزوں پر روشنی ڈالے۔ پھر برابر گردش کرتا رہے اور ایک سمت کے بعد دوسری سمت پر پھیلتا رہے۔ یہاں تک کہ جب مغرب میں پہنچ جائے تو ان تمام چیزوں پر روشنی ڈالے جن پر اس کی تابش دن کے اول حصے میں نہیں پہنچی ہے، تاکہ کوئی ایسا مقام باقی نہ رہ جائے جو فائدے کا ایک حصہ اور وہ غرض نہ حاصل کرے۔ جس کے لیے ایسا کیا گیا ہے (یعنی اس قسم کی گردش آفتاب بنائی گئی ہے) اور اگر ایک سال تک یا سال کے کچھ ہی حصے میں اس کے برخلاف ہو جائے تو بتاؤ بھلا آدمیوں کا کیا حال ہو۔ بلکہ اس صورت میں وہ زندہ ہی کیوں کر رہیں۔ کیا انسان ایسی بڑی بڑی باتوں کو دیکھتا نہیں جن میں اس کی کوئی تدبیر نہ چل سکتی تھی وہ خود اپنے قانون وقواعد پر جاری ہو گئے نہ سستی کرتے ہیں اور نہ اپنی اوقات معینہ سے جو نظام و بقائے عالم کے لیے ضروری ہے پیچھے رہ جاتے بلکہ جس طرح کی ضرورت نظام عالم کے قائم رکھنے کے لیے پڑتی ہے اس کو وہ باقاعدہ جاری کی ہوئی چیزیں انجام دیتی رہتی جیسے یہی حرکت آفتاب ہے کہ اس سے کس طرح باقاعدہ نظام عالم قائم ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ خود بخود یہ انتظام ہو گیا ہو۔ کیا آفتاب کے مادے یا صورت میں یہ ادراک ہے جو ایسا کرے؟ کیا آفتاب کو زمین کی چیزوں سے کوئی رشتہ ہے جو اسے نباتات وحیوانات کے فائدہ رسانی کے لیے آمادہ کرتا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کسی

Presented by Ziaraat.Com

اور مدبر نے جس نے زمین کی چیزوں کو پیدا کیا اور جن کی مصلحت آفتاب کی حرکت اور اس کی روشنی کے اثر پر قرار دی ہے اسی نے اس آفتاب کو بھی پیدا کیا اور اس کو باقاعدہ گردش کرنے والا بنایا تاکہ نظام اشیائے نباتی وحیوانی و جمادی قائم رہے۔

''فتبارك الله احسن الخالقين''

چاند کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے چاند کے ذریعے سے (بڑا) ثبوت پیش کیا ہے۔ اس میں ایک بڑی رہنمائی ہے۔ عام خلائق اس کو مہینے کے شمار میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مطابق سال کا حساب درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا دورہ نہ تو چاروں فصلوں کو پورا کرتا ہے نہ پھلوں کے پیدا ہونے اور ان کی پختگی کو (پورا کرتا) ہے اسی وجہ سے قمری مہینے اور سال شمسی مہینوں اور سال سے مختلف ہوتے ہیں۔ چونکہ قمری مہینے بدلتے رہتے ہیں، تو کبھی وہی ایک مہینہ گرمی میں واقع ہوتا ہے اور کبھی سردی میں (مثلاً کبھی، رجب کا مہینہ جو قمری حساب سے ہے، جنوری میں واقع ہوتا ہے جو شمسی مہینہ ہے اور کبھی مارچ میں علیٰ ہذا القیاس اور مہینوں کا حال ہے۔ یا مثلاً محرم ہی ہے کہ کبھی گرمیوں میں واقع ہوتا ہے، کبھی برسات میں کبھی جاڑوں میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری اور شمسی مہینے بدلتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے مطابق اور حساب میں برابر نہیں ہیں)

اسی بات پر غور کرو کہ یہ (چاند) شب کے وقت کیوں روشن ہوتا ہے اور اس میں حکمت کیا ہے؟

جانداروں کے سکون و قرار اور نباتات کو برودت پہنچانے کے لیے تاریکی کی ضرورت ہے پھر بھی اس میں (کوئی) خوبی نہ تھی کہ رات بالکل ہی گھپ اندھیری ہو، روشنی بالکل نہ ہو کہ کوئی کام بھی اس میں ممکن نہ ہو، اس لیے کہ اکثر رات کے وقت بھی آدمیوں کو کام

Presented by Ziaraat.Com

کرنے کی اس وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ بعض کاموں کے لیے دن کا وقت تنگ ہوتا ہے یا گرمی کی شدت وافراط کے سبب سے (دن کو آدمی کام نہیں کرسکتا)۔ تو وہ چاند کی روشنی میں بھی کام کرتا ہے۔ جیسے زراعت، دودھ دوہنا، لکڑی کاٹنا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا چاند کی روشنی اس لیے بنائی گئی ہے کہ آدمیوں کے کسب معاش میں معین و مددگار ہو۔ جب بھی اس کی ضرورت پڑے اور راہ گیروں کو چلنے میں دلچسپی رہے اور اس کا طلوع رات کے کسی حصے میں قرار دیا گیا (نہ برابر تمام رات میں) اور آفتاب کی روشنی سے اس کی روشنی کم رکھی گئی۔ اس لیے کہ لوگ اسی طرح کام نہ کرنے لگیں۔ جیسے دن میں کام کرتے ہیں اور آرام ہی نہ لیں۔ تو پھر بیمار ہو کر مر جائیں (یعنی اگر چاند کی روشنی بھی تمام رات قائم رہا کرتی اور اس کی تیزی بھی آفتاب کے مثل ہوتی تو حریص آدمی شب کے وقت آرام نہ کرتے بلکہ اسی طرح کام کاج میں مصروف رہتے جیسے دن کو مصروف کار رہتے ہیں)۔

پس چونکہ ایسا ہونا نظام عالم کے لیے مفید نہ تھا، اس لیے اس کی روشنی مدھم بنائی گئی اور ایسا مقرر ہوا کہ تمام رات نہ روشن رہا کرے، تاکہ انتظام عالم میں خلل نہ پڑے۔

چاند کے تغیرات میں جو رویت ہلال کے وقت، نیز گھٹنے بڑھنے اور گہن لگنے سے ہوتے ہیں خاص کر اس امر کی تنبیہ ہے کہ کسی باقدرت خالق نے یہ تغیرات اس میں صلاح عالم کے واسطے مقرر کیے ہیں جن سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ (یعنی غور کرنے والے ان تغیرات سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آخر چاند میں کمی زیادتی، گہن وغیرہ کیوں رونما ہوتے ہیں۔ اس میں بھی کسی خاص مدبر کی حکمت ہے جس نے نظام عالم کے واسطے ایسا کیا ہے۔)

ستاروں کے بارے میں

مفضل! (ذرا) ستاروں اور ان کے اختلاف رفتار پر غور کرو۔ بعضے تو ایسے ہیں جو

Presented by Ziaraat.Com

اپنے مرکز و مقام سے جو آسمان میں ان کے لیے مقرر ہے جدا ہوتے ہی نہیں۔ اور اگر ان کو گردش ہوتی ہے تو ایک ساتھ ہی ہوتی ہے (جیسے ثوابت ستارے جو اپنے اپنے مرکزوں پر قائم ہیں) اور گردش فلکی کی وجہ سے اجتماعی طور پر وہ گردش کرتے معلوم ہوتے ہیں مگر خود وہ اپنے مرکز اصلی کو نہیں چھوڑتے) اور بعض اس سے چھوٹے ہوتے ہیں (یعنی وہ متحرک ہوتے ہیں)۔ کہ برجوں میں آتے جاتے رہتے اور رفتار میں بھی مختلف ہیں۔ (مثلاً کسی کا دورہ بارہ مہینے کا ہے، کسی کا صرف ایک مہینے کا کسی کا اٹھارہ مہینے کا، اور علی ہذا القیاس) اور ان میں سے ہر ایک کے لیے دو مختلف رفتاریں ہیں۔ ایک تو عام ہے جو فلک الافلاک کی گردش کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف ہوتی ہے۔ (جو روزانہ کے طلوع و غروب سے معلوم ہو سکتی ہے)۔ دوسرے خود اس کی ذاتی رفتار ہے جو مشرق کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے وہ چیونٹی جو چکی کے پاٹ پر پھرتی ہو، چکی تو دائیں جانب سے گردش کرتی ہے اور چیونٹی بائیں جانب سے۔ اس صورت میں چیونٹی کو دو قسم کی مختلف حرکتیں ہوں گی، ایک اس کی ذاتی رفتار ہے جو اپنے سامنے کی طرف ہوگی دوسری بلا ارادہ چکی کے ساتھ ساتھ جو اسے پیچھے کی طرف کھینچتی ہوگی۔ (یہ مسئلہ علم ہیئت کے مسائل میں سے نہایت ہی لطیف ہے اور مثال بھی بے نظیر ہے فلسفہ ہیئت نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ سیارات اپنی اصلی حرکت سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ یہ بات چاند کی حرکت پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کہ پہلی شب میں کہاں طلوع کرتا ہے اور دوسری شب میں اس سے کس قدر مشرق کی طرف، پھر تیسری شب میں دوسری شب سے زیادہ مشرق کی طرف، یہاں تک کہ بارہ تیرہ تاریخ کو ٹھیک مشرق سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

یہی حال آفتاب کا بھی ہے کہ مغرب سے مشرق کی طرف آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے سیارات، زہرہ، مشتری، مریخ، عطارد اور زحل کی بھی ذاتی حرکت یہی ہے مگر چونکہ فلک الافلاک کی گردش مشرق سے مغرب کی طرف ہے جیسا کہ صرف بارہ گھنٹوں کے ایک دن

Presented by Ziaraat.Com

میں۔ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آفتاب کہاں سے نکلا اور کہاں چلا گیا۔ تو یہ تمام سیارات اپنی اصلی حرکت کے ساتھ ساتھ فلک الافلاک کی گردش کے بھی تابع ہیں۔ خود تو آہستہ آہستہ اپنی ذاتی حرکت سے مغرب کی طرف سے مشرق کو آتے ہی ہیں، مگر قسری (غیر ذاتی) حرکت سے مشرق کی طرف سے مغرب کو چلے جاتے ہیں، لہٰذا چیونٹی کی مثال بالکل ٹھیک ہوگئی، جو چکی کی حرکت کے برخلاف چل رہی ہو۔ وہ اپنی حرکت سے ضرور بائیں طرف چلی جاتی ہے گو چکی اسے دائیں جانب لیے جاتی ہے مگر وہ چکی کے پورے حلقے کو اپنی اصلی حرکت سے بائیں رُخ پر پورا کر ہی دے گی۔)

اب ان لوگوں سے دریافت کرو جو اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کی یہ ستارے جس حالت وکیفیت پر اب ہیں اسی طرح بغیر کسی خالق وصانع کے بن گئے ہیں۔ کسی نے بارادہ ان کو نہیں بنایا ہے کہ آخر کس چیز نے روک دیا تھا کہ تمام ستارے ثوابت ہی نہ ہوں گے یا سب کے سب سیارے نہ ہوں گے۔ (ایسا کیوں ہوا کہ کچھ تو غیر متحرک ہوئے اور کچھ متحرک، اس کا سبب کیا ہے) کیونکہ بغیر خالق کے پیدا ہو جانا تو امر واحد ہے۔ (اس میں اختلاف کیسا؟) تو یہ دو مختلف حرکتیں خاص انداز ومقدار پر کیوں ہوتی ہیں (کمی زیادتی کیوں نہیں ہوتی، ایک ہی رفتار سب کی کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے ستاروں کی اس طور پر گردش جواب ہے کسی ارادے، تدبیر، حکمت اور تقدیر (اندازہ) سے ہوئی ہے مہمل یعنی بغیر خالق کے نہیں ہے جیسا کہ ان معطلین (دہریوں) کا دعویٰ ہے۔

اب اگر کوئی معترض یہ کہے کہ "پھر بعض ستارے ثوابت کیوں ہوئے اور بعضے سیار کیوں ہیں؟"

تو ہم اس کو یہ جواب دیں گے کہ اگر سب کے سب ثوابت ہوتے تو وہ شناختیں اور

دلالتیں نہ رہ جاتیں جو ان سیارات کے ایک برج سے دوسرے برج میں جانے اور منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ عالم کی بہت سی اشیاء حادثہ آفتاب اور باقی ستاروں کے اپنے اپنے منازل میں منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ منجمین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے)۔ (لہٰذا وہ فائدے جو اب صرف چند ستاروں کے متحرک ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً فصلوں کا معلوم کرنا، حوادث کا پتہ لگانا، وغیرہ وغیرہ وہ فوت ہو جاتے) اور اگر سب کے سب سیار اور متحرک ہوتے تو ان کی معروف منزل اور کوئی علامت نہ ہوتی کیونکہ اگر واقفیت ہوتی ہے تو اسی سے کہ کواکب سیارے اپنے اپنے معین برجوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ کسی راہ چلنے والے کی رفتار کا اندازہ منزلوں سے ہوتا ہے (کہ ایک منزل چلا ہے یا دو منزل یا چار منزل)۔ اگر میل، کوس یا منزلیں نہ بنی ہوتیں تو ان کی رفتار کا اندازہ نہایت دشوار تھا۔

علیٰ ہذا القیاس، اگر یہ ستارے سب متحرک ہوتے اور ان کی حرکتیں بھی مختلف ہوتیں۔ تو ان کی رفتار کا اندازہ ناممکن ہوتا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ یہ لاکھوں ہی ہیں، کہاں تک کوئی محاسب یا منجم ان کا حساب لگا سکتا تھا؟ دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں، کوئی شمال میں ہے تو کوئی وسط میں، کوئی انتہا میں ہے، کوئی ابتداء میں، لہٰذا ان کے منازل مقرر کرنا بھی ناممکن ہو جاتا۔

تیسرے اس وجہ سے کہ ان سب کا بارہ بروج مشہورہ میں سے ہو کر جانا ہی محال ہے لہٰذا اندازہ بھی ناممکن ہوتا، تو غرض اصلی جو ان کے موجود ہونے اور حرکت کرنے سے ہے سب لغو اور مہمل ہو جاتی۔)

اور اگر سب کے سب ایک ہی حالت پر حرکت کرتے ہوتے تو ان کا نظام ایک دوسرے سے مخلوط ہو کر وہ اغراض جو ان میں قرار دی گئی ہیں فوت ہو جاتیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اور پھر کسی کہنے والے کو یہ بھی حق حاصل ہوتا کہ وہ یہ کہہ سکتا، ان کا ایک ہی حالت پر حرکت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا کوئی مدبر و خالق نہیں ہے جس طرح ہم (اس اختلاف رفتار سے) اس کا وجود ثابت کر آئے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے اختلاف رفتار و تغیرات اور ان کی حرکتوں کے اغراض و مصلحت میں کھلی ہوئی دلیل اس بات کی ہے کہ ان میں تدبیر و ارادہ سے کام لیا گیا ہے۔ (کسی مدبر خالق نے ان کو باقاعدہ حرکت دی ہے اور اختلاف حرکت قائم کیا ہے تا کہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں)۔

ان ستاروں کی بابت غور کرو جو سال کے کسی حصے میں ظاہر ہوتے ہیں اور کسی سال چھپ جاتے ہیں، جیسے ثریا، جوزا، دونوں ستار ہائے شعری اور سہیل، اگر یہ تمام ستارے ایک وقت میں ظاہر ہوا کرتے تو ان میں سے کوئی ایسی نشانی نہ بن سکتا جسے لوگ پہچانتے اور جانتے اور اپنے امور میں اس سے ہدایت پاتے۔ جیسے کہ اب ثور و جوزا وغیرہ کے طلوع و غروب سے (واقعات وغیرہ) کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا ہر ایک کا طلوع و غروب خاص خاص موقعوں میں اس لیے قرار پایا کہ لوگ ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں جنہیں یہ ستارے علیحدہ علیحدہ بتاتے ہیں اور جیسا کہ ثریا وغیرہ خاص مصلحتوں کے لیے کسی وقت طلوع کرتے اور کسی وقت غروب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بنات النعش ایسے بنائے گئے ہیں کہ ہمیشہ ظاہر ہی رہیں کبھی غروب ہی نہ ہوں کیوں کہ اس کی خاص غرض ہے۔ وہ یہ کہ، یہ ستارے بمنزلۂ ایک نشان کے ہیں جن سے لوگ جنگل اور دریا میں نامعلوم راہوں کو معلوم کر لیتے ہیں۔ چونکہ یہ ستارے کبھی غروب نہیں ہوتے اس لیے جب انسانوں کو کوئی راہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو فوراً ان کی مدد سے راہ معلوم کر لیتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں باوجود اپنے اختلاف حالات کے غرض اور مصلحت ہی میں صرف کی

Presented by Ziaraat.Com

گئی ہیں (کوئی ان میں سے بیکار یا نقصان دہ نہیں ہے۔)

(علاوہ بریں) اس میں بہت سے کاموں کے اوقات کی شناخت دلالت ہے مثلاً زراعت، باغبانی، خشکی یا دریا کا سفر اور دیگر چیزوں کی بھی شناخت ہوتی ہے جو مختلف زمانوں میں ہوتے رہتے ہیں مثلاً بارش کا برسنا، ہواؤں کا چلنا، گرمی کا ہونا، جاڑوں کا آنا۔

نیز اندھیری راتوں میں چلنے والے، وحشت ناک میدانوں اور خوف ناک دریاؤں میں ان سے راہ پاتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ ستارے جو آسمان پر کبھی آگے کو چلتے ہیں تو کبھی پیچھے کو ہٹتے ہیں، کبھی مغرب کی طرف جاتے ہیں اور کبھی مشرق کی جانب اس میں بھی بہت سی عبرتیں ہیں۔

چونکہ چاند اور سورج دونوں کواکب نہایت تیز رفتاری سے چلتے ہیں تو اگر ہم سے قریب ہوتے اور ہمیں ان کی سرعت رفتاری کا صحیح اندازہ ہوتا تو کیا تمہارا خیال ہے کہ اس ضیاء وشعاع سے لوگوں کی آنکھیں خراب نہ ہو جاتیں جیسے بعض اوقات بجلی سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں جبکہ وہ کبھی چمکتی ہے اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر چند آدمی ایسے مکان میں ہوں جس کی چھت میں بہت سی قندیلیں نہایت روشن ہوں اور بہت تیز رفتاری سے ان کے سروں کے گرد گرش کر رہی ہوں تو ضرور ان کی آنکھیں پتھرا کر خیرہ وتار ہو جائیں گی اور یہ لوگ چکر کھا کر گر پڑیں گے۔ (پس اگر اس سرعت رفتاری کے ساتھ ستارے ہمارے سر کے قریب ہوتے اور تیزی سے ہماری آنکھوں کے سامنے گردش کرتے ہوئے چلتے تو کسی طرح بھی ان پر نظر نہ ٹھہر سکتی اور لوگ گھبرا گھبرا کر گر پڑتے)۔

تو دیکھو! کہ کس طرح یہ بات مقرر کر دی گئی کہ ان کی رفتار ہم سے بہت فاصلے پر ہو تا کہ نگاہوں کو نقصان نہ پہنچے اور کوئی بیماری پیدا نہ ہو، اور اس قدر تیز رفتار اس لیے بنائے گئے کہ جس قدر ان کی سیر ورفتار کی ضرورت ہے اس میں بھی خلل واقع نہ ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

ان ستاروں میں تھوڑی سی روشنی دی گئی، تاکہ جب چاند نہ ہو تو یہ اس کی جگہ پر روشنی کا کام دیں، اور جب چلنے پھرنے کی ضرورت ہو تو اندھیری رات کے گھپ اندھیرے سے گھبرا نہ جائیں اور ان کی ضو میں چلنا پھرنا ممکن اور آسان ہو سکے۔ چنانچہ آدمی کو کبھی اس بات کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ وہ شب میں چلے پھرے، اگر کچھ بھی روشن نہ ہوتا، جس سے وہ راہ تلاش کرتے تو اس کو اپنے مقام سے حرکت بھی دشوار ہو جاتی۔

اس لطف و حکمت پر غور کرو جو اس قسم کی خلقت و تقدیر (ایک خاص اندازہ پر کسی چیز کو بنانا) میں قائم کی گئی ہے۔ تاریکی کی بھی مدت قرار دی گئی ہے کیونکہ اس کی ضرورت تھی اور اس کے اندر یہ ضو بھی قرار دی گئی جس سے وہ اغراض پورے ہوں جنہیں ہم نے بیان کیا۔

اس فلک پر مع اس کے آفتاب و ماہتاب، ستاروں اور برجوں کے غور کرو جو ایک خاص اندازہ اور مقدار کے ساتھ جہان کے گرد اپنی اس دائمی گردش سے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ رات، دن اور ان چاروں فصلوں کے اختلاف میں خود زمین اور زمین کے رہنے والے مختلف حیوانات اور نباتات کے لیے بہت سی مصلحتیں ہیں۔

کیا کوئی صاحب عقل و فہم یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی بہترین تدبیر و اصلاح جس سے نظام عالم میں درستی و حکمت قائم رہے بغیر کسی مقتدر حکیم کے ہو گئی ہے۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ بخت و اتفاق سے ایسا ہو گیا ہے (کسی خالق کی حکمت و تدبیر اس میں نہیں ہے) تو یہی بات وہ اس دولاب (چرخ یا رہٹ، جس سے پانی کنوئیں سے کھینچ کھینچ کر باغوں وغیرہ میں پہنچایا جاتا ہے) کی بابت بھی کیوں نہیں کہتا جسے وہ پھرتے ہوئے اور کسی ایسے باغ کو سینچتے ہوئے، جس میں درخت اور نباتات لگے ہوئے ہیں، دیکھتا ہے (اس میں بھی یہی کہہ دینا چاہیے کہ یہ رہٹ تو خود بخود ہی چلتا ہے، خود بخود بن گیا ہے اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے) کیونکہ اس کے بھی تمام آلات کو وہ دیکھتا ہے کہ معین

Presented by Ziaraat.Com

اندازے سے بنائے گئے ہیں اور ایک جزو دوسرے جزو سے اسی قاعدے پر ملا ہوا ہے جس میں اس باغ کی اور اس کے اندر کی چیزوں کی بہتری ہے۔ اور اگر وہ یہی بات اس دولاب کی بابت بھی کہے (کہ یہ خود بخود ہی بن گیا ہے۔) تو کیوں کر اس کے لیے یہ ثابت کیا جائے گا کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ اور تمہارے نزدیک لوگ ایسے کہنے والے کو کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ اے احمق بدمغزے، بیوقوف، خردماغ دیکھتا نہیں کہ رہٹ کی طبیعت اور اس کا مادہ جو خود بے عقل و بے ادراک چیز ہے کیا ایسا کرسکتا ہے کہ اس اندازے اور ترتیب کے ساتھ باغ کی تمام مناسبتوں کے لحاظ سے ایسا رہٹ بنا دے؟ کیا کوئی عقل اسے تسلیم کرے گی؟)

کیا ایک لکڑی کے بنے ہوئے رہٹ میں جو تھوڑی سی تدبیر و حکمت سے صرف ایک قطعۂ زمین کے فائدے کے لیے بنایا گیا ہے اس بات کے کہنے سے انکار کرے گا کہ اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ کسی نے اسے باندازہ و حکمت نہیں بنایا ہے۔ اور اتنے بڑے رہٹ (چرخ آسمان) کی نسبت جو ایسی ایسی حکمتوں کے ساتھ بنا ہے جس کے سمجھنے سے انسانی ذہن عاجز ہے اور جس میں تمام روئے زمین اور اس پر کل چیزوں کا فائدہ ہے، کہہ سکے گا کہ یہ ایک اتفاقی چیز ہے۔ بخت و اتفاق سے بے صناعی اور بے تقدیر و اندازہ بن گیا ہے اگر آسمان کی کوئی کل ویسے ہی بگڑ جائے جیسے لکڑی کے بنے ہوئے آلات بگڑ جاتے ہیں تو انسانوں کے پاس کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے اس کو ٹھیک کرسکیں؟ (توبہ لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ، خیال تک بھی نہیں ہوسکتا تدبیر کیسی۔ یہ تو دہریوں کی صرف ہٹ دھرمی ہے جو ایسا کہتے ہیں ورنہ بھلا کہیں عقل بھی ایسی احمقانہ بات کہنے کی رائے دے سکتی ہے؟)

دن اور رات کے بارے میں

مفضل! ذرا رات و دن کی مقدار پر غور کرو کہ مخلوقات کی بہتری کے واسطے کس طور پر قائم ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی حد جب پندرہ گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے تو پھر

Presented by Ziaraat.Com

اس سے زیادہ نہیں بڑھتے (حضرت کا یہ ارشاد معظم بلاد اور معمورات کی نسبت سے ہے ورنہ عرض ثمانین وتسعین یعنی اَسّی اور نوے درجے عرض البلد پر قطب کے قریب تو تقریباً چھ چھ مہینے کے دن اور رات ہوتے ہیں)۔

(حضرت نے صرف ان مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں آبادی ہے، نہ وہاں کا جہاں کسی جاندار کا رہنا ہی تقریباً محال ہے۔)

کیا تم جانتے ہو کہ اگر دن کی مقدار سو یا دو سو گھنٹوں کی ہو جاتی تو تمام حیوانات و نباتات فنا نہ ہو جاتے۔ (یقیناً مر جاتے اور فنا ہو جاتے) حیوانات تو اس وجہ سے کہ اس طویل مدت میں نہ دم لیتے نہ آرام وقرار ملتا، اور بہائم بھی چرنے سے باز نہ آتے (اگر ان کو دن کی اتنی طولانی روشنی ملا کرتی) آدمی بھی کام نہ چھوڑتے اور نہ چلنے پھرنے سے باز آتے) لہٰذا سب کے سب (تھوڑے زمانے میں) ہلاک اور تلف ہو جاتے۔

رہے نباتات، جب ان پر اتنی دیر تک دن کی گرمی اور آفتاب کی تمازت پڑتی تو خشک ہو کر جل جاتے۔

علیٰ ہذا القیاس، رات ہے کہ اگر اسی قدر (سو یا دو سو گھنٹے) بڑھ جاتی تو تمام قسم کے حیوانات کو چلنے پھرنے اور طلب معاش میں کوشش کرنے سے باز رکھتی، یہاں تک کہ بھوکے ہی مر جاتے، اور نباتات کی تو حرارت طبیعہ (حرارت عزیزیہ) ہی فنا ہو جاتی، یہاں تک کہ ان میں عفونت (بدبو) پیدا ہو جاتی اور پھر وہ خراب ہو جاتے۔ جیسا کہ تم ان نباتات کو دیکھتے ہو جو ایسے مقامات پر ہوتے ہیں جہاں دھوپ نہیں پڑ سکتی۔

گرمی اور سردی کے بارے میں

اس گرمی اور سردی پر غور کرو! کہ اپنے کم اور زیادہ اور اعتدال اور سال کی چاروں فصلوں کے قائم کرنے کے لیے کس طور پر تمام عالم میں یکے بعد دیگرے آتی جاتی اور اس قسم

Presented by Ziaraat.Com

سے اپنا عمل کرتی ہیں اور دیکھو کہ ان میں مصلحت کیا ہے۔

پھر یہ بھی کہ اجسام کی اصلاح اور دباغت بھی اسی میں ہے (جس سے بظاہر مراد یہ ہے کہ فصلوں کے بدلنے کے ساتھ جسم کی ہلکی ہلکی جھلیاں بھی اتر کر دوسری جھلی اور نئی کھال پیدا ہوتی ہے) جس سے ان کی بقاء و درستی قائم ہے کیونکہ اگر یہ گرمی اور سردی نہ ہوتی اور اجسام پر یکے بعد دیگرے ان کا توارد نہ ہوتا رہتا تو خراب و فاسد ہو جاتے، ٹوٹ پھوٹ جاتے دبلے اور لاغر ہو جاتے۔

ان دونوں (گرمی اور سردی) کے بتدریج ایک دوسرے میں داخل ہو جانے پر غور کرو! تم دیکھتے ہو گے کہ ان میں سے ایک تو تھوڑی کم اور دوسری تدریجا بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی کمی اور زیادتی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ایک دوسری پر اچانک و یکبارگی وارد ہوتی (یعنی یکدم گرمی بڑھ جاتی سردی یکدم کم ہو جاتی یا سردی بڑھ جاتی اور گرمی یکدم کم ہو جاتی) تو بدنوں کو اس سے سخت نقصان پہنچتا اور بیمار ہو جاتے، جیسے کوئی شخص کسی گرم حمام سے یکبارگی سرد مقام پر چلا آئے تو اسے اس سے نقصان پہنچے گا اور وہ بیمار ہو جائے گا۔

لہٰذا، خالق عزوجل نے گرمی اور سردی کی یہ تدریج قائم کی تا کہ اس کی مخلوق اس نقصان سے بچ جائے۔ اور یہ کام تدبیر و حکمت سے خالی نہیں (پس اگر کوئی مدبر و حکیم اس تدبر و حکمت کا نہ ہوتا تو کون اس بات پر تفکر کرتا کہ گرمی یکبارگی نہ پڑنے لگے یا سردی یکبارگی نہ آ جائے کہ اس میں جہان کے اجسام وابدان کا نقصان ہے)۔

اگر کوئی مدعی اس بات کا دعویٰ کرے کہ گرمی و سردی کی آمد میں یہ تدریج و آہستگی آفتاب کی رفتار سے ہے کہ جس قدر بلند ہوتا رہتا اور نیچے کو جھکتا رہتا ہے اسی قدر دن میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ آفتاب کی رفتار اور بتدریج بلندی و پستی کی طرف آنے کا سبب کیا ہے؟ پھر اگر وہ یہ کہے کہ اس کا سبب مشرق و مغرب کا فاصلہ

Presented by Ziaraat.Com

ہے، تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ، ایسا کیوں ہوا؟ تو یہ سوال اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ وہ خود ہی قائل ہو جائے گا کہ ضرور اس میں اختیار عمد و تدبیر سے کام لیا گیا ہے (از خود ایسا نہیں ہوا)۔

دیکھو! اگر گرمی نہ ہوتی تو سخت اور کڑوے پھل کبھی پکتے اور نرم اور شیریں نہ ہوتے جس سے تر اور خشک دونوں حالتوں میں پختگی اور رسیلہ پن حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اگر سردی نہ ہوتی تو زراعت میں اس قدر بالیاں نہ نکلتیں اور نہ اس کثرت سے پیداوار ہوئی جو غذا اور تخم پاشی کے لیے کافی ہو سکتی۔

کیا تم دیکھتے نہیں! کہ گرمی اور سردی میں کس قدر فوائد ہیں اور باوجودیکہ ان دونوں میں بہت سے فوائد ہیں پھر بھی بدنوں کو ان سے تکلیف ہوتی ہے۔ (حالانکہ یہ تکلیف بھی فائدوں سے خالی نہیں) اور اس میں غور کرنے والوں کے لیے عبرت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام کام عالم اور اہل عالم کی بہتری کے لیے کسی حکیم و دانا کی تدبیر سے ہوئے ہیں۔

ہوا کی حکمتیں

مفضل! میں تم کو ہوا اور اس کی حکمتوں سے باخبر کرتا ہوں۔

کیا تم نہیں دیکھتے! کہ جب یہ ٹھہر جاتی ہے تو کیسی بے چینی پیدا ہوتی ہے جو جان لینے کے قریب ہو جاتی ہے۔ تندرست آدمیوں کو بیمار اور مریضوں کو لاغر، پھلوں کو خراب، اشیاء کو متعفن کر دیتی ہے۔ بدنوں میں وبا، غلوں میں خرابی پیدا کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہوا کا چلنا مخلوقات کی بہبودی کے لیے حکیم کی تدبیر سے ہے (نہ کہ از خود)۔

ہوا کی ایک اور خاصیت تم سے بیان کرتا ہوں۔

آواز، ایک اثر (و کیفیت ہے) جو اجسام کے باہم ہوا میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور ہوا اس کو کانوں تک پہنچاتی ہے۔ (یہ مسئلہ بھی مسلمات فلاسفہ میں سے ہے کہ جب تک

Presented by Ziaraat.Com

ہوا میں تموج (لہر) پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک آواز نہیں سنائی دیتی) اور تمام انسان اپنی ضروریات اور معاملات کے متعلق دن بھر اور رات کے کچھ حصہ تک گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر اس کلام کا اثر ہوا میں باقی رہتا، جیسے تحریر، کاغذ پر لکھی جاتی ہے تو تمام عالم اس سے بھر جاتا اور اس سے اہل زمین کو بے چینی پیدا ہوتی، گرانی ہوتی، اور ان کو اس بات کی ضرورت ہوتی کہ ہوا بدل جائے اور نئی ہوا آئے (جس میں نئے کلام شروع ہوں کیونکہ پہلی ہوا تو آوازوں سے بھری ہوئی ہے اور کان اس سے مملو ہیں۔ لہٰذا نئی باتوں کے لیے کسی اور ہوا کی ضرورت ہوتی) اور یہ ضرورت اس سے کہیں زیادہ اہم ہے جو کاغذ کی تبدیلی میں ہوتی ہے کیونکہ تحریر کی بہ نسبت زبانی باتیں زیادہ کی جاتی ہیں۔ لہٰذا خلاق حکیم جل قدرہٗ نے اک ایسا خفی کاغذ بنایا ہے جو کلام کا اتنی دیر تک حامل رہے جتنی دیر میں اہل عالم کی ضرورت پوری ہو اور اس کے بعد ختم ہو جائے اور وہ ویسی ہی نئی کی نئی، صاف ستھری ہو جائے، اور ہمیشہ ان کلاموں کی متحمل ہوتی رہے جو اس میں واقع ہوتے ہیں۔

تمہارے لیے تو یہی نسیم، جسے ہوا کہتے ہیں اور اس میں جو مصلحتیں ہیں، عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ ہوا اجسام و ابدان کی زندگی کا باعث ہے اور بیرونی جانب سے جب ہم اسے سانس کے ذریعے سے جذب کرتے ہیں اور اندرونی جانب سے جب یہ روح سے ملتی ہے تو حیات کو قائم رکھنے والی ہوتی ہے۔ (اگر سانس کے ذریعے سے تازہ ہوا پھیپھڑوں تک نہ جائے اور اندرونی بخارات نہ نکلتے رہیں تو چند لمحوں میں آدمی مر جائے۔) اسی ہوا کے اندر آوازیں واقع ہوتی ہیں جنہیں دور دور تک پہنچا دیتی ہے، یہی ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام پر خوشبوؤں کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ دیکھو! جب ہوا چلتی ہے تو تمہاری ناک تک طرح طرح کی خوشبوئیں اڑا اڑا کر لاتی ہے۔ اسی طرح آواز کو بھی ایک جگہ سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہے۔ اور یہی ہوا گرمی و سردی کی بھی حامل ہوتی ہے۔ جو یکے بعد دیگرے

Presented by Ziaraat.Com

بہبودیٔ عالم کے لیے آتی، جاتی رہیں (یعنی سردی اور گرمی اسی ہوا میں قائم رہتی ہیں، اگر عالم میں نہ ہوتیں تو کبھی گرمی اور سردی بھی نہ ہوتیں۔ فلسفۂ طبعیات پڑھو، تب تم کو اس کا لطف حاصل ہوگا)۔

اسی سے چلنے والی ہوا بھی پیدا ہوتی ہے۔ (جس کی حرکت بدنوں کو محسوس ہوتی ہے اور جو درختوں کو ہلاتی ہے) جو اجسام سے فسادات وخرابیوں کو دفع کرتی، اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر اَبر کو اڑا کر لے جاتی ہے تا کہ اس کا فائدہ عام ہو اور وہ گھرے (دبیز اور تہہ بہ تہہ) ہوں تا کہ ان سے بارش ہو۔ پھر انہیں منتشر کر کے ہلکا بادل کر دیتی ہے تو منتشر ہو جاتے ہیں۔

درختوں میں پھل پھول پیدا کرتی، کشتیوں کو چلاتی، غذاؤں کو نرم ولطیف بناتی، پانی کو ٹھنڈا کرتی، آگ کو بھڑکاتی اور تر چیزوں کو خشک کرتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کی تمام چیزوں کو قائم و زندہ رکھتی ہے۔ اگر یہ چلنے والی ہوا نہ ہوتو نباتات خشک (پژمردہ) ہو جائیں، حیوانات مر جائیں اور تمام چیزیں خراب و بیکار ہو جائیں۔

زمین کے بارے میں

مفضل! خدائے تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ان جواہر اربعہ (عناصر اربعہ) میں فکر کرو، جنہیں اس نے اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ جو ضرورت ان کی ہے وہ بفراغت پوری ہو۔ منجملہ ان کے یہ زمین اور اس کی چوڑائی ہے۔ پس اگر یہ زمین اتنی چوڑی نہ ہوتی تو آدمیوں کے مکانات، زراعتیں، چراگاہیں اور جنگلوں، بنوں، بڑی قدر والی جڑی بوٹیوں اور معدنیات گراں قیمت کے لیے کیوں کر کافی ہوتی؟

شاید ایک شخص ان چٹیل میدانوں اور وحشت ناک بیابانوں سے نفرت کرے اور کہے کہ ان میں فائدہ ہی کیا ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب میں (اس سے یہ کہا جائے گا) کہ یہی تو وحشی جانوروں کے رہنے کی جگہ، محل قیام و آرام اور ان کی چراگاہیں ہیں۔ پھر یہ کہ آدمیوں کے لیے ایک وسیع جگہ حاصل ہے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو تبدیل کرنا چاہیں تو یہاں آ کر آباد ہو سکتے ہیں۔ کتنے ہی بیابان اور میدان تھے جن میں محلات بن گئے اور آدمیوں کے ان میں مستقل آباد ہو جانے سے کتنے ہی باغات وغیرہ لگ گئے اور اگر زمین کی اتنی وسعت نہ ہوتی تو آدمی ایسے ہوتے جیسے کسی تنگ قلعے میں بند کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی امر ان کو اس بات پر مجبور کرتا، کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کہیں اور آباد ہوں۔ تو ان کو کوئی چارۂ کار نہ ہوتا سوائے اس کے کہ اسی اپنے تنگ وطن ہی کو مجبوراً آباد رکھیں اور وہیں پڑے رہیں۔

پھر یہ غور و فکر کرو کہ زمین جو اس حالت پر پیدا کی گئی ہے جس پر اب ہے، کس طور سے قائم و ساکن پیدا کی گئی ہے کہ تمام چیزوں کے لیے جائے استقرار اور وطن ہو سکے۔ اسی وجہ سے انسان اپنی ضرورتوں کے لیے اس پر چلنے پھرنے اور آرام کے لیے بیٹھنے، راحت پانے، کھیتی بونے اور اپنے کاموں کو استحکام کے ساتھ کرنے پر قادر ہو سکے۔ ورنہ اگر یہ متحرک یا ادھر ادھر سے جھکی رہتی تو کبھی ان کو ممکن نہ ہوتا کہ اس پر کوئی مضبوط عمارت بنا سکتے، اس پر اپنے دوسرے کام کر سکتے بلکہ ایسی صورت میں جبکہ زمین ہر وقت ہلتی ہی رہتی، ان کی زندگی بھی دوبھر ہو جاتی، اور لوگ چلنے پھرنے سے بھی عاری ہو جاتے۔ اسے ان زلزلوں کی طرح سمجھو جو تھوڑی ہی دیر کے لیے رونما ہوتے ہیں۔ پھر جن لوگوں پر ان کا اثر پڑتا ہے وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ (پس اگر ہر وقت زمین حرکت کیا کرتی تو کس طرح کوئی کام ہو سکتا تھا)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ آخر زمین کو زلزلہ کیوں آتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زلزلہ اور نیز ایسی ہی دوسرے چیزیں۔ (مثلاً سخت آندھی، گہن کا لگنا، بے حد ستاروں کا ٹوٹنا، آسمان پر خوفناک سرخی کا نمودار ہو جانا، وغیرہ وغیرہ) ایک

Presented by Ziaraat.Com

قسم کی نصیحت اور تخویف ہیں۔ تا کہ لوگ ان چیزوں سے ڈر کر گناہوں سے باز آئیں۔

علیٰ ہذا القیاس، جو آفتیں اور بلائیں ان کے اجسام و ابدان اور مال پر وارد ہوتی ہیں وہ بھی اسی حکمت سے ہیں کہ ان میں لوگوں کے لیے بہبودی و بہتری اور درستی احوال ہے۔ اگر وہ (ان چیزوں سے عبرت حاصل کر کے) نیک بن جائیں، گناہوں سے تائب ہو جائیں، تو ان کو ثواب و جزا کا ذخیرہ آخرت میں اتنا ملے گا جس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ ثواب ان کو دنیا ہی میں فوراً دے دیا جاتا ہے۔ (یعنی خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام وخواص کی بہبودی اس میں پوشیدہ ہے)۔

پھر یہ زمین بذات خود بارد و یابس ہے (ٹھنڈی اور خشک ہے) اسی طرح پتھر بھی بارد و یابس ہے۔ (اس میں اور پتھر میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ پتھر میں زمین کی بہ نسبت زیادہ خشکی ہے۔ تو کیا تم جان سکتے ہو کہ اگر تھوڑی سی خشکی اور زمین میں پیدا کر دی جاتی تو وہ بھی پتھر ہو جاتی۔ تو پھر نباتات کیسے پیدا ہو سکتے تھے کہ جس پر حیوانات وغیرہ کی زندگی کا انحصار ہے۔ نہ کھیتی ہی کے قابل ہوتی اور نہ عمارت ہی بنائی جا سکتی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کی پیوست پتھر کی بہ نسبت کس قدر کم ہے نرمی و رخاوت اس میں قرار دی گئی ہے تا کہ با عتماد ضروری کام سرانجام پا سکیں۔

زمین کی خِلقت میں حکیم جل قدرتہٗ نے ایک یہ بھی حکمت رکھی ہے کہ شمالی جانب بہ نسبت جنوبی جانب کے بلند ہے۔ پھر خدائے عزوجل نے ایسا کیا ہی کیوں؟ اسی لیے نا، تا کہ پانی تمام روئے زمین پر بہہ کر اسے سیراب کر سکے اور آخر میں سمندر کی طرف بہہ جائے۔ جیسے مکان کی چھت کو ایک طرف سے قدرے بلند اور دوسری جانب سے پست کر دیا جاتا ہے تا کہ بارش کا پانی رُکنے نہ پائے اور بہہ کر نکل جائے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو پانی تمام روئے زمین پر پھیل جاتا جس کی وجہ سے لوگوں کا کام

Presented by Ziaraat.Com

رک جاتا، کوئی کام بھی نہ کیا جا سکتا، راستے کٹ جاتے (اس سے زمین کی گولائی میں فرق نہیں آتا، اس لیے کہ زمین اگرچہ واقعاً گول ہے لیکن اسی کے ساتھ پانی کے کُرے سے نیچے ہے اور پانی دراصل اس سے اوپر ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے صرف اسی لیے کہ اس پر بھی چند قسم کی مخلوقات کی تخلیق ہو سکے اور وہ اس پر رہ کر زندہ رہ سکیں، اس کا نصف شمالی حصہ پانی سے بلند کر دیا ہے اور باقی پانی میں غرق ہے تاکہ اس جزیرہ نما حصے میں آبادی ہو سکے۔

علیٰ ہذا القیاس دوسرے جزائر بھی اسی غرض سے پانی کے اوپر کر دیے گئے ہیں۔ ورنہ باقاعدہ اس سے اوپر پانی ہونا چاہیے تھا اور اسے اس کے نیچے رہنا چاہیے تھا۔ اگر اس مسئلے کو خوب سمجھنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کی کتابیں دیکھو۔

پانی کی خصوصیات

یہ پانی (منجملہ عناصر اربعہ کے تیسرا عنصر ہے) اگر اس کثرت سے نہ ہوتا اور چشموں، وادیوں اور نہروں کے ذریعے سے نہ بہتا تو انسانوں کو جو اپنے چوپاؤں اور مویشیوں کو پلانے، زراعتوں اور درختوں کو سیراب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس میں بہت بڑی تنگی واقع ہوتی۔ اور نیز، وحوش و طیور اور درندے پیتے ہیں یا مچھلیاں اور پانی کے جانور اس میں رہتے ہیں ان کے لیے سخت مشکل اور تکلیف ہو جاتی۔

اس کے علاوہ اس میں اور بھی فوائد ہیں جنہیں تم جانتے تو ہو مگر ان کی عظمت اور وقعت سے غافل ہو۔ تو دیکھو کہ علاوہ اس بزرگ اور گرانقدر فائدے کے جو اس میں ہے اور وہ یہ ہے کہ اسی کے ذریعے سے تمام روئے زمین کے حیوانات اور نباتات زندہ ہیں۔ یہ دیگر بہت سی پینے کی چیزوں میں بھی شامل کیا جاتا ہے۔ (مثلاً ستو اور دوا وغیرہ) تاکہ وہ نرم ہو جائیں اور پینے والے کو گوارا معلوم ہوں۔ اسی سے بدن اور لباس کا میل صاف کیا جاتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اسی سے مٹی گوندھ کر ظروف وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اسی سے آگ کا ضرر دفع کیا جاتا ہے وہ جب کبھی مشتعل ہو جائے، اور لوگ اس سے تکلیف پانے لگیں۔ اسی سے تھکا ہوا آدمی اپنی تعب و تکلیف سے آرام پاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سے اغراض ہیں جن کی عظمت قدر کو تم اسی وقت جان سکتے ہو جب اس کی ضرورت پڑے۔

پھر بھی اگر تم کو کچھ شک پڑتا ہو کہ اس قدر کثیر پانی کیوں دریاؤں میں پیدا کیا گیا اور کہو کہ اس سے کیا فائدہ ہے؟

تم کو معلوم ہو کہ یہی پانی دریا کے بہت سے قسم کے جانوروں اور مچھلیوں کا ماویٰ اور مسکن ہے۔ یہی موتی، یاقوت، عنبر اور انواع و اقسام کی چیزوں کا معدن ہے جو دریاؤں سے نکالی جاتی ہیں۔ اسی کے کنارے پر عود، بخوری اور طرح طرح کی خوشبودار چیزیں اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (اگر اس کثرت سے پانی نہ ہوتا تو یہ چیزیں کیوں کر پیدا اور مہیا ہو سکتی تھیں۔) علاوہ ازیں یہ بھی کہ آدمیوں کی سواری ہے (اس پر سوار ہو کر ایک ملک سے دوسرے ملکوں کو جاتے ہیں) ان تجارتوں کا ذریعہ ہے جو دور دور کے شہروں سے وابستہ ہیں مثلاً چین سے عراق اور وہاں سے چین، بصرہ، کوفہ، دجلہ، اور فرات کے ذریعے سے وغیرہ وغیرہ) اگر سوائے پشت انسان و حیوان کے اور کوئی ان تجارتی اشیاء کا متحمل نہ ہوتا تو تجارت خراب ہو جاتی اور اشیاء اپنے ہی شہروں میں رہ جاتیں اور اپنے ہی ملک والوں کے ہاتھ میں رہتیں۔ کیونکہ ان کی باربرداری کی اجرت ان کی قیمتوں سے زیادہ ہو جاتی پھر تو کوئی بھی ان کے کہیں لے جانے کا ارادہ نہ کرتا۔ اور اس سے دو خرابیاں پیدا ہو جاتیں۔

اول یہ کہ بہت سی ایسی چیزیں نہ مل سکتیں جن کی آدمیوں کو ضرورت پڑتی ہے مثلاً دوا میں ایک سنائے مکی ہے یا عود چینی ہے یا آلو بخارا ہے یا بلاد یورپ و ایشیا کی غذائی یا دوائی دیگر اشیاء ہیں۔ اگر یہ صرف پیٹھ ہی پر لاد کر لائی جایا کرتیں سمندر و دریاؤں کا درمیانی واسطہ

نہ ہوتا جن میں کشتیوں کے ذریعے سے لاتے ہیں تو یہ چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کس طرح پہنچ سکتی تھیں)۔

۲۔ ان لوگوں کی معاش کا سلسلہ قطعی ہو جاتا جن کی زندگی معاشی طور پر اسی ذریعے سے منسلک اور بسر ہوتی ہے۔

اسی طرح ہوا ہے کہ اگر اس کثرت سے نہ ہوتی تو تمام آدمیوں کا دم اس دھوئیں اور بخارات سے گھٹ جاتا جو اس فضا میں بھرے رہتے ہیں، اور نہ اس میں اس قدر وسعت ہوتی کہ اس سے گہرے اور ہلکے بادل بن سکتے جو اب ہوا کے استحالہ سے آہستہ آہستہ ابر بن جایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ماقبل بیان کیا جا چکا ہے۔

آگ کے عنصر کا بیان

آگ کا بھی یہی حال ہے (کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ ضرورت کے موافق بنائی گئی ہے۔) کہ اگر یہ پانی اور ہوا کی طرح پھیلی رہتی تو سب کچھ تباہ ہو جاتا، اور کوئی چارۂ کار اس سے نہ تھا کہ اوقات معینہ پر اس کا ظہور ہوا کرتا، کیونکہ اکثر کاموں میں اس سے فائدہ ملتا ہے۔ لہٰذا اس کا خزانہ لکڑیوں میں جمع کیا گیا ہے جو ضرورت کے وقت ہی نکالی جاتی ہے اور پھر اس کو اس کے مادہ اور لکڑیوں کے ذریعےس قائم رکھا جاتا ہے۔

پس نہ تو یہ ایسی ہے کہ ہمیشہ ہی لکڑی اور مادے کے ذریعے سے باقی رکھی جائے، اور نہ تمام عالم میں اس طرح پھیلی رہتی ہے کہ تمام اشیاء کو جلا دے۔ بلکہ ایک خاص اندازے کے ساتھ تہیۂ قائم رکھی گئی ہے تاکہ اس کی منفعتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور اس کے ضرر سے بچا جا سکے۔

اس میں ایک اور صفت یہ بھی ہے کہ اس کی خصوصیت صرف آدمی سے رکھی گئی ہے حیوانوں کو اس کی ضرورت نہیں قرار دی گئی۔ اگر آگ نہ ہوتی تو بڑا سخت نقصان انسانی معاش

Presented by Ziaraat.Com

میں واقع ہوتا۔ (مثلاً لوہے کی اشیاء اسی کے ذریعے بنائی جاتی ہیں، کیونکر زراعت، عمارت، صنعت کے آلات تیار کیے جاتے، زرگری میں اس کی ضرورت ہے، ظروف سازی میں بھی اسی سے مدد ملتی ہے۔ عمارات کے لیے اینٹیں اور چونا بنانے میں معاون ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تو ہر روز ہی کھانا پکانے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ (پھر اگر آگ نہ ہوتی تو انسانی زندگی کس قدر تنگ ہو جاتی)۔

لیکن رہے بہائم، وہ تو اسے استعمال نہیں کرتے اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور چونکہ ایسا ہی خدا کی طرف سے مقدر ہو چکا تھا کہ صرف آدمی ہی اس سے فائدہ حاصل کریں۔ لہٰذا انسان کے لیے ہتھیلیاں اور انگلیاں بنا دی گئیں تاکہ اس کے روشن کرنے اور استعمال کرنے میں ان سے مدد ملے اور بہائم کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں، لیکن ان کو معاش کی تکلیف پر صبر کی طاقت دی گئی تاکہ آگ کے نہ ملنے سے جو نقصان انسان کو پہنچتا وہ ان کو نہ پہنچے۔

میں تم کو اس کی ایک چھوٹی سی چیز کا نفع بتاتا ہوں جو نہایت ہی قابل قدر و وقعت ہے۔ وہ یہی چراغ ہے (جو آگ سے روشن ہوتا ہے) جسے لوگ روشن کرتے اور اس سے شب کے وقت کی ضرورتیں خواہش کے مطابق پوری کرتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو (شب کے وقت) آدمیوں کی زندگی اس طرح بسر ہوتی گویا قبرستان میں دفن ہیں تو کس سے ممکن ہوسکتا کہ کچھ لکھے، یا پڑھے اور یاد کرے۔ سینے پرونے کا کام کس طرح کرتا۔ اور اس شخص کا کیا حال ہوتا جسے شب کے کسی حصے میں کوئی درد اٹھتا یا بیماری لاحق ہوتی اور اسے مرہم لگانے یا سفوف یا کسی اور ایسی ہی چیز کی ضرورت ہوتی جس سے وہ اپنا علاج کرے اور اس سے شفا حاصل کرے۔ (تو پھر اندھیری رات میں کیا کرسکتا تھا؟ لہٰذا خدائے تعالیٰ نے آدمیوں کو یہ سکھایا کہ تم اپنی ضرورتوں کے واسطے اس ترکیب سے روشن کرلیا کرو)۔

Presented by Ziaraat.Com

لیکن اس کے دوسرے فوائد جو کھانا پکانے اور بدن کو گرمی پہنچانے گیلی چیزوں کو خشک کرنے اور سخت چیزوں کو نرم یا تحلیل کرنے اور علیٰ ہذا القیاس دیگر چیزوں میں ہیں وہ اس قدر ہیں جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے عیاں ہیں کہ ان کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بارش کی خصوصیات

آسمان کے صاف ہو جانے، اور بارش کے برسنے پر غور کرو (یعنی ان دونوں مختلف حالتوں کو غور سے دیکھو کہ ایک وقت آسمان صاف ہو جاتا ہے۔ دوسرے وقت ابر چھا جاتا ہے اور بارش ہونے لگتی ہے) کیونکہ یکے بعد دیگرے اس عالم میں اس طور پر واقع ہوتے ہیں جس میں اس (عالم) کی بہتری ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ہمیشہ رہتا تو اس سے عالم میں خرابی پڑ جاتی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب بھی متواتر بارش ہونے لگتی ہے تو سبزیوں وغیرہ میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے، حیوانات کے بدنوں میں اِسترخا ہو جاتا ہے۔ ہوا میں برودت بڑھ جاتی ہے اور طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ راستے اور سڑکیں خراب ہو جاتی ہیں اور جب کبھی عرصے تک آسمان کھلا رہتا ہے (یعنی بارش نہیں ہوتی) تو زمین خشک ہو جاتی ہے۔ نباتات جل جاتی ہیں چشمے اور ندیوں کا پانی کم ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور ہوا میں یبوست (خشکی) پیدا ہو جاتی ہے۔ تو مختلف قسم کے امراض پیدا ہونے لگتے ہیں۔

ج لیکن جب یکے بعد دیگرے موسموں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے تو ہوا معتدل رہتی ہے ہر ایک ان میں سے دوسرے کے ضرر کو دفع کرتا رہتا ہے، تو تمام چیزیں باقاعدہ ٹھیک اور درست رہتی ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ پھر ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ ان میں سے کسی

Presented by Ziaraat.Com

میں کچھ ضرر ہی نہ ہوتا۔ (یعنی اگر بارش ہمیشہ برسا کرتی تب بھی آدمیوں کو نقصان نہ پہنچتا، اگر ہمیشہ مطلع صاف ہی رہتا تو بھی ان کو کچھ ضرر نہ پہنچتا، ایسا کیوں نہ ہوا؟)

جواب یہ ہے کہ آدمی کو مکلف پیدا کیا ہے اس لیے اُسے کسی قدر تکلیف پہنچتی رہے تا کہ وہ معصیتوں سے باز رہے مثلاً جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اسے تلخ اور بدمزہ دوائیں پینے کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا اس تلخی اور بدمزگی کو برداشت کرے، مرض کی تکلیف برداشت کرے سرکشی، کبر اور غرور نہ کرے اور اپنے مالک و خالق کی بارگاہ میں اپنی صحت و تندرستی کی دعا کرتا رہے بدکاریوں سے باز رہے اور ان افعال پر قائم رہے جن میں اس کا فائدہ بھی ہو اور خوشنودیٔ رب بھی۔ اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو ہزاروں اور لاکھوں اشرفیاں اور روپے تقسیم کر دے تو کیا اس بادشاہ کی عظمت عوام الناس کے دلوں میں نہ پیدا ہوگی اور کیا اس سے اس کی سخاوت کا شہرہ نہ ہو جائے گا؟ حالانکہ اس بات کو اس بارش جیسی نعمت سے کیا نسبت ہے، جو آبادیوں، شہروں اور ملکوں نیز تمام روئے زمین اور باشندوں کو سیر و سیراب کرتی ہے، کہیں زیادہ ہے ان لاکھوں کروڑوں اشرفیوں اور روپوں سے۔

تم ذرا غور کرو! کہ اس تھوڑی سی بارش کی کس قدر بڑی عظمت ہے لوگوں کے لیے اور کتنی بڑی نعمت ہے؟ حالانکہ یہ لوگ اس سے غافل ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کی چھوٹی سی ضرورت (بارش ہونے یا دیر تک نہ ہونے سے) رُک جاتی ہے تو ملامت کرنے لگتا ہے اور ناراض ہوتا ہے اس ذلیل و کمتر سی بات کو ترجیح دیتا ہے لیکن کبھی اس بڑی منفعت پر غور نہیں کرتا جو نہایت ہی قابل قدر ہے اور جس کا انجام بہت اچھا ہے۔

یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ اسے اس عظیم القدر نعمت اور اس کے فائدوں کی پوری معرفت نہیں ہے۔

بارش کے بلندی سے زمین پر برسنے اور اس کی مصلحت پر غور کرو! صرف اس لیے

Presented by Ziaraat.Com

بلندی سے برسائی جاتی ہے کہ اونچی اور سخت زمینوں پر بھی پڑے اور انہیں اچھی طرح سیراب کر سکے، اور اگر ایسا ہوتا کہ کسی ایک گوشے سے پانی آیا کرتا، تو ان مقامات پر نہ پہنچ سکتا جو بلند ہیں اور وہاں زراعت وغیرہ نہ ہوسکتی۔ دیکھو! کہ وہ زمین جس میں پانی سینچ کر زراعت کی جاتی ہے، بہت کم ہے (اور اگر ہے بھی تو اس کی آبپاشی میں صرف کثیر پڑتا ہے جس سے کاشتکاروں کو بہت کم نفع اپنی زراعت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا، ایسا مقرر کیا گیا کہ بارش بلندی سے برسا کرے تاکہ ہر بلند و پست مقام پر پانی پہنچ جائے)۔

لہٰذا بارش ہی ایسی چیز ہے کہ تمام زمین پر محیط ہو جاتی ہے اور بسا اوقات ان وسیع صحراؤں اور پہاڑوں کے دامنوں میں بھی زراعت کر لی جاتی ہے تو بہت سا غلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

انہیں بارشوں کے سبب سے آدمیوں کی وہ مشقت بھی جاتی رہتی ہے جو ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پانی لانے، لے جانے میں ہوتی ہے اور جو جو تنازعات اور جھگڑے فسادات اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی واقع ہوتے ہیں کہ ایک غلبے اور قوت والا آدمی تو پانی سے فائدہ حاصل کر لیتا ہے لیکن دوسرا کمزور اور ناتوان آدمی اس سے محروم رہتا ہے، وہ رفع ہو جاتا ہے۔

پھر چونکہ (بارش کے پانی کے لیے) یہ مقدر کیا گیا تھا کہ اوپر سے زمین پر برسے، لہٰذا ایسا بنایا گیا کہ چھڑکاؤ کے طور پر زمین پر پڑے تاکہ زمین کے اندر جذب ہو کر اسے سیراب کر سکے۔ اور اگر زور سے بہتا ہوا آتا اور زمین پر سیل کی طرح گرتا تو اس میں جذب نہ ہوتا۔

پھر یہ بھی ہوتا کہ کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیتا، لہٰذا ایسا مقرر ہوا کہ آہستہ آہستہ قطروں کی صورت میں برسا کرے تاکہ بوئے ہوئے دانے خراب نہ ہوں، زمین سیراب ہو اور زمین

Presented by Ziaraat.Com

اور کھڑی ہوئی زراعتیں اس سے زندہ ہوتی رہیں۔

اس طرح برسنے میں اور بھی مصلحتیں ہیں؛

1. یہ کہ بدنوں میں نرمی اور لطیفت پیدا کرتا ہے۔
2. یہ کہ ہوا کدورت کو صاف و شفاف کرتا ہے جس سے وبا و امراض دفع ہوتے ہیں۔ جو ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں۔
3. درخت اور زراعتوں میں جو بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بیماریاں جیسے یرقان وغیرہ انہیں دفع کر دیتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی فوائد ہیں۔

پس اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ اس بارش کے سبب سے کسی سال بہت سخت نقصان بھی پہنچتا ہے جبکہ یہ شدت سے برستا ہے یا اولے (یعنی برف) پڑتے ہیں جن سے فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، اور ہوا میں بخارات پیدا کر دیتا ہے جس سے بدنوں میں بہت سے امراض و آفات حادث ہوتے ہیں، تو اس سے کہا جائے گا کہ:

ہاں یہ زیادتی بھی کبھی انسان ہی کی اصلاح اور اس کی معصیتوں میں پڑے رہنے سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ فائدہ جو اس کے دین کی اصلاح کے لیے ہوگا وہ یقیناً اس نقصان سے بہتر ہوگا جو اس کے مال میں واقع ہوتا ہے۔ (یعنی اگرچہ زیادتی بارش سے انسان کے مال کا نقصان ہوگیا، اس کو بدنی تکلیف پہنچی لیکن متنبہ تو ہوا کہ ہمارا کوئی زبردست خالق بھی ہے جو ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس سے ڈرتا رہے تاکہ اس کے دین کی اصلاح ہو جائے جس کا فائدہ ابدی اور غیر منقطع ہے۔

پہاڑوں کی حکمت

مفضل! ان پہاڑوں کو دیکھو! جو مٹی اور پتھر سے جما جما کر بنائے گئے ہیں جنہیں

Presented by Ziaraat.Com

غافل لوگ بیکار و بلاضرورت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان سے بہت کچھ فوائد پہنچتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ:

۱۔ ان پر برف پڑتی ہے اور وہ ان کی چوٹیوں پر باقی رہتی ہے جسے ضرورت ہو وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور جو برف پگھل جاتی ہے اس سے کثیر تعداد میں پانی کے چشمے بہتے ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔

۲۔ ان پر ایسی ایسی جڑی بوٹیاں اور نباتات اُگتے ہیں جو ہموار اور نشیبی زمینوں میں نہیں ہوتے۔

۳۔ ان میں وحشی وضرر رساں درندوں کے لیے غار اور درّے ہیں۔

۴۔ دشمنوں سے بچنے کے لیے ان میں بلند قلعے بھی بنا لیے جاتے ہیں۔

۵۔ انہیں تراش کر مکان بناتے اور چکیوں وغیرہ میں صرف کرتے ہیں۔

۶۔ ان میں قسم قسم کے جواہرات کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں جنہیں وہی جانتا ہے جس نے اپنے علم قدیم سابق کے ذریعے سے ان کو باندازہ معین ونصب کر دیا ہے۔

معدنیات کا بیان

مفضل! ان معدنوں کو، جو ان سے مختلف قسم کے جواہر نکلتے ہیں، ان پر غور وفکر کرو! مثلاً گچ، چونا، جپسم (ایک قسم کا چونا ہے جو گچ کے کام آتا ہے)۔ ہڑتال مردار سنگ، پارہ، تانبا، رانگہ (رانگا)، چاندی، سونا، زبرجد، یاقوت، زمرد اور انواع و اقسام کے پتھر اور علیٰ ہذا القیاس، ان سے تارکول، مومیائی، گندھک، نفت (ایک قسم کا مٹی کا تیل ہے۔) نمک وغیرہ نکلتے ہیں جنہیں لوگ اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

کیا یہ بات کسی عقلمند سے پوشیدہ ہے کہ یہ تمام ذخیرہ آدمیوں ہی کے لیے جمع کیا گیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے جسے وہ نکال نکال کر اپنی ضروریات کے وقت استعمال کرتا ہے؟

پھر یہ بھی کہ آدمیوں نے جو یہ حرص کیا کہ ہم سونا چاندی بنالیں اور اس میں کوشش صرف کی، ان کو کچھ بن نہ آئی اور تدبیران کی قاصر رہی۔ ورنہ اگر یہ لوگ جیسا چاہتے تھے پا جاتے اور اس کا علم ان کو حاصل ہو جاتا تو لامحالہ یہ علم ظاہر ہو جاتا اور ہر چار طرف پھیل جاتا، پھر تو چاندی سونا اس کثرت سے بننے لگتا کہ لوگوں کے نزدیک اس کی قدر و قیمت ہی نہ باقی رہتی اور جو فائدہ خرید و فروخت اور معاملات میں اس سے پہنچتا ہے وہ فوت ہو جاتا۔ نہ بادشاہ کے پاس مال ہی آتا اور نہ کوئی اپنی اولاد کے واسطے ذخیرہ ہی کرتا۔

بایں ہمہ یہ بھی ہوا کہ آدمیوں کو تانبے (اور جست کو ملا کر) پیتل، ریت سے شیشہ، رانگے سے چاندی اور چاندی سے سونا وغیرہ بنانے کی تدبیر و ترکیب بتا دی گئی ہے جن میں کچھ مضرت نہیں ہے (کیونکہ ایسے جاننے والے اور کرنے والے کم ہیں جن کی وجہ سے ضرر عام نہیں ہے اور نہ اس سے نظام عالم میں خلل واقع ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر عام طور پر ہر شخص سونا، چاندی بنا لیا کرتا، تو اولاً یہ ایک بے قدر چیز ہو جاتی۔ دوسرے یہ کہ معاملات وغیرہ میں اس سے مدد نہ لی جاتی، تیسرے یہ کہ کوئی اس کو ذخیرہ نہ کرتا۔ کیونکہ ہر شخص اس کا بنانا جانتا۔ کیا ایسی عزیز چیز ہے جس کو ذخیرہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ نقصانات لوگوں کو پہنچتے)

دیکھو کہ جس میں کچھ نقصان نہ تھا وہ تو ان کو بتا دیا گیا ہے اور جو نقصان رساں تھا (عام طور پر ہر شخص کا کیمیا گر ہو جانا) وہ انہیں نہ بتایا گیا۔

اگر کوئی شخص کسی کان میں داخل ہو تو اسے ایسی بڑی بڑی ندیاں دکھائی دیں گی جن میں برابر کثرت سے پانی بہہ رہا ہے نہ ان کی تہہ معلوم ہو سکتی ہے اور نہ ان کے عبور کرنے کی کوئی تدبیر ہے اور اس کے بعد اسے چاندی کے پہاڑ ہی پہاڑ سے کھڑے ہوئے ملیں گے۔

غور کرو کہ اس میں خالق حکیم کی کیا حکمت و تدبیر ہے۔ اس نے یہ چاہا ہے کہ

Presented by Ziaraat.Com

بندوں کو اپنی قدرت اور اپنے خزانوں کی وسعت دکھا دے تاکہ وہ جان لیں کہ اگر پروردگار چاہے کہ ہمیں پہاڑوں کے بقدر چاندی عطا کر دے تو کر سکتا ہے لیکن اس میں ان کے لیے کچھ بہبودی نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس میں وہی خرابی واقع ہوتی جو ہم نے بیان کی ہے کہ ان جواہرات کی قدر لوگوں کی نگاہوں میں نہ رہتی اور ان سے بہت کم فائدہ اٹھاتے۔

اسے اس طرح سمجھو کہ کوئی نئی چیز جسے آدمی ایجاد کرتا ہے۔ مثلاً ظروف یا دوسرے اسباب جب تک کہ وہ نئی چیز کمیاب و نادر الوجود رہتی ہے تب ہی تک نفیس و گرانقدر اور گراں قیمت ہوتی ہے اور جب عام ہو کر لوگوں کے ہاتھ آ جاتی ہے تو بے قدر ہو کر کم قیمت ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اس وقت تک نفیس سمجھی جاتی ہے جب تک کمیاب ہو۔

نباتات کا بیان

مفضل! ان نباتات اور ان کی انواع و اقسام کی ضرورتوں پر غور کرو۔ پھل تو غذا کے کام آتے ہیں۔ خشک گھاس جانوروں کی خوراک ہے۔ لکڑی جلانے اور نجاری (بڑھئی) وغیرہ کے کام آتی ہے۔ چھال، پتیاں، موٹی اور پتلی جڑیں اور گوند طرح طرح کے فائدوں کے لیے ہیں۔

دیکھو! اگر یہ پھل جنہیں ہم اپنی غذا میں صرف کرتے ہیں، ایک ہی جگہ کہیں زمین پر مل جاتے اور ان شاخوں میں نہ لگتے جو ان کی حامل ہوتی ہیں، تو ہماری زندگی کے امور میں کس قدر خلل واقع ہوتا۔ اگرچہ غذا تو بہم پہنچ جاتی مگر لکڑی کے تختے وغیرہ، خشک گھاس اور تمام ان چیزوں میں بھی جنہیں ہم نے بیان کیا ہے بہت بڑے بڑے فائدے ہیں اور نہایت قابل قدر و وقعت ہیں (وہ کہاں سے ہاتھ آتے، اگر پھل، بغیر درخت کے کسی ایک جگہ زمین پر رکھے ہوئے مل جایا کرتے۔)

علاوہ بریں، نباتات میں اس کے حسن منظر اور شادابی سے وہ لذت و فرحت

Presented by Ziaraat.Com

حاصل ہے جس کے برابر تمام جہان میں مناظر اور حسن نظر جیسی کوئی چیز نہیں (درختوں کی سبزی دیکھ کر آنکھوں میں خنکی پیدا ہوتی ہے دل کو فرحت ہوتی ہے، طبیعت کی پژمردگی رفع ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔)

مفضل! اس افزائش کو خیال کرو جو زراعت میں قائم کی گئی ہے کہ ایک دانے سے سو دانے اور کچھ کم و بیش بھی پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ (عقلاً) تجویز یہ کیا جاتا ہے کہ ایک دانے سے ایک ہی دانہ پیدا ہو سکے گا۔ تو پھر کیوں اس قدر افزائش ہو جاتی ہے، اسی لیے تاکہ غلے میں وسعت ہو جائے کہ بیج ڈالنے کے بھی کام آئے جو کاشتکاروں کے لیے آئندہ فصل کی خوراک کا بھی سامان رہے۔

دیکھو! جب کوئی بادشاہ کسی شہر کو آباد کرنا چاہتا ہے تو وہ یہی طریقہ اختیار کرتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو اس قدر غلہ دیا جائے کہ جس سے بیج بھی بویا جا سکے اور زراعت کے تیار ہو جانے تک غذا میں بھی استعمال کیا جا سکے۔

دیکھو! یہ مثال کس طرح حکیم مطلق (یعنی باری تعالیٰ عزاسمہٗ) کی تدبیر میں پہلے ہی گزری ہے کہ زراعت میں اس قدر افزائش ہونی چاہیے، تاکہ غذا اور کاشت دونوں کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکے۔

علیٰ ہذا القیاس، درخت، نباتات اور نخل خرما کا حال ہے کہ کثرت سے ان میں پھل لگتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جڑ تو ایک ہی ہے مگر اس کے چاروں طرف کتنے اس کے بچے (شاخیں) ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟

اسی لیے، تاکہ لوگ اسے توڑ کر اپنی ضروریات میں استعمال کریں، اور دوبارہ اس کا بیج زمین میں بویا جا سکے۔ اگر ایک ہی جڑ رہ جاتی، اس میں شاخیں نہ پھوٹتیں اور یہ افزائش نہ ہوتی تو بالکل ممکن نہ ہوتا کہ کسی کام یا بونے کے لیے اس میں سے کوئی چیز توڑی جائے۔ پھر

Presented by Ziaraat.Com

اگر نا گہانی بلا آ جاتی تو اصل ہی فنا ہو جاتی اور اس کے قائم مقام دوسرا درخت نہ ہو سکتا۔

(لہٰذا ایسا مقرر کیا گیا کہ ان کے بیج یا شاخیں آئندہ ایسے ہی درخت پیدا کرنے کے کام میں آتی رہیں۔ ان میں یہ طاقت دی گئی ہے کہ ویسے ہی درخت اگائیں تا کہ اخراج مثل کا قاعدہ جاری رہے اور درختوں کی نسل قطع نہ ہو۔)

مفضل! مسور، ماش، باقلا وغیرہ دالوں کے پیدا ہونے پر بھی خیال کرو، کہ یہ تمام دالیں ایک ایسی چیز کے اندر پیدا ہوتی ہیں جو مثل پھلی کے ہوتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ ان کو سخت اور مستحکم ہونے تک آفتوں سے حفاظت کرے جیسا کہ مشیمہ (جھلی جس میں بچہ ماں کے شکم میں لپٹا ہوا ہوتا ہے) جنین کے اوپر اسی غرض سے لپٹا ہوا ہوتا ہے کہ اسے ہر قسم کے صدمے سے محفوظ رکھے) لیکن گیہوں اور اس کے مشابہ جو دانے ہیں وہ تہہ بہ تہہ ان سخت چھلکوں کے اندر ہوتے ہیں جن کے سروں پر بالیوں کی نوکیں برچھی کی طرح تیز نکلی ہوتی ہیں تا کہ پرندوں وغیرہ کو اس سے باز رکھیں اور کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ دانے حاصل ہو سکیں۔ اگر یہ تیز نوکیں ان پر نہ ہوتیں تو پرندے بالیاں توڑ لیا کرتے اور کاشتکار بیچارے دیکھتے رہ جاتے)۔

اگر کوئی معترض کہے کہ پرندے گیہوں وغیرہ کے دانوں کو کیا نہیں پا سکتے؟ تو اس کو جواب دیا جائے گا، کہ ہاں! پا تو سکتے ہیں اور یہی ان کے لیے مقدر و معین بھی کیا گیا ہے۔

کیونکہ پرندے بھی خدائے تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور ان کے لیے بھی پروردگار عالم نے زمین کی پیداوار میں سے ایک حصہ قرار دیا ہے لیکن یہ دانے ان پردوں میں اس لیے محفوظ کیے گئے ہیں کہ پرندے ان پر پورا قبضہ نہ پا سکیں، جس سے ان کو خواہ مخواہ توڑ کر خراب کریں اور زیادہ نقصان کر دیں۔ کیونکہ اگر یہ پرندے دانوں کو کھلا ہوا پاتے اور ان کو پر کوئی محافظ نہ دیکھتے تو دانوں پر ٹوٹ پڑتے اور تباہ و برباد کر ڈالتے، جس سے

Presented by Ziaraat.Com

یہ خرابی بھی لاحق ہو جاتی کہ پرندوں کو بدہضمی ہو جاتی اور وہ مر جاتے۔

دوسرے یہ کہ کاشتکار بیچارے اپنے کھیتوں سے خالی ہاتھ واپس آتے...... لہٰذا یہ حفاظتیں ان دانوں پر قائم کی گئیں، تاکہ انہیں بچائے رکھیں۔ اب اگر پرندے اس سے پاتے بھی ہیں تو حسب ضرورت، جس سے اپنی مقررہ قوت حاصل کر سکیں اور انسانوں کے لیے بھی بچ رہے کیونکہ وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اس لیے کہ انہیں کی کوششوں سے سب پیداوار لہلہاتی ہے۔

درختوں اور قسم قسم کے نباتات کی پیدائش کی حکمت پر غور کرو۔ چونکہ ان کو مثل حیوانات کے غذا کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ مگر حیوانوں کی طرح ان کے نہ منہ ہیں نہ قوت ارادہ و حرکت، جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کی سعی کر سکیں۔

لہٰذا ان کی جڑیں زمین میں مضبوط قائم کی گئیں تاکہ ان کے ذریعے سے اپنی غذا لے کر شاخوں اور پتیوں اور پھلوں تک پہنچائیں۔ زمین ان کے لیے مثل ماں کے ہے اور جڑیں بجائے منہ کے ہیں جن سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں جیسے حیوانات کے بچے اپنی ماؤں کے پستانوں کو منہ میں لے کر دودھ پیتے ہیں۔

تم دیکھتے نہیں کہ، خیموں اور چھولداریوں کی عمودیں کس طرح سے طنابوں سے باندھ کر ہر طرف سے کھینچ دی جاتی ہیں تاکہ خیمے سیدھے کھڑے رہیں۔

علیٰ ہذا القیاس، تم ہر ایک نبات کو بھی ایسا ہی پاؤ گے کہ ان کی جڑیں زمین کے اندر ہر طرف پھیلی رہتی ہیں تاکہ درختوں کو پکڑے رہیں اور قائم رکھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے کھجور وغیرہ کے درخت آندھیوں میں کیسے کھڑے رہ سکتے تھے۔

دیکھو! کہ خلاق دو عالم کی حکمت و صناعت (خیمہ بنانے) کی حکمت سے کیوں کر سابق ہو گئی۔ وہ تدبیر جیسے کاریگر خیموں اور چھولداریوں کے قائم رکھنے میں صرف کرتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں یعنی درختوں کی حکمت پر انسانوں نے اپنی ضروریات زندگی اوّلین چیز کو منحصر کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صنعت اس خلقت سے عبارت ہے جس پر اشجار کو قائم کیا گیا ہے۔

مفضل! پتوں کی پیدائش کو غور سے دیکھو! تمہیں ان کے اندر جڑوں کی طرح رگیں پھیلی ہوئی معلوم ہوں گی جو پتوں کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور بعض باریک ہوں گی جو ان موٹی رگوں کے درمیان سے گزرتی ہیں نہایت ہی مضبوط و باریک بنی ہوئی ہیں۔ جن کو اگر کوئی انسان بنانا چاہے تو ہرگز ان جیسی نہیں بنا سکتا۔ علاوہ اس کے آلات، حرکت، تدبیر اور کلام کی ضرورت ہوتی۔ (ایک دوسرے سے مشورہ کرتے کہ کس طرح بنائی جائیں وغیرہ)۔

یہاں دیکھو تو فصل بہار کے چند ہی دنوں میں اس قدر پتیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ تمام پہاڑ اور نشیبی مقامات اور زمین کے تمام قطعات بلا حرکت اور بغیر بولے چالے (بغیر کلام کیے) صرف ایک ارادے کے ذریعے سے جو تمام چیزوں میں نافذ ہے اور صرف ایک حکم لازم الاطاعت سے بھر جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ان باریک رگوں کی علت وسبب کو بھی معلوم کر لو۔ یہ اس لیے ان پتیوں کے اندر داخل کی گئی ہیں کہ اسے سیراب رکھیں اور پانی کو ان تک پہنچائیں، جیسے جسم کے اندر کی رگیں صرف اس لیے پھیلی ہوئی ہیں تاکہ ہر جزو کو غذا پہنچاتی رہیں۔

پتیوں کی موٹی رگوں میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی صلابت اور مضبوطی کے ذریعے سے پتیوں کو مضبوط پکڑے رہتی ہیں تاکہ پھٹ نہ جائیں دیکھو! یہ پتیاں ان مصنوعی پتیوں سے بہت مشابہ ہیں جو کپڑوں کے پارچوں وغیرہ سے (تراش) کر بنائی جاتی ہیں اور جن میں طول وعرض لمبی لمبی سینکیں لگائی جاتی ہیں تاکہ اس کو پکڑے رہیں اور وہ ہلنے جلنے نہ پائیں۔

Presented by Ziaraat.Com

پس صناعت (ہاتھ سے پتیوں کا بنانا) خِلقت (خدائی ساخت) کی ایک نقل ہے اگر چہ اس کی پوری حقیقت تک پہنچنا محال ہے (لوگوں نے کپڑے اور کاغذ وغیرہ کے کیسے کیسے گل بوٹے جھاڑ، بیل درخت بنائے مگر ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' مصنوعی چیز حقیقت سے بہت دور ہوتی ہے۔ اوّل تو نقل ہی پورے طور پر مشابہ اصل کے نہیں ہوتی۔ دوسرے فطری قوی نہیں آسکتے جن سے اصلی درختوں کی حیات ہے)۔

اس گٹھلی اور بیج کی علت کو خیال کرو، کہ یہ پھل کے اندرونی حصے میں قرار دی گئی ہے تا کہ اگر کوئی چیز اصل درخت کو فنا کر دے تو یہ اس کے قائم مقام ہو سکے جیسے کوئی نہایت ہی نفیس چیز جس کی ضرورت بہت پڑتی ہو کئی کئی مقاموں پر رکھ دی جاتی ہے تا کہ اگر کوئی حادثہ ایک مقام رونما ہو جائے تو وہ شے دوسرے مقام پر دستیاب ہو سکے (اسی طرح یہ گٹھلیاں اور بیج ہزاروں پھلوں کے اندر پیدا کر دیے گئے تا کہ وقت ضرورت کام آسکیں)۔

پھر یہ بھی ہے کہ اپنی صلابت اور سختی سے پھلوں کی نرمی و رقت کو نہیں روکتے۔ اگر یہ بیج اس کے اندر نہ ہوتے تو یہ پھل پھٹ جاتے اور ان میں جلد ہی خرابی پیدا ہو جاتی۔

بعض بیج اور گٹھلیاں ایسی بھی ہیں کہ کھائی جاتی ہیں اور ان سے تیل بھی نکالا جاتا ہے جو مختلف مصلحتوں میں کام آتا ہے اور جب تم کو گٹھلی اور بیج کی ضرورت اور غرض معلوم ہو گئی تو اس پر غور کرو کہ چھوارے کی گٹھلی کے اوپر مغز خرما اور انگور کے بیج کے اوپر مغز انگور کیا چیز ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے اور اس شکل پر کیوں نکلتا ہے؟ حالانکہ ممکن تھا کہ اس کے قائم مقام وہ شے پیدا ہوتی جو کھانے میں استعمال نہ ہوتی جیسے سرو اور چنار وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اسی لیے تو لذیذ کھانے کی چیزیں اس کے اوپر پیدا ہوتی ہیں کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے۔

درختوں میں جو اور کئی قسم کی حکمتیں رکھی گئی ہیں ان پر غور کرو۔

تم انہیں دیکھو گے کہ ہر سال ان پر ایک مرتبہ خزاں آتی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ ان

Presented by Ziaraat.Com

کی حرارت غریزہ شاخوں میں جمع ہو جاتی ہے اور اس کے اندر پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان پر بہار آتی ہے اور پتیاں نکل آتی ہیں اور تمہیں طرح طرح کے پھل اور میوے دیتے ہیں۔ جیسے تم کبھی اپنے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھتے ہو جنہیں اپنے ہاتھ سے باری باری پکایا ہو (اسی طرح یہ مختلف قسم کے پھل ہیں)۔ تو دیکھو کہ شاخیں اپنے اپنے پھل لے کر تمہارے سامنے آتی ہیں گویا وہ تمہیں ان پھلوں کو اپنے اپنے ہاتھ سے دے رہی ہیں۔

اور تم پھولوں کو دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے اپنی شاخوں پر آتے ہیں گویا وہ خود اپنے تئیں تمہارے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہ کس کا اندازہ قائم کیا ہوا ہے کس نے ایسا بنایا ہے؟ اسی نے جو مقتدر و حکیم ہے اور غرض کیا ہے؟ یہی کہ آدمی ان پھلوں اور پھولوں میں تفکر کرے۔ تعجب ہے ایسے آدمیوں سے کہ بجائے نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے خود منعم حقیقی ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اس انار پر غور کرو اور دیکھو کہ اس میں کیا عمدہ تدبیر و حکمت ہے؟ تم اس کے اندر یہ دیکھتے ہو، کہ چاروں طرف جمی ہوئی (زرد، زرد دیواریں ہیں جو مثل پردے کے ہیں۔) جھلیاں اور تہ بہ تہ دانے چنے ہوئے کھڑے ہوئے معلوم ہوں جیسے کسی نے اپنے ہاتھ سے چُن دیا ہے اور تم دانوں کو دیکھو گے کہ ہر ایک کئی حصوں پر منقسم ہے۔ اس کا ہر حصہ ایک بنے ہوئے پردے میں لپٹا ہوا ہے جو نہایت ہی عجیب و لطیف طور پر بنایا گیا ہے اور اوپر کا چھلکا ان سب کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے ہے۔

اس صناعی میں حکمت یہ رکھی گئی ہے کہ انار کا مغز صرف دانہ ہی نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کہ صرف دانے ایک دوسرے کو بڑھا نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا یہ جھلی اس کے اندر قائم کی گئی کہ اس کو غذا پہنچایا کرے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ان دانوں کی جڑیں اس جھلی میں کس طرح جڑی ہوئی ہیں، پھر ان پر یہ پردے اس لیے قائم کیے گئے، کہ ان کو سمیٹے اور پکڑے رہیں۔ متحرک نہ

Presented by Ziaraat.Com

ہونے پائیں اور ان سب کے اوپر ایک مستحکم چھلکا اوڑھا دیا گیا، تا کہ آفتوں سے ان کی حفاظت کرتا رہے۔

یہ تو انار کی بہت سی صفتوں میں سے تھوڑی سی صفات کا ذکر کیا گیا ہے اگر چہ اس میں اور بھی بہت سی صفات موجود ہیں جنہیں وہ شخص بیان کر سکتا ہے جسے طول کلام مقصود ہو لیکن، میں نے جس قدر تم سے بیان کر دیا ہے اتنا ہی دلیل اور عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔

مفضل! اس کمزور یقطین (ہر بیلدار درخت جس میں تنا نہ ہو) کو دیکھو! کہ ایسے بڑے بڑے کدو، ککڑی، تربوز کا متحمل رہتا ہے اور اس میں کیا کیا حکمتیں اور تدبیریں ہیں از بسکہ اس کے لیے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ ایسے بڑے بڑے پھل وغیرہ کا متحمل ہوگا تو اس کا درخت (بیل) بھی زمین پر پھیلا ہوا بنایا گیا۔ اور اگر سیدھا درخت ہوتا جیسے زراعت اور اشجار ہوتے ہیں تو یہ ان پھلوں کا متحمل نہ ہو سکتا، اور قبل پختہ ہونے اور ان کے حد تک پہنچنے ہی کے ٹوٹ پڑتا۔

لہٰذا، دیکھو کہ کس طرح زمین پر پھیلتا ہے تا کہ اس پر اپنے پھلوں کا بار رکھے اور اس کی طرف سے زمین ہی ان پھلوں کی متحمل رہے۔ تم دیکھتے ہو گے کہ کدو اور خربوزے کی جڑیں زمین پر بچھی ہوئی ہیں اور اس کے پھل زمین پر اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے کوئی بلی ہے کہ لیٹی ہوئی ہے اور اس کے پھلوں میں اس کے بچے ہیں جو دودھ پی رہے ہیں۔ (یہی بعینہ مثال کدو کے بیل اور اس کے پھلوں کی ہے۔)

غور کرو کہ یہ تمام قسم کی بیلیں انہیں فصلوں میں پیدا ہوتی ہیں جو ان کے لیے مناسب ہے۔ مثلاً سخت گرمی اور حرارت کے اشتعال کے وقت تو کس طرح سے لوگ ان کو نہایت شوق اور خوشی کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور اگر جاڑوں میں پیدا ہوا کرتے تو انسان کو ان سے نفرت ہوتی

Presented by Ziaraat.Com

اور انہیں ناپسند کرتے۔ علاوہ اس کے ان سے جاڑوں کے موسم میں بدنوں کے اندر بیماریاں پیدا ہو جاتیں۔

دیکھو! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ موسم سرما میں ککڑیاں تیار ہو جاتی ہیں، تو لوگ ان کے کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ البتہ وہ حریص آدمی جسے اپنے نقصان اور خرابی کی پروانہیں ہوتی، ضرور کھالیتا ہوگا۔

مفضل! کھجور کے درختوں کو خیال کرو۔ چونکہ ان میں ایسے مادہ درخت ہوتے ہیں جنہیں حمل رکھانے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے واسطے نر بھی پیدا کیے گئے ہیں جو بغیر باغبانی اور بونے کے حمل قائم کر سکیں، تو ان میں سے جو درخت نر ہیں وہ حیوانات کے نروں کے مانند ہیں، کہ دوسروں میں حمل قائم کرتے ہیں خود حامل نہیں ہوتے (درخت خرما کی دو قسمیں ہیں۔ نر اور مادہ۔ جب تک نر کے پھول مادہ پر نہیں ڈالے جاتے تب تک مادہ میں اچھے پھل نہیں لگتے۔ اسی کا نام تدبیر ہے اسی کو تنقیح بھی کہتے ہیں۔ چونکہ اس بات کی شناخت ہندوستانیوں کو نہیں ہے اور نہ وہ مادہ خرما کو مدبر کرنا جانتے ہیں اسی سبب سے جو کھجور کے درخت ہندوستان میں ہیں ان میں اچھے پھل نہیں لگتے۔)

درخت خرما کے تنے کی ساخت پر غور کرو اور دیکھو کہ کیسا بنا ہے؟ تم اسے تانے بانے کی طرح پاؤ گے حالانکہ، اس میں لمبے لمبے دھاگے نہیں ہیں پھر بھی ایسا بنایا گیا ہے جیسے ہاتھ سے کپڑے بنے جاتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ سخت اور مضبوط رہیں، اور نخل ہو جانے کے بعد وزنی خوشوں کا بار اور تیز و تند ہواؤں کے جھونکوں کو برداشت کر لیں اور پورے تنا دار درخت ہو جانے کے بعد چھتوں اور پلوں وغیرہ کے کام آ سکیں؟...... اور تم اس کے اندر دیکھو گے کہ جیسے تانے بانے کے اجزاء ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح طول و عرض میں بھی اس کے اجزاء داخل ہیں۔ اور پھر اس میں اس قسم کا استحکام ہے کہ آلات بنانے کے

Presented by Ziaraat.Com

کام میں آتا ہے۔ اگر اس میں پتھر جیسی سختی ہوتی تو چھتوں وغیرہ میں جہاں لکڑی استعمال کی جاتی ہیں مثلاً دروازے جالیاں، تخت وتابوت اور صندوق وغیرہ کام نہ آسکتے۔

لکڑی میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ پانی پر تیرتی ہے اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہے مگر اس کی قیمت وقدر کو نہیں سمجھتا (کہ اس میں قادر مطلق نے کیا کیا مصلحتیں پنہاں کر دی ہیں) اگر یہ صفت اس میں نہ ہوتی تو بھلا کشتیاں اس سے کیوں کر بن سکتیں جو پہاڑ جیسے بوجھ برداشت کر لیتی ہیں اور انسان کو بآسانی بغیر زیادہ محنت و مشقت کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارتی اسباب کے لے جانے کے لیے کس طرح حاصل ہوتی اور کیسی دشواری ان کو اشیائے تجارت کی باربرداری میں ہوتی، یہاں تک کہ بہت سی چیزیں کسی کسی شہر میں بالکل مفقود ہو جاتیں، یا، یہ کہ بہت مشکل سے دستیاب ہوسکتیں اور زیادہ قیمت میں ملتیں۔

ان جڑی بوٹیوں پر غور کرو، کہ ان میں سے ہر ایک کو کیا کیا خواص عطا کیے گئے ہیں اور بعض دواؤں سے کس قدر اہم کام لیے جاتے ہیں یہ بوٹیاں جوڑوں کے اندر اتر جاتی ہیں اور ان میں سے غلیظ اور فاسد مادوں کو نکالتی ہیں جیسے، شاہترہ ہے اور بعض مرہ سودا کو دفع کرتی ہیں، جیسے افیتمون، بعض ریاح کو تحلیل کرتی ہیں جیسے سکنجبین، بعض ورم کو تحلیل کرتی ہیں، جیسے عنب (الثعلب) علیٰ ہذا القیاس اور بھی ان کے تاثیرات وافعال ہیں۔

کس نے ان میں یہ قوتیں قرار دیں؟ اسی قادر مطلق نے، جس نے ان کو پیدا کیا ہے تاکہ انسان ان سے فائدہ حاصل کریں، اور کس نے آدمیوں کو ان کے سمجھنے کی قوت عطا فرمائی؟ صرف اسی نے کہ جس نے ان تمام دواؤں میں یہ خاصیتیں رکھیں۔ بالفرض اور بخت واتفاق سے کیوں کر یہ باتیں معلوم ہوسکتی تھیں؟ جیسا کہ قائلین بخت واتفاق (دہریے) کہتے ہیں۔

اچھا، اسے (بالفرض) مان لیا جائے کہ انسان ان چیزوں کو اپنے ذہن و ذکاوت،

Presented by Ziaraat.Com

فکر و تجربہ سے سمجھ بھی گیا، لیکن حیوانات انہیں کیوں کر سمجھ گئے؟ (حالانکہ ان میں فہم و ذکاء نہیں ہے) یہاں تک کہ بعض درندے جب زخمی ہو جاتے ہیں تو اپنا علاج بعض بعض جڑی بوٹیوں سے خود ہی کر لیتے ہیں اور تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور بعض پرندے جب انہیں قبض ہو جاتا ہے تو دریا کے پانی سے حقنہ لیتے اور تندرست ہو جاتے ہیں۔ ایسی ہی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔

شاید تم کو یہ شک ہو، کہ صحراؤں اور میدانوں میں جو نباتات پیدا ہوتے ہیں جہاں نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد، ان کا کیا فائدہ ہے؟ بالکل فضول اور بیکار ہیں؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ انہیں وحشیوں کی خوراک ہے اور ان کے دانے پرندوں کی غذائیں ہیں اور ان کی لکڑیاں اور شاخیں ایندھن کے کام آتی ہیں۔ لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔

اس میں اور بھی کچھ باتیں ہیں؛

۱۔ یہ کہ ان سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ کہ ان سے کھال کو دباغت (صاف کرنا) دی جاتی ہے۔

۳۔ یہ کہ ان سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی ان کے مصالح ہیں۔

تمہیں علم نہیں کہ تمام نباتات سے زیادہ ذلیل وحقیر چیز بَرْدی، (ایک قسم کی نبات ہے جو عراق میں پیدا ہوتی ہے) وغیرہ ہے۔ ان میں بھی بہت سے فوائد ہیں:

۱۔ ان سے کاغذ بنائے جاتے ہیں جن کی ضرورت بادشاہوں اور رعایا تک کو ہوتی ہے۔

۲۔ انہیں سے چٹائیاں بنائی جاتی ہیں، جنہیں تمام قسم کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ انہیں کے ڈھکنے بنائے جاتے ہیں جن سے ظروف کو ڈھکتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

ہے انہیں کو شیشے وغیرہ کے ظروف کے اندر جو صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں، بھر دیتے ہیں تاکہ عیب دار نہ ہوں، ٹوٹیں نہیں۔ ایسے ہی اور بھی فوائد ہیں۔

پس عبرت حاصل کرو، ان قسم قسم کے اغراض وفوائد سے جنہیں تم چھوٹے سے جسم اور بڑے سے جسموں میں دیکھتے ہو۔ اور نیز ان چیزوں سے جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور جن کی قدر و قیمت ہے۔ ان سب میں زیادہ بے قدر سرگین و براز (فضلہ) ہے جس کے اندر خساست اور نجاست دونوں ہی جمع ہیں اور پھر ان کی قدر و قیمت اور فوائد پر بھی غور کرو۔ جو فوائد ان سے زراعتوں بقولات اور سبزیوں کو پہنچتے ہیں اور یہ ایسے فائدے ہیں جن کے برابر کوئی فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک تو ہے کہ کوئی ترکاری اچھی اور بہتر ہوتی ہی نہیں جب تک اس میں کھاد نہ ڈالی جائے۔ جسے لوگ گندی چیز سمجھتے ہیں اور اس کے پاس بھی جانے سے نفرت کرتے ہیں۔

یہ بھی جان لو کہ کسی شے کی قدر محض اس کی قیمت ہی سے نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں باتیں دو بازاروں کے لحاظ سے الگ الگ اس کی دو قیمتیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کسب معاش کے بازار میں بے قدر ہوتی ہے اور وہی چیز علم کے بازار میں نفیس سمجھی جاتی ہے۔ (ایک علمی کتاب کا ورق کوئی بڑھئی کیا جان سکتا ہے کہ اس کی قیمت کیا ہے لیکن ایک عالم جان سکتا ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی چیز نہیں، سلطنت بھی اس کی قیمت کے لیے کافی نہیں)۔

ایسا نہ ہونے پائے کہ تم کسی چیز کو اس کی قیمت کے کم ہونے کی وجہ سے بے قدر سمجھو (کیونکہ ہر چیز کا سودا الگ، بازار الگ، خریدار الگ ہیں)۔ دیکھو! اگر کیمیا گروں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ انسان کے گوہ (فضلہ) میں کیا خاصیت ہے تو اس بہت ہی گراں قیمتوں میں خریدنے لگیں اور اس کی قیمت بڑھا دیں۔ (واقعی یہ بات ہے کہ علم کیمیا میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اکثر نسخے اس کے، بغیر انسانی براز (فضلہ) کی مدد کے تیار نہیں ہو سکتے)۔

Presented by Ziaraat.Com

مفضل کہتے ہیں کہ اس موعظت اور گفتگو کے دوران زوال کا وقت آ گیا۔ مولیٰ نماز کے لیے اُٹھے اور مجھے حکم دیا کہ تم کل صبح کو میرے پاس انشاءاللہ آنا۔

میں وہاں سے بہت ہی خوش خوش واپس آیا کہ کیا کیا انکشافات حضرت نے واضح فرمائے اور خدا کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ کیا کچھ نہیں اس نے مجھے (حضرت کے ذریعے سے) مرحمت فرمایا اور یہ شب نہایت ہی سرور کے ساتھ بسر کی۔

Presented by Ziaraat.Com

چوتھی نشست

آپ نے پہلے یہ حمد و نعت فرمائی:

منا التحميد والتسبيح والتعظيم والتقديس للاسم الاقدس والنور والاعظم العلى العلام ذى الجلال والاكرام و منشئى الانام و مفنى العوالم والدُّهور و صاحب السر المستور والغيب المخطور والاسم المخزون والعلم المكنون و صلواته و بركاته على مبلغ وحيهٖ و مودى رسالته الذى انبعثه بشيرا و نذيرا و داعيا الى الله باذنه و سراجاً منيراً ليهلك من هلك عن بينة و يحيىٰ من حىّ عن بينه فعليه و علىٰ آلهٖ من بارئه الصلوٰت الطيبات والتحيات الزاكيات الناميات و عليه و عليهم السلام والرحمته والبركات فى الماضين والغابرين ابدا لابدين ودهر الداهرين و هم اهله و مستحقه

پھر فرمایا:

مفضل! میں نے تم سے خلقت کی دلیلیں اور شواہد درستی تدبیر و ارادہ کی بابت (یعنی ہر چیز اپنے موقع و محل سے نہایت درست پیدا کی گئی اور بقصد و ارادہ خلق ہوئی ہے نہ کہ خود بخود) جو انسان، حیوان، نباتات اور درخت وغیرہ میں ہے۔ ایسی مفصل بیان کر دی ہیں کہ عبرت حاصل کرنے والوں کے واسطے عبرت ہو سکے۔

آفات وحوادث تادیب واصلاح کے لیے ہیں

اب میں تم سے ان آفات و حوادث کا مفصل ذکر کرتا ہوں جو بعض اوقات واقع ہوتے ہیں اور جنہیں ان جاہل لوگوں نے انکار خلق و خالق و عمد و تدبیر کا ذریعہ بنایا ہے (یعنی

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ اس خلقت میں غلطی و خطا ہے اور خالق تبارک و تعالٰی کو جاہل بتاتا ہے۔

اللہ کی ذات عقل و اِدراک سے بالاتر ہے

ان سب سے زیادہ تعجب تو ان معطلہ فرقے والوں پر ہے جو اس بات کے خواستگار ہیں کہ اللہ تعالٰی کو آنکھ سے دیکھ لیں جو عقل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتا، اور جب یہ ممکن نہ ہوا تو انکار ہی کر بیٹھے (کہ عالم کا کوئی خالق نہیں) اور کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتا، عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟

(بھائی اس کا جواب تو یہ ہے) کہ وہ مرتبہ عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ (اس لیے تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔) جیسا کہ آنکھ ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جو اس کی طاقت سے باہر ہیں۔ (اسی طرح عقل بھی اس شے کو نہیں سمجھ سکتی جو ادراک عقل سے بالاتر ہے) اس سے مراد حضرت کی حقیقت ذات خدائے تعالٰی کا علم ہے جو انسانی عقل میں نہیں آ سکتا اور یہ کہ اس کے وجود کا بھی علم محال ہے۔ آخر اتنے موجودات و عجائبات عالم اس کے وجود ہی کے تو دلائل و شواہد ہیں۔

مثلاً، اگر تم کسی پتھر کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو، تو ضرور جان لوگے کہ اسے کسی پھینکنے والے نے پھینکا ہے۔ یہ بات آنکھ سے تو سمجھ میں نہیں آ سکتی بلکہ عقل سے ادراک میں آئی، کیونکہ عقل ہی اس بات کی تمیز کرتی اور جانتی ہے کہ پتھر خود بخود ہوا میں نہیں اڑ سکتا۔ دیکھو تو سہی کہ نظر اس حد پر آ کر ٹھہر گئی اور آگے نہ بڑھ سکی (یعنی نظر نے اس بات کا ادراک نہیں کیا کہ اس پتھر کا کوئی پھینکنے والا ہے، بلکہ عقل نے اسے سمجھا، آنکھ نے تو صرف پتھر کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا تھا)۔

علٰی ہذا القیاس، عقل بھی معرفت خالق عالم میں اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتی لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس عقل نے یہ سمجھا ہے کہ مجھ میں نفس اور جان ہے حالانکہ نفس کو دیکھا نہیں اور نہ

Presented by Ziaraat.Com

کسی دوسرے حاسے نے محسوس ہی کیا۔ وہی عقل خالق کو اسی طور پر پہچانتی اور جانتی ہے جس سے اس کو (وجود خالق) کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس طور پر نہیں معلوم کر سکتی کہ اس کے تمام صفات کا ادراک کرے (جیسے اپنی روح اور اپنے نفس کی حقیقت کا کوئی شخص پورا پورا ادراک نہیں کر سکتا کہ وہ کیا ہے، کس چیز سے بنا ہے؟ البتہ اتنا جانتا ہے کہ مجھ میں روح ہے مگر یہ کہ اس کی حقیقت کیا ہے، اس کا علم نہیں ہو سکتا)۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ بندۂ ضعیف کو اس نے اس بات کا مکلّف ہی کیوں کیا کہ عقل لطیف سے اس کی معرفت حاصل کرے، حالانکہ وہ پورے طور پر اسے نہیں پہچان سکتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو معرفت حاصل کرنے کی اسی قدر تکلیف دی گئی ہے جس قدر ان کے امکان میں ہے اور جہاں تک پہنچنے کی ان کو طاقت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کے وجود ذی جود کا یقین کریں، اس کے اوامر و نواہی پر عمل کریں۔ انہیں یہ تو تکلیف نہیں دی گئی کہ اس صفات (اور ذات) پر احاطہ حاصل کرلیں۔

چنانچہ کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو اس بات کے جاننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ وہ جانیں کہ بادشاہ بلند قامت ہے یا پست قد ہے۔ گورا ہے یا گندمی رنگ کا ہے۔ صرف اس بات کا ان کو مکلّف کرتا ہے کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے اصول پر عمل کریں۔

دیکھو! اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کے دروازے پر آ کر یہ کہے کہ اپنے تئیں میرے سامنے پیش کرو۔ تا کہ میں تجھے اچھی طرح پہچان لوں، ورنہ تیرا حکم نہ مانوں گا تو بیشک اس نے اپنے تئیں کو سزا دلوائی۔ (لامحالہ اس جرأت پر بادشاہ اس کو سزا دے گا۔) اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تو خالق کے وجود کا اقرار ہی نہ کروں گا جب تک اس کی رویت نہ ہو جائے اور اس کی کُنہ و حقیقت کو معلوم نہ کرلوں گا، تو وہ خدائے تعالیٰ کو اپنے سے ناراض کرتا ہے۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ آخر تم اس کے صفات تو بیان کرتے ہو کہ اللہ جواد ہے،

Presented by Ziaraat.Com

حکیم ہے، کریم ہے عزیز ہے وغیرہ؟

تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ صفات اقرار ہیں (یعنی یہ وہ صفات ہیں جن کا اقرار ہم کو لازم ہے)۔ صفات احاطہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ وہ حکیم ہے۔ لیکن ہم اس کی کُنہ کو نہیں جانتے (کہ کس طرح کا حکیم ہے، یہ صفت اس میں کس طور پر ہے اس صفت کی اس کی ذات میں کیا ماہیت ہے) اسی طرح قدیر و جواد وغیرہ صفات ہیں۔ جیسا کہ ہم لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اس کا مادہ کیا ہے، کس چیز سے بنا ہے اور دریا کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ تو ان تمام مثالوں سے بھی لا انتہا بالاتر ہے۔ اس لیے کہ تمام مثالیں اس کی مثال بننے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ہے کہ عقل کو اس کی معرفت کی طرف لے جاتی ہیں (اور رہبری بھی کرتی ہیں)۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اس میں اختلاف ہی کیوں ہے؟

ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ خیالات اس کی عظمت کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور اس کی معرفت کے حاصل کرنے میں اپنی مقدار سے زیادہ تعدی کرتے ہیں۔ اس (خدا) کی پوری حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اس سے (بلکہ) اس سے کم درجہ سے بھی عاجز ہیں۔

اس کی مثال آفتاب ہے جسے تم دیکھتے ہو کہ تمام جہان پر اپنی روشنی ڈالتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت کسی کو بھی نہیں معلوم ہوئی (تو جب ایک معمولی مخلوق (آفتاب) کی حقیقت و ماہیت نہیں معلوم ہو سکتی تو بھلا خالق کی حقیقت کو کوئی کیوں کر جان سکتا ہے؟) اسی وجہ سے اس کی بابت بہت سے قول ہیں۔ اور فلسفیوں نے اس بیان میں اختلاف کیے ہیں کسی نے تو یہ کہہ دیا کہ وہ ایک فلکی جسم خولدار ہے جو آگ سے بھرا ہوا ہے اس میں منہ ہے جس سے روشنی پھیلتی اور شعاعیں نکلتی ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ ایک ابر (سفید) ہے،

Presented by Ziaraat.Com

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ایک شیشہ سے مشابہ جسم ہے۔ ناریت عالم کو قبول کرتا ہے اور پھر اسی ناریت کی شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال وعقیدہ ہے کہ وہ ایک صاف وشفاف ولطیف شے ہے۔ پانی بستہ ہو کر (جم کر) بنا ہے۔

کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ آگ کے بہت سے اجزا ہیں جو ایک مقام پر مجتمع ہو گئے ہیں۔

کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ عناصر اربعہ کے علاوہ یہ ایک اور ہی پانچواں عنصر ہے۔

پھر یہ بھی کہ ان لوگوں نے اس کی شکل (ہیئت) میں بھی اختلاف کیا ہے۔

- بعض کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ ایک چوڑے صفحے کے ہے۔
- دوسروں نے یہ رائے دی ہے کہ آفتاب مثل ایک گیند کے ہے۔
- علیٰ ہذا القیاس اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔
- کسی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ آفتاب زمین کے برابر ہے۔
- دوسروں نے یہ کہا ہے کہ زمین سے چھوٹا ہے۔
- کسی نے یہ کہا ہے کہ اس جزیرۂ عظیمہ (غالباً زمین مراد ہے) سے بڑا ہے۔
- علم ہندسہ والوں نے کہا ہے کہ آفتاب بہ نسبت زمین کے ایک سو ستر درجے بڑا ہے۔

ان کے اس (قدر) اختلاف اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ لوگ اس کی واقفیت اور حقیقت امر پر واقف نہیں ہوئے۔ اور جبکہ اس آفتاب کی حقیقت معلوم کرنے سے عقلیں عاجز رہیں جسے آنکھیں بسا اوقات دیکھتی ہیں اور عقل اسے ادراک کرتی ہے تو اسے کیوں کر محسوس کر سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں جبکہ جو چیز جس سے محسوس ہی نہیں ہو سکتی اور وہم و

Presented by Ziaraat.Com

خیال سے مخفی و مستتر ہے۔

پھر اگر کہیں کہ آخر کیوں مخفی و پوشیدہ ہے؟

ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ وہ کسی تدبیر و حیلے سے مخفی نہیں ہوا، وہ اس طرح پوشیدہ نہیں ہے جیسے کوئی دروازوں اور پردوں کے پیچھے آدمیوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانے کے لیے مستتر ہوتا ہے، کہ ہم جو کہتے ہیں کہ وہ (خدائے تعالیٰ) نگاہوں سے پوشیدہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تک وہم و خیال نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ان کے ادراک سے زیادہ لطیف ہے (جیسے نفس (نفسِ ناطقہ، روح) لطیف ہے (اور اسی لطافت کی وجہ سے آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔ ہوا بھی لطیف ہے جو محسوس ہوتی ہے لیکن آنکھ کی بینائی اسے دیکھنے سے قاصر و عاجز ہے) حالانکہ یہ سب چیزیں مخلوقات خداوندی میں سے ہیں پھر بھی وہم و خیال کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ (جس خالق کی مخلوق ادراک انسانی سے بالاتر ہو بھلا وہ خود کسی کے وہم و خیال میں کیسے آ سکتا ہے)؟

اب اگر وہ کہیں کہ وہ لطیف ہی کیوں ہے، حالانکہ وہ اس سے زیادہ بالاتر ہے؟

یہ سوال نہایت ہی غلط ہوگا کیونکہ جو خدا تمام اشیاء کا خالق ہے اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ہر شے سے مبائن و مغائر (غیر) ہو اور ہر چیز سے بالاتر ہو۔ سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالیٰ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا مبائن و بالاتر ہونا تمام اشیاء سے کیوں کر معلوم ہوا؟ تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ کسی شئے کے معلوم کرنے کا حق چار طریقوں سے پورا ہوتا ہے:

۱۔ یہ کہ دیکھا جائے، آیا وہ شے موجود ہے یا موجود نہیں ہے؟

۲۔ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ شے فی نفسہٖ و فی حدِ ذاتہٖ کیا چیز ہے؟

۳۔ یہ کہ وہ شے کیوں کر ہے اور اس کی صفت کیا ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

۴۔ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس وجہ اور کس سبب سے ہے؟

ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جس کو کوئی مخلوق اپنے خالق کے متعلق پورے طور پر معلوم کر سکے۔ سوائے اس کے کہ اس قدر جان لے کہ وہ موجود ہے۔ بس (اور اس سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا کہ خدائے تعالیٰ کیا چیز ہے؟)

اب اگر ہم یہ کہیں کہ وہ کیوں کر ہے اور کیا چیز ہے؟ تو اس کی کُنہ کا جاننا اور اسے کامل طور پر سمجھنا محال ہے لیکن یہ کہنا کہ کیوں اور کس سبب سے ہے؟ تو یہ سوال خدائے تعالیٰ کی صفت میں بالکل ساقط (اور غلط ہے) اس سبب سے کہ وہ جلّ شانہٗ ہر چیز کی علت ہے اور اس کا سبب بھی ہے۔ کوئی اور شے اس کی علت اور سبب نہیں ہے (بھلا اس میں کیوں اور کس طرح کو کیا دخل ہو سکتا ہے۔)

جب آدمیوں نے اس قدر معلوم کر لیا ہے کہ وہ (خدائے تعالیٰ) موجود ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ یہ بھی جان لیں کہ وہ کیا چیز ہے اور کیوں ہے نفس و روح کا جاننا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چیز ہے اور کیوں کر ہے (کیوں کر ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ ہم میں روح و نفس موجود ہے۔ مگر آج تک کسی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ نفس و روح کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی واقعی کیفیت کیا ہے؟)

علیٰ ہذا القیاس، دیگر روحانی لطیف اشیاء ہیں۔ (کہ ان کا وجود تو معلوم ہے مگر حقیقت ان کی کسی نے اب تک نہ جانی۔ اسی طرح پروردگار عالم کا وجود تو معلوم ہو گیا مگر اس کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ وہ کسی حاسے سے محسوس نہیں ہو سکتا۔)

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ تم اس کی عدم معرفت (بہ سبب تصور علم کے) کی نسبت کیا بیان کرتے ہو گویا وہ ایک نامعلوم چیز ہے۔

تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ ایک راہ سے تو واقعی ایسا ہی ہے (یعنی) جبکہ عقل

اس کی کنہ وحقیقت کی معرفت اور واقفیت کا علم حاصل کرنا چاہے (تو ضرور وہ اس راہ سے بالکل نامعلوم ہے) اور دوسری راہ سے وہ ہر قریب سے بھی زیادہ قریب ہے جبکہ دلائل شافیہ کے ذریعے سے اس کے وجود پر استدلال کیا جائے گا (تو اس کا وجود ایسا ثابت ہے، گویا وہ ہمارے سامنے ہی موجود ہے اور واقعاً ہے بھی ایسا ہی)۔ پس ایک جہت سے تو وہ واضح وروشن ہے اور کسی پر بھی مخفی نہیں ہے (علم من حیث الوجود) اور ایک جہت سے بالکل غامض (دھوکا یا ناقابل فہم) ہے کہ اسے کوئی بھی ادراک نہیں کرسکتا۔ (من حیث الحقیقہ والماہیئتہ) یہی حال عقل کا بھی ہے کہ شواہد ودلائل سے اس کا وجود معلوم ہے مگر اس کی ذات (وحقیقت) مخفی ہے۔

مگر اصحاب طبائع (نیچری، جن کا مدار صرف ظاہری سائنس پر ہے) تو یہ کہتے ہیں کہ طبیعت کوئی ایسا فعل کرتی ہی نہیں جو بے معنی اور بیکار ہو اور نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑتی ہے جس سے کسی چیز کا کامل ہونا فی حد ذاتہ و طبیعتہ ہوتا ہو۔

انکا یہ خیال ہے کہ امتحان (وتجربہ) اس پر شاہد ہے (کہ دراصل فاعل وخالق اشیاء طبعیت ہے اور وہی ہر چیز کو بطور اکمل پورا کردیتی ہے۔)

ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ کس نے طبعیت کو یہ حکمت اور تمام اشیاء کے حدود پر اطلاع بخشی ہے بغیر اس کے کہ کسی کام کے حد اعتدال وقابلیت سے قدم آگے نہ بڑھائے (اور جو کرے وہ بالکل باقاعدہ اور درست ہی ہوا کرے) حالانکہ، یہ ایک ایسی بات ہے کہ عقلوں کو بہت سے تجربوں کے بعد بھی نہیں حاصل ہوتی (اور طبیعت غیر مدرکہ نے بغیر کسی تجربے اور امتحان کے ایسے محکم ومنضبط باتدبیر وحکمت افعال کرنے شروع کردیے، یہ بالکل ہی خلاف قیاس ہے۔)

پس اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت حکیم ہے اور ایسے افعال پر قادر ہے تو انھوں نے جس کا

Presented by Ziaraat.Com

انکار کیا تھا اسے مان لیا، کیونکہ یہی تو خالق کی بھی صفت ہے (کہ وہ حکیم و قادر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اس کا نام طبیعت رکھتے ہیں اور ہم اس کو اللہ، معبود، حکیم، قادر وغیرہ کہتے ہیں)۔

اور اگر وہ اس بات سے انکار کر دیں (کہ طبیعت میں حکمت و قدرت پائی جاتی ہے) تو یہ حکیمانہ خلقت بلند آواز سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ ضرور یہ کسی ایسے خالق کا فعل ہے جو بڑا حکمت والا ہے۔ (کیونکہ جب طبیعت حکیم و قادر نہ ہوئی تو ضرور یہ افعال کسی حکیم ہی کے ہوں گے کیونکہ وہ حکمت وتدبیر سے بھرے ہوئے ہیں۔)

قدماء میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو عمد و تدبیر کے منکر تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اشیاء عالم بالعرض و بالاتفاق پیدا ہو گئی ہیں۔ (یعنی بلا ارادہ اتفاقاً پیدا ہو گئی ہیں۔ جیسے کسی کو زمین کھودنے سے اتفاقاً خزانہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ کھودنے والے کا ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ خزانے کی غرض سے زمین کھود رہا ہو) ان کی دلیل یہ تھی کہ عورتوں سے بچے خلاف عادت پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے بچہ کبھی چھ انگلیوں کا پیدا ہوتا ہے کبھی عضو ناقص کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یا بدہیئت مبدل الخلق ہوتا ہے۔ اس کو انہوں نے اس بات کی دلیل ٹھہرائی تھی کہ اشیاء عالم کسی کے ارادہ و تدبیر سے وقوع پذیر نہیں ہوئیں (کیونکہ مدبر و مرید ایسا نہیں کر سکتا کہ کسی بچے میں پانچ انگلیوں کی بجائے چھ پیدا کر دے، کسی میں ایک سر کے ساتھ دوسرا سر بھی پیدا کر دے۔ کسی کو ایک ہی ہاتھ کا اور کسی کو چار ہاتھوں کا پیدا کر دے) بلکہ محض بالعرض اور اتفاقی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔

ارسطا طالیس نے ان کے کلام کو (اسی زمانے میں) رد کر دیا تھا۔ اس نے یہ جواب دیا تھا: ''کہ جو چیز کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتی ہے اس کے کچھ خاص خاص اسباب ہوتے ہیں جو طبیعت کو عارض ہو جاتے ہیں اور اس کو اس کے اصلی افعال سے ہٹا دیتے ہیں۔'' (مثلاً قوت مولدہ جو رحم میں ہوتی ہے اس کا بہ سبب اپنی کمزوری کے کامل صورت پیدا کرنے سے قاصر

Presented by Ziaraat.Com

رہنا، یا کثرتِ حرارت اور اضطرابِ فعل کی وجہ سے ایک کی جگہ دو کا ہو جانا وغیرہ) تو وہ اتفاق بھی بمنزلۂ امور طبعیہ کے نہیں ہو سکتا جو ایک ہی طور پر برابر ہمیشہ جاری رہے حالانکہ اے مفضل! تم قسم قسم کے حیوانات کو دیکھتے ہو کہ اکثر ایک ہی صورت اور ایک ہی قانون پر چلے جاتے ہیں۔ مثلاً انسان ہی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے دو ہاتھ ہوتے ہیں، دو پاؤں ہوتے ہیں، پانچ انگلیاں ہوتی ہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں میں موجود ہے۔ مگر (کبھی کبھی) جو اس کے برخلاف ہو جاتا ہے وہ کسی علت کی وجہ سے ہو جاتا ہے جو رحم یا مادے میں ہوتی ہے جس سے جنین بنتا ہے جیسے صنعتوں میں ہوتا ہے کہ کاریگر تو چاہتا ہے میں اس چیز کو ٹھیک اور باقاعدہ بناؤں مگر اس کے اوزاروں میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے (تو اس کی صنعت میں عیب رہ جاتا ہے)۔

اسی طرح حیوانات کے بچوں میں بھی کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ (جنہیں ہم نے بیان کیا) جن سے بچہ ناقص یا زائد یا بدہیئت پیدا ہوتا ہے اور اکثر باقاعدہ اور درست پیدا ہوتے ہیں جن میں کوئی عیب یا نقص نہیں ہوتا)۔

پس جس طرح بعض کاموں میں کسی سبب سے کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے مگر موجب اہمال نہیں ہوتی اور نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا کوئی صناع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض امور جو افعال طبعیہ میں کسی مانع و حارج کی وجہ سے واقع ہو جاتے ہیں وہ بھی اس بات کا سبب نہیں ہو سکتے کہ کُل کے کُل اتفاقاً پیدا ہوئے ہوں۔ پس جو شخص کسی امر کے برخلاف طبعیت (وقانونِ فطرتِ ظاہری) ہو جانے کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ تمام چیزیں بخت و اتفاق سے پیدا ہو گئی ہیں اس کا یہ کلام غلط اور فاسد ہے۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اشیاء عالم میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض ناقص اور بعض تام پیدا ہوتے ہیں؟

Presented by Ziaraat.Com

ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ اس لیے ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اشیاء عالم کا وجود طبیعت کی مجبوری کے سبب سے نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر طبیعت کی طرف سے ہو تو سب میں مساوات ہی ہو۔ جیسا کہ ان کہنے والوں نے کہا ہے بلکہ خالق حکیم کے ارادے اور تقدیر سے ایسا ہوا ہے کہ اس نے طبیعت کو ایسا بنایا کہ اکثر تو ایک ہی قاعدہ اور قانون پر چلا کرے اور کبھی کسی سبب سے اس قانون سے ہٹ بھی جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ طبیعت بھی کسی غیر کے تصرف میں ہے۔ اس میں کسی غیر کی تدبیر و حکمت نے کام کیا ہے۔ یہ بھی کسی اپنے حد کے کمال تک پہنچنے اور اپنے عمل کو پورا کرنے میں خالق کے پیدا کرنے اور اس کی قدرت کی محتاج ہے۔

تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

مفضل! میں نے جو تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور جو میں نے بخشا ہے (تعلیم کیا ہے) اسے یاد کر لو۔ اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو۔ اور اس کی نعمتوں پر حمد بجا لاؤ، اس کے دوستوں کی اطاعت کرو۔

میں نے تم سے عالم کے مخلوق ہونے کی دلیلیں اور درستی تدبیر اور ارادے کے شواہد بہت سے میں سے تھوڑا سا اور کُل میں سے ایک جز، بیان کیا ہے۔ اسے خیال میں رکھو اور اس میں غور و فکر کرو، اس سے عبرت حاصل کرو۔

مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی مولیٰ! انشاء اللہ آپ کی مدد سے میں اس امر پر قادر ہوں گا، اور اس مطلب تک پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت آپؑ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور فرمایا، احفظ بمشیة الله و لا تنس انشاء الله تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا (اس کے سبب کو علم نفس والے خوب سمجھیں گے) جب میں ہوشیار ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

''مفضل! اب تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟''

Presented by Ziaraat.Com

میں نے عرض کی اپنے مولیٰ کی مدد اور تائید سے اس کتاب سے میں مستغنی ہو گیا جسے میں نے لکھا اور ایسا مجھے حفظ ہو گیا ہے گویا میں اسے اپنی انگلیوں کے لکھے ہوئے سے پڑھ رہا ہوں۔

پس میری مولیٰ! (خدائے تعالیٰ) ہی کے لیے شکر و حمد ہے جس کا بس وہی مستحق ہے اور جیسا مستحق ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: مفضل! اپنے دل کو مطمئن کر لو اور اپنے دماغ و عقل و اطمینان کو مجتمع کر لو تو میں انشاء اللہ تم سے ملکوت، آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان اور ان کے اندر خدائے تعالیٰ نے عجائب مخلوقات اور اقسام و صفوف ملائکہ پیدا کیے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک ان کے مقامات و مراتب مقرر کیے ہیں اور تمام مخلوقات جن و انس سے لے کر زمین کے ساتویں طبقے اور تحت الثریٰ تک سب بیان کر دوں گا تا کہ (تمہیں معلوم ہو) کہ جو کچھ تم نے اس وقت یاد کر لیا ہے وہ بہت سے جزوں میں سے ایک جز ہے۔

اچھا اب تم چلے جاؤ، جب تمہارا جی چاہے میرے پاس آتے جاتے رہنا۔

"خدا حافظ و ناصر۔"

ہمارے نزدیک تمہارا بڑا مرتبہ ہے اور مؤمنین کے دلوں میں تمہاری قدر ایسی ہے جیسے پیاس میں پانی کی۔ (مگر) جو میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اس کی درخواست مجھ سے نہ کرنا۔ جب تک میں خود تم سے بیان نہ کروں۔

مفضل کہتے ہیں کہ میں حضرت کے پاس سے وہ شے لے کر واپس آیا کہ کوئی بھی ایسی شے لے کر نہ واپس آیا ہو گا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا و ظاهرًا و باطنًا و هو علىٰ كُلِّ شىءٍ قَدِير

Presented by Ziaraat.Com

باب دوم

حدیث اہلیلج (ہلیلہ یا ہریڑ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہندی طبیب کو توحید کا درس دینا

''کتاب التوحید بحارالانوار'' بیان کیا مجھ سے محرز بن سعید نحوی نے دمشق میں، کہ مجھ سے بیان کیا محمد بن ابی مُسہر نے رملہ میں اپنے باپ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی، کہ مفضل بن عمر جعفی نے حضرت ابوعبداللہ جعفرؑ بن محمدؑ الصادق علیہ السلام کو خط لکھا، اس میں یہ ظاہر کیا کہ کچھ لوگ اس ملت کے ایسے نکل پڑے ہیں جو پروردگار عالم کے پروردگار ہونے ہی کا انکار کرتے ہیں اور اس پر جھگڑتے ہیں اور حضرت سے یہ درخواست کی ہے کہ آپؑ ان کے اقوال کو رد فرمایئے اور جس طرح دوسروں کی دلیلوں کو آپؑ نے باطل کیا ہے اسے طرح ان کے دعوؤں کو بھی باطل کیجئے۔

اس کے جواب میں جناب ابوعبداللہ علیہ السلام نے یہ مضمون تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ……

اَمَّا بَعْدُ:

معبودِ برحق ہم کو بھی اور تم کو بھی اپنی اطاعت کی توفیق دے اور اس کے ذریعے سے ہمارے لیے اپنی رضامندی کو اپنی رحمت سے لازم فرمائے۔

تمہارا خط پہنچا، تم نے اس میں لکھا ہے کہ ہمارے مذہب (اسلام) میں (فسادات) پھیلے ہیں اور یہ ان لوگوں کے سبب سے ہے جو ربوبیت کا (پروردگار کے پروردگار ہونے کا) انکار کرتے ہیں۔ ان کا عدد بڑھ گیا ہے اور ان کے جھگڑے و تکرار بہت سخت ہو گئے ہیں۔

تم نے اس خط میں یہ بھی درخواست کی ہے کہ میں ان کی رد میں کوئی کتاب اسی

Presented by Ziaraat.Com

پرواز پر لکھ دوں جیسے میں نے اور بدعتیوں اور اختلاف کرنے والوں کے اقوال رد کیے ہیں!

ہم اللہ کی کامل نعمتوں اور حد کو پہنچی ہوئی حجتوں اور اس کے امتحان ممدوح پر جس سے اس نے خاص و عام کو جانچا ہے، شکر کرتے ہیں! اس کی عظیم نعمتوں اور بڑے عطیوں میں سے جو اس نے دیے ہیں، ایک یہ ہے کہ اس نے ان کے (خاص و عام کے) دلوں میں اپنی ربوبیت کو قائم فرما دیا اور اپنی معرفت کا عہد ان سے لے لیا، ان پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں دلوں کے امراض (شکوک) کی شفا ہے جو امور مشتبہ اور خیالات ہیں (یعنی اصل بیماری دل کی یہی شکوک و شبہات و خیالات ہیں جو اس میں آتے ہیں) اور نہ خود ان (خاص و عام) کو نہ کسی اور چیز کو اپنے سوا کسی دوسرے کا محتاج کیا ہے۔ مگر خود ان سب سے مستغنی ہے اور (بیشک) اللہ غنی و محمود ہے۔

اپنی عمر کی قسم! ان جاہلوں کو اس قدر ضرر پہنچا ان کے رب کی طرف سے (یعنی اپنے رب کا انکار کرنے کے سبب سے) حالانکہ صاف صاف دلیلیں اور ظاہر بظاہر علامتیں (خدا کے وجود کی) اپنی خلقت میں دیکھتے ہیں اور ملکوت آسمان و زمین و صنعت عجیبہ محکمہ کا معاملہ کرتے ہیں جو بتا رہی ہیں کہ ان سب چیزوں کا کوئی بنانے والا ہے۔ لیکن یہ وہ قوم ہے جس نے اپنے سامنے معصیتوں کا دروازہ کھول لیا ہے اور اپنے نفسوں کی خواہشوں کے راستے سہل کر لیے ہیں اسی وجہ سے خواہشہائے نفسانی ان کے دلوں پر غالب آ گئی ہیں اور ظلم کرنے کی وجہ سے شیطان کو ان پر غلبہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

تعجب ہے اس مخلوق پر جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں پر مخفی ہے (یعنی اس کا وجود اب تک ثابت نہیں ہوا) حالانکہ خود اپنے نفس میں صنعت کا اثر دیکھ رہا ہے کہ اس کی ایسی ترکیب ہے جس میں عقل حیران ہے اور ایسی تالیف ہے جو خود اس کی دلیل کو باطل کر رہی ہے۔ (یعنی انسان کے جسم و روح کی ساخت اور اس کی خوبی ترکیب و امتزاج

Presented by Ziaraat.Com

آپ ہی بتا رہی ہے کہ ضرور اسے کسی مدبر حکیم نے بنایا ہے)۔

قسم اپنی جان کی، اگر یہ لوگ ان بڑی بڑی باتوں میں ذرا بھی غور کرتے تو کھلی ہوئی ترکیب اور بدیہی خوبیٔ تدبیر اور اشیاء عالم کا مخلوق ہونا آنکھوں سے معائنہ کر لیتے (کہ یہ اشیاء پہلے نہ تھیں اور بعد کو پیدا ہوئیں، تو آخر کسی نے پیدا کیا ہی ہوگا)۔

پھر ان اشیاء کا ایک حال سے دوسرے حال پر اور ایک ساخت سے دوسری ساخت پر بدلنا ہی ایسا ہے جو صانع کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں تدبیر و ترکیب کا اثر نہ ہو۔ اور اس بات کو نہ بتاتا ہو کہ اس کا کوئی خالق و مدبر ہے۔ کوئی ایسی شے نہیں جس میں حکمت کے ساتھ ترکیب نہ ہو اور جو واحد حکیم کو نہ بتا رہی ہو۔

تمہارا خط مجھ کو ملا میں نے تمہارے لیے ایک مضمون لکھا ہے جس پر میں نے منکرین میں سے ایک شخص سے بحث کی تھی وہ یہ ہے کہ:

ایک ہندی طبیب میرے پاس آیا کرتا تھا اور اپنی ضلالت اور رائے پر برابر مجھ سے بحث کیا کرتا تھا۔ یک روز وہ دوا میں ملانے کے لیے، جس کی مجھے ضرورت تھی، ہلیلہ کوٹ رہا تھا کہ اتنے میں وہ ایک بات بول اٹھا جس میں وہ مجھ سے بحث کرتا تھا۔

اس کا دعویٰ یہ تھا کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ایک درخت اگتا ہے دوسرا گرتا ہے۔ ایک جان پیدا ہوتی ہے، دوسری تلف ہو جاتی ہے (اسی طرح عالم کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اور چلا جائے گا) اور یہ بھی اس کا خیال تھا کہ میں جو خدائے تعالیٰ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہوں یہ بغیر دلیل ہے۔ میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اسے پچھلوں نے اگلوں سے لیا ہے اور چھوٹوں نے بڑوں سے (یعنی محض سنی سنائی بات ہے کہ خدا بھی کوئی چیز ہے ورنہ دراصل کچھ نہیں ہے)۔

اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اشیاء مختلفہ و متفقہ خواہ ظاہری ہوں، یا باطنی صرف حواس

Presented by Ziaraat.Com

خمسہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ آنکھ سے دیکھ کر، کان سے سن کر، ناک سے سونگھ کر، منہ سے چکھ کر، ہاتھ پاؤں سے چھو کر۔ (اور چونکہ خدائے تعالیٰ ان تمام حاسوں سے محسوس نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا وجود محال ہے)۔

پھر اس نے اپنی گفتگو کو اپنے بنائے ہوئے قاعدے تک پہنچا کر کہا کہ میں نے کسی حاسے سے خالق کو محسوس نہیں کیا جو میرے دل میں بیٹھتا ہے (یہ صرف خدائے تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنے کے لیے اس نے کہا تھا)۔

پھر اس نے مجھ سے کہا کہ جس دلیل سے تم اپنے پروردگار کی معرفت کا ثبوت دیا کرتے ہو جس سے اس کی قدرت اور ربوبیت کو بیان کرتے ہو وہ مجھ سے بیان کرو، حالانکہ دل انہیں چیزوں کو جان سکتا ہے جو حواس خمسہ سے محسوس ہوئی ہوں جنہیں میں نے تم سے کہہ دیا ہے۔

میں نے کہا، اس عقل کے ذریعے سے خدا کے وجود کا ثبوت دیتا ہوں جو میرے دل میں ہے اور اس دلیل کے ذریعے سے جس سے اس کی معرفت کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔

ہندی طبیب...... یہ کہاں سے تم کہتے ہو حالانکہ جانتے ہو کہ دل کسی چیز کو بغیر حواس خمسہ کے نہیں معلوم کر سکتا۔ تو کیا تم نے اپنے رب کو آنکھ سے دیکھا ہے یا اس کی آواز سنی، یا اسے سونگھا، یا اسے زبان سے چکھا، یا اسے ہاتھ سے چھوا جس سے تمہارے دل میں اس کی معرفت آ گئی؟

میں نے کہا...... تم اس وجہ سے خدائے تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہو کہ اپنے حواس خمسہ سے تم نے محسوس نہیں کیا جو اشیاء کے احساس کا آلہ ہے۔ اور میں اس کے وجود کا اقرار کرتا ہوں، تو کیا کوئی اس سے سوا چارہ ہے کہ ایک ہم دونوں میں سے جھوٹا ہو اور دوسرا سچا۔

Presented by Ziaraat.Com

اس نے کہا، نہیں (بلکہ ضرور ہے کہ یا اپنے دعویٰ میں میں سچا ہوں گا، یا آپ اپنے دعوے میں۔)

میں نے کہا، اچھا، اگر تمہاری ہی بات سچی ہے تو میں جو تم کو عذاب خدا سے ڈراتا ہوں، اس میں میرے لیے کوئی خوف کی بات ہے؟

اس نے کہا، نہیں۔ (زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈرانے کا فعل عبث ہو، کیونکہ یہ دراصل کوئی خدا ہی نہ ہو گا تو اس سے ڈرانا یا اس کے عذاب سے خوف کرنا ایک بیکار سی بات ہے)۔

میں نے کہا، اور اگر وہی سچ ہو جو میں کہتا ہوں، تو کیا ایسا نہیں ہو گا کہ تم تو انکار کی وجہ سے ہلاکت میں پڑو گے اور میں اس سبب سے کہ عذاب خالق سے برابر ڈرایا کرتا تھا، محفوظ رہوں گا؟

اس نے کہا، ضرور ایسا ہو گا۔

میں نے کہا، اچھا پھر زیادہ عقلمند اور قریب بہ نجات کون رہا (میں یا تم؟)

اس نے کہا، آپ...... مگر یہ کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ محض دعویٰ اور ایک شبہ ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں وہ یقینی ہے اور قابل وثوق ہے۔ اس لیے کہ میں اپنے حواس خمسہ میں سے کسی ایسے حاسے کو نہیں پاتا جس نے اللہ کو محسوس کیا ہو اور جسے میرے حاسے نے احساس نہیں کیا۔ اسے میں موجود نہیں جانتا۔

میں نے کہا، تمہارا حاسہ جب ادراک خدا سے عاجز رہا تو تم نے اس کا انکار کر دیا اور میرا حاسہ جو اس کے ادراک سے قاصر رہا تو میں نے اس کی تصدیق کی (یعنی جس وجہ سے تم انکار کرتے ہو، اسی وجہ سے میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔)

اس نے کہا، یہ کیونکر؟

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا، اس لیے کہ جس چیز میں ترکیب کا کچھ بھی اثر ہے، (یعنی جو چیز مرکب ہے) وہ جسم ضرور رکھتی ہے۔ یا جس پر نظر پڑتی ہے وہ رنگ ضرور رکھتی ہے۔ لہٰذا جس چیز کو آنکھ نے یا باقی دوسرے حاسوں نے ادراک کیا وہ خدائے تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور شئے ہے۔ اس لیے کہ وہ مخلوقات سے مشابہ نہیں ہے اور نہ مخلوقات میں سے کوئی چیز اس سے مشابہ ہے۔ اور نیز یہ کہ ان مخلوقات میں تغیر و زوال ہوتا رہتا ہے اور جو کسی تغیر اور زوال پذیر چیز سے مشابہ ہو وہ بھی متغیر اور زوال پذیر ہے (لہٰذا خدائے تعالیٰ کو ان سے مشابہ نہ ہونا چاہیے اور جب ان سے مشابہ نہ ہوا تو کوئی حاسہ اسے کیوں کر محسوس کر سکتا ہے) اور مخلوق مثل خالق کے نہیں ہو سکتا اور نہ محدث مثل محدث کے۔ (لہٰذا اسے محسوس نہ ہونا چاہیے۔ پھر عام احساس اس کے عدم وجود کی کیوں کر دلیل ہو سکتا ہے؟)

اس نے کہا، یہ تو ایک بات ہے لیکن میں تو اسے مانتا ہی نہیں جو میرے حاسے سے محسوس ہو کر میرے دل تک نہ پہنچے۔

جب اس نے یہ بات کہی اور یہ حجت پکڑ لی تو میں نے کہا،

جب تم نے جہالت ہی پر کمر باندھ لی اور جھگڑنے کو دلیل بتاتے ہو تو جس بات کا تم نے عیب مجھ پر لگایا ہے وہی عیب تم میں بھی ہوا (یعنی دعویٰ بلا دلیل) تم نے بھی وہی کیا جسے ناپسند کرتے تھے۔ یعنی، تم نے یہ کہا کہ میرا یہ ذاتی دعویٰ ہے کہ جو چیز میرے حواس سے نہ محسوس ہو وہ میرے نزدیک لاشئے ہے (خواہ میرے پاس کوئی دلیل اس کی ہو یا نہ ہو۔)

اس نے کہا، یہ کیوں کر (جو عیب میں نے آپ پر لگایا وہی مجھ میں پایا گیا۔)

میں نے کہا، تم نے مجھے یہ الزام دیا تھا کہ آپ محض دعویٰ ہی دعویٰ کرتے ہیں، آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور خود دعویٰ بلا دلیل کر بیٹھے اور ایسی بات کا دعویٰ کر لیا جس کی پوری طور پر حالت نہیں معلوم کی اور نہ علم و یقین کے راہ سے کہا۔ تم نے خدائے تعالیٰ کے وجود

Presented by Ziaraat.Com

کے انکار میں اپنے لیے کیسے محض دعویٰ ہی دعویٰ کر لینے کو جائز رکھ لیا، اور علامت نبوت و حجت واضحہ کو رد کر دیا اور مجھ کو اسی کا عیب لگایا تھا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تم تمام جہات میں گھوم پھر کر آئے ہو، اور ان جہتوں کی حد تک پہنچے ہو؟

اس نے کہا، "نہیں"۔

میں نے کہا، کیا کبھی تم اس آسمان پر چڑھے ہو جسے دیکھ رہے ہو یا زمین کے آخری درجے تک گئے ہو۔ اس کے اطراف و جوانب میں گھومے ہو، یا دریاؤں کے اندر غوطہ لگایا ہے، آسمان کے اوپر یا اس کے نیچے زمین تک اور زمین کی انتہائی تہہ تک، فضا کے اطراف و جوانب میں پھرے ہو، اور ان سب مقامات پر دیکھ چکے ہو کہ یہاں، وہاں کسی جگہ کوئی مدبر حکیم، عالم، باخبر، (دانا) نہیں ہے؟

اس نے کہا، "نہیں۔" (میں تو ان مقامات میں سے کسی ایک مقام پر بھی نہیں گیا)۔

میں نے کہا، پھر تمہیں کیا خبر کہ تم جس کا انکار کرتے ہو شاید انہی مقامات میں سے کسی جگہ ہو جہاں تمہارے حاسے نے کام نہیں کیا اور نہ تمہیں اس کا علم ہو سکا۔

اس نے کہا۔ مجھے تو خبر نہیں۔ شاید ان مقامات میں سے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کوئی مدبر ہو اور یہ بھی خبر نہیں، شاید ان میں سے کسی ایک جگہ کوئی بھی مدبر نہ ہو۔

میں نے کہا، جبکہ تم انکار کی حد سے شک کی حد تک پہنچے (پہلے تو کہتے تھے قطعی کوئی مدبر نہیں، اب کہتے ہو شاید ہو، شاید نہ ہو) تو مجھے امید ہے کہ معرفت کی حد تک بھی پہنچو گے۔

اس نے کہا، یہ شک تو اس آپ کے سوال سے پیدا ہو گیا ہے جو آپ نے ایسی جگہوں کو دریافت کیا جنہیں میں نہیں جانتا۔ (اور جہاں میں گیا ہی نہیں اس لیے کہہ دیا کہ شاید ان مقامات میں سے کسی مقام پر کوئی مدبر حکیم ہو) لیکن جس چیز کو میرے حاسوں نے ادراک

Presented by Ziaraat.Com

نہ کیا ہو اس کا یقین مجھے کیوں کر ہو سکتا ہے؟

میں نے کہا، اسی ہلیلہ کے ذریعے سے۔

اس نے کہا، یہ تو اب حجت کو خوب ثابت کر دے گی، کیونکہ یہ اس طب کے آداب میں سے ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ (یہ بات تو دلیل کے لیے بہت مناسب ہے۔)

میں نے کہا، یہی میرا ارادہ ہے کہ وجود پروردگار کا ثبوت تم کو اسی ہلیلہ سے دوں گا، کیونکہ یہ تمہارے پاس ہی رکھی ہوئی ہے۔ اگر کوئی شئے اس کے علاوہ تم سے زیادہ قریب ہوتی تو میں اس سے ثبوت دیتا۔ اس لیے کہ حکمت ترکیب (یعنی کس نے اس کو بنایا اور مرکب کیا ہے) کا اثر ہر شئے میں موجود ہے جو اپنی مخلوق و مصنوع ہونے اور اپنے لیے کوئی صانع و خالق ہونے کو بتا رہا ہے۔ جب معدوم تھی تو اس نے اسے پیدا کیا، اور اس طرح سے فنا بھی کر دے گا کہ بالکل کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس ہلیلہ کو دیکھ رہے ہو؟

کہا، ''ہاں''

میں نے کہا، ''جو کچھ اس کے اندر ہے اسے بھی دیکھ رہے ہو۔''

اس نے کہا، ''نہیں''

میں نے کہا، کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس کے اندر ایک بیج ہے جسے تم اس وقت دیکھ نہیں رہے ہو۔

اس نے کہا، ''اس کی مجھے خبر نہیں، ممکن ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہ ہو۔''

میں نے کہا، تم جانتے ہو کہ اس ہلیلہ کے چھلکے کے نیچے مغز چھپا ہوا ہے جسے تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ یا کوئی اور رنگین شئے ہے؟

اس نے کہا، مجھے خبر نہیں، شاید اس کے نیچے کوئی رنگ دار چیز یا کوئی مغز، کچھ

Presented by Ziaraat.Com

بھی نہ ہو۔

میں نے کہا، تم اقرار کرتے ہو کہ یہ ہلیلہ جسے لوگ عام طور پر جانتے ہیں ہندوستان میں بھی ملتا ہے؟ کیونکہ بہت سے مختلف الاقوال لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اس نے کہا، مجھے خبر نہیں، ممکن ہے کہ جس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا ہو، غلط ہی ہو۔

میں نے کہا، کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ ہلیلہ کسی بھی سرزمین میں پیدا ہوتا ہے؟

اس نے کہا، وہ اور یہ زمین ایک ہی ہے۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے جہاں یہ پیدا ہوا ہے۔

میں نے کہا، اس[1] ہلیلہ کے موجود ہونے سے تم یہ بتا سکتے ہو کہ ایسے ہی اور ہلیلہ جات موجود ہوں گے جنہیں تم اس وقت نہیں دیکھ رہے ہو۔

اس نے کہا، مجھے خبر نہیں۔ شاید اس ہلیلہ کے سوا دنیا میں کہیں اور ہلیلہ ہو ہی نہیں۔

جب اس طرح سے اس نے جہالت پر کمر باندھ لی، تو......

میں نے کہا، اچھا یہ بتاؤ کہ یہ ہلیلہ کسی درخت سے پیدا ہوا ہے اس کا تم اقرار کرتے ہو؟ یا، یہ کہتے ہو کہ یونہی پیدا ہو گیا۔

اس نے کہا، میں یہ نہیں کہتا، بلکہ کہتا ہوں کہ درخت سے نکلا ہے۔

میں نے کہا، اب معلوم ہوا کہ تم نے ایک ایسے درخت کے وجود کا اقرار کیا جسے تم نے اپنے حاسوں سے محسوس نہیں کیا ہے۔

اس نے کہا، یہ صحیح ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ہلیلہ ہو خواہ اور مختلف چیزیں ہوں ہمیشہ سے یونہی چلی آتی ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے میرے

---

[1] اس طویل بحث سے حضرت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس سے اس بات کا اقرار لے لیں کہ کسی چیز کا آنکھ سے نہ دیکھنا یا حواس سے محسوس نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

Presented by Ziaraat.Com

کلام کر رد کرسکیں؟

میں نے کہا، ...... ہے۔ مجھے اسی ہلیلہ کی بابت بتاؤ کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے تم نے اس کا درخت دیکھا تھا، اسے پہچانتے ہو؟

اس نے کہا، ''ہاں''

میں نے کہا، تم اس ہلیلہ کو اس درخت میں (اس کے پیدا ہونے سے پہلے) دیکھتے تھے؟

اس نے کہا، ''نہیں''

میں نے کہا، کہ ایک وقت تم نے دیکھا تھا کہ ہلیلہ کا درخت موجود ہے مگر اس میں ہلیلہ نہیں تھا، دوبارہ جو جا کر دیکھا تو اس میں ہلیلہ لگے ہوئے پایا۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہلیلہ پہلے نہ تھا، پھر اس میں پیدا ہو گیا۔ (عدم سے وجود میں آیا۔)

اس نے کہا، میں اس بات کا انکار نہیں کر سکتا (یعنی مانتا ہوں کہ پہلے نہ تھا بعد میں پیدا ہوا۔) لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اجزا اس ہلیلہ کے اس درخت کے اندر متفرق تھے۔ (جب وہ اجزاء سمٹ کر مجتمع ہوئے تو یہ پھل پیدا ہوا۔)

میں نے کہا، مجھے یہ بتاؤ کہ جس ہلیلہ سے یہ درخت اگا تھا قبل بونے کے تم نے اسے دیکھا تھا؟

اس نے کہا، ''ہاں''

میں نے کہا، تو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ جس درخت کی جڑیں، رگیں، شاخیں، چھلکے اور تمام پھل جو اس سے توڑے جاتے ہیں اور پتیاں جو اس سے گرتی ہیں یہ ہزاروں سیر کے وزن کی چیزیں اس ایک ہلیلہ کے اندر چھپی بیٹھی تھیں۔

اس نے کہا، یہ بات تو عقل میں نہیں آتی اور نہ اسے دل ہی قبول کرتا ہے۔ (کہ یہ

Presented by Ziaraat.Com

تمام پتیاں، پھل، پھول، شاخیں اور جڑیں وغیرہ اسی ایک ہلیلہ کے اندر موجود رہی ہوں۔)

میں نے کہا، تو تم نے مان لیا کہ یہ سب چیزیں درخت میں حادث ہوئیں (از سر نو پیدا ہوئی ہیں پہلے سے ان کا وجود نہ تھا؟)

اس نے کہا، ہاں، لیکن میں یہ نہیں جان سکتا کہ یہ کسی کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ کیا آپ اسے میرے لیے ثابت کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا، ہاں، اگر میں تم کو کوئی تدبیر دکھاؤں تو کیا مان لو گے اس کا کوئی مدبر ہے۔ یا کوئی تصویر دکھاؤں تو تم اقرار کرو گے کہ اس کا کوئی مصور ہے؟

اس نے کہا، ضرور، میں مان لوں گا۔

میں نے کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ہلیلہ بطور گوشت کے ہے جو ہڈی پر قائم کیا گیا ہے اور ہڈی (بیج) اس جوف میں ہے جو شاخ سے ملا ہوا ہے اور وہ شاخ ایک ساق پر قائم ہے اور وہ ساق ایک جڑ پر، اور وہ جڑ اپنی باریک جڑوں کے ذریعے سے جو اس کے نیچے ہیں، قائم ہے (اور اسی کے ذریعے سے اس میں کھڑے رہنے کی قوت ہے۔)

اس نے کہا، ہاں معلوم ہے۔

میں نے کہا، تو کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ اس ہلیلہ کی صورت ایک معین[۱] اندازہ اور تخطیط (خط) و تالیف و ترکیب و تفصیل پر بنائی گئی ہے اس کا ایک جز دوسرے کے اندر داخل ہو کر مرکب ہوا ہے۔ اس میں تہہ پر تہہ اور جسم پر جسم اور رنگ پر رنگ ہے۔ زردی پر ایک سفید رنگ بھی ہے اور سخت پر ایک نرم چیز ہے (بیج تو اس کا سخت ہے اور اوپر اس کا مغز نرم ہے۔) متفرق طبیعتوں اور مختلف طریقوں اور باہم ملے ہوئے اجزاء سے اس کی ترکیب ہے۔ اس کے ساتھ چھلکا بھی ہے جو اسے قائم رکھتا ہے اور جڑیں بھی ہیں جن کے اندر پانی نفوذ کرتا ہے۔

---

۱ یعنی رنگ اس کا الگ محسوس ہوتا ہے، جرم الگ، دھاریاں جدا جدا معلوم ہوتی ہیں۔ بیج الگ ہے، مزا کچھ اور کوئی جز اس کا نرم ہے، کوئی سخت غرض اس طرح تفصیل: تالیف ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

چیتاں بھی ہیں جو اسے چھپائے رکھتی ہیں اور دھوپ سے اسے بچاتی ہیں، سردی سے محفوظ رکھتی ہیں، ہوا سے بھی اس کی حفاظت رکھتی ہیں تاکہ اسے پتلا نہ کردے۔

اس نے کہا،...... کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر چیتاں اس پر ڈھکی ہوئی ہوتیں تو اس کے لیے اور بہتر ہوتا؟

میں نے کہا، اللہ! کیا اچھا مقدر ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو ہوا (بالکل) ہی اسے نہ لگتی جو اس میں تازگی پیدا کرتی ہے اور سردی نہ لگتی جو اس میں مضبوطی پیدا کرتی ہے۔ پھر اس وقت اس میں عفونت بھی پیدا ہو جاتی (ہلیلہ سڑ جاتا) جیسا کہ کبھی کبھی پھلوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب اس پر پتی پڑ جاتی ہے تو سڑ جاتا ہے اور اگر دھوپ اسے نہ لگتی تو پختگی نہ پیدا ہوتی۔ لیکن ایسا ہوتا ہے کہ کبھی دھوپ لگتی ہے، کبھی ہوا، کبھی سردی، (جو اس کی اصلاح کرتی ہے۔) جسے معبود برحق نے اپنی قوت لطیفہ اور حکمت کاملہ سے مقدر فرمایا ہے۔

اس نے کہا..... تصویر کی بابت تو یہ تقریر آپ کی میرے لیے کافی ہے (میں نے مان لیا کہ ضرور اس کی صورت بنائی گئی ہے کسی نے ضرور اس کی یہ صورت بنائی ہے) مگر مجھ سے اس کی تدبیر کی بابت واضح طور سے بیان کیجئے، جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا تھا، کہ مجھے آپ اسے (تدبیر کو) دکھادیں گے (یعنی یہ یقینی طور پر ثابت کردیں گے کہ اس میں کسی مدبر کی تدبیر وحکمت نے کام کیا ہے)۔

میں نے کہا، تم نے اس ہلیلہ کو قبل بستہ (ایک جا جمع ہونا) ہونے کے دیکھا ہے جبکہ اپنے ڈورے کے اندر صرف پانی ہی پانی تھا۔ نہ بیج تھا نہ مغز، نہ اوپر کا چھلکا، نہ رنگ، نہ ذائقہ اور نہ یہ سختی۔

اس نے کہا، ہاں، ''دیکھا ہے۔''

میں نے کہا۔ اگر خالق اس کمزور پانی کو جو کمی اور کم مائیگی میں رائی کے دانے کے

Presented by Ziaraat.Com

بقدر ہے اپنی قوت سے مضبوط نہ کرتا اور اپنی حکمت سے اس میں صورت (ہلیلہ کی) نہ بناتا اور اپنی قدرت سے اس کی تقدیر نہ کرتا، تو کیا یہ پانی (خود بخود) اپنے غلاف کے اندر بغیر کسی جسم یا غلاف اور اجزاء مفصلہ (جداگانہ) کے ملائے ہوئے بڑھ سکتا تھا، اور اگر بڑھتا بھی تو تہہ بہ تہہ پانی ہی بڑھتا۔ نہ اس میں صورت (ہلیلہ کی) ہوتی، نہ اس میں یہ دھاریاں ہوتیں نہ اس کے اجزا بڑھتے اور نہ اس میں یہ تدبیر ہوتی۔ نہ تہہ بہ تہہ اجزاء کی تالیف و ترکیب ہوتی (جس سے اتنا بڑا ہلیلہ بنتا ہے)۔

اس نے کہا، آپ نے اس کے درخت کی صورت اور اس کی ساخت کی ترکیب اور اس کے پھل پیدا ہونے اور اس کے اجزاء کے بڑھنے اور اس کی بناوٹ کی تفصیل سے نہایت واضح اور ظاہر طور پر بنانے والے کو ثابت کر دیا اور اب میں مانتا ہوں کہ تمام چیزیں کسی نہ کسی کی بنائی ہوئی ہیں لیکن معلوم نہیں شاید اس ہلیلہ اور ان اشیاء عالم نے اپنے تئیں آپ بنایا ہو۔

میں نے کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے ان اشیاء اور اس ہلیلہ کو پیدا کیا ہے وہ حکیم اور عالم ہے۔ کیونکہ تم نے اس کی قوت تدبیر کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ (کہ ایسی ترکیب اور ساخت بغیر کسی حکیم کے نہیں ہو سکتی)۔

اس نے کہا، ہاں، یہ تو معلوم ہوا کہ ان کا بنانے والا حکیم و عالم ہے۔

میں نے کہا..... تو کیا ہو سکتا ہے کہ جو ایسا ہو وہ حادث بھی ہو (عدم سے وجود میں آیا ہو)۔

اس نے کہا،.....نہیں

میں نے کہا..... کیا تم نے دیکھا نہیں تھا جس وقت ہلیلہ (اپنے درخت میں) پیدا ہوا تھا کہ پہلے نہ تھا پھر ہوا، اور پھر اس طرح فنا بھی ہو گیا کہ گویا کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا۔

اس نے کہا، ''ہاں، دیکھا کیوں نہیں۔'' مگر میں نے تو ابھی آپ سے صرف یہ کہا

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ ہلیلہ ایک حادث چیز ہے۔ یہ تو نہیں کہا ہے کہ بنانے والا حادث نہیں ہوسکتا۔ اپنے تئیں آپ بنا نہیں سکتا۔ (بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہلیلہ کو جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی حادث ہو یعنی عدم سے وجود میں آیا ہو۔ واجب الوجود نہ ہو)۔

میں نے کہا۔ ابھی تو تم نے کہا تھا کہ خالق حادث نہیں ہوسکتا اور تمہارا بیان ہے کہ ہلیلہ حادث ہے۔ (تو خود یہ ہلیلہ کیسے اپنا خالق ہوسکتا ہے۔) تم نے تو مجھ سے اقرار کرلیا کہ ہلیلہ ایک مصنوع چیز ہے۔ لہٰذا وہی خدائے عزوجل اس کا بنانے والا ہوگا!!

اور اگر تم دوبارہ یہی بات کہو کہ نہیں صاحب خود ہلیلہ ہی نے اپنے تئیں آپ بنایا ہے اور اپنی ساخت میں تدبیر کی ہے۔ تو کچھ اور بات تو زیادہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی کا اقرار تمہاری زبان سے ہوگیا۔ اور تم نے صانع مدبر کو ثابت کردیا اس کی صفت تو ٹھیک کہی مگر اسے پہچانے نہیں، نام کچھ اور رکھ دیا۔

اس نے کہا،...... یہ کیوں کر؟

میں نے کہا،...... تم نے تو ایک حکیم، لطیف و مدبر کے وجود کا اقرار کرلیا (جبکہ یہ مان لیا کہ ہلیلہ خود اپنا خالق ہے تو معلوم ہوا کہ ہلیلہ کوئی بڑا مدبر حکیم خالق ہے جب تو اس نے ایسی حکمت بھری چیز پیدا کی ہے۔) جب میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ تو تم نے کہہ دیا وہی ہلیلہ

لہٰذا تم نے خدائے تعالیٰ سبحانہٗ و جل ذکرہٗ کے وجود کا تو اقرار کرلیا۔ (کیونکہ ایک خالق حکیم و مدبر کی ضرورت کو تسلیم کرلیا۔) مگر نام کچھ اور رکھ دیا۔ (اللہ کہنے کی جگہ ہلیلہ کہہ دیا)۔

اور اگر تم کچھ بھی عقل سے کام لیتے اور غور کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ خود ہلیلہ میں بالکل یہ قوت نہیں ہے کہ اپنے تئیں آپ پیدا ہو جائے اور اس میں ہرگز بھی تدبیر کی طاقت نہیں ہے کہ اپنی خلقت کی آپ ہی اصلاح کرسکے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس نے کہا،...... اس کے علاوہ اور بھی کوئی دلیل آپ کے پاس ہے (یا یونہی آپ فرماتے ہیں)۔

میں نے کہا،...... ہے کیوں نہیں۔ تم اسی ہلیلہ کی نسبت بتاؤ (جس کو تم نے کہا ہے کہ اسی نے اپنے تئیں بنایا اور اپنے کام کی تدبیر کی) کہ کیوں کر اس نے اپنے تئیں آپ (خود) کو بنایا، حالانکہ خود تو چھوٹی سی چیز ہے قوت اس کی کم ہے۔ توڑے جانے سے آسانی سے ٹوٹ جاتی ہے، کھائے جانے سے خود کو بچا نہیں سکتی، پھر اس نے کیسے اپنے تئیں آپ کو بنا لیا، حالانکہ خود اک کم قدر خوردنی، تلخ، بدنما اور بے رونق و بے آب چیز ہے۔

اس نے کہا...... اس سبب سے کہ اس میں صرف بنانے ہی کی قوت ہے۔ یا یہ کہ بس اتنا ہی بنا سکتی ہے جس قدر چاہتی ہے۔

میں نے کہا...... اگر یونہی ایک باطل ولغو بات پر اڑے رہنا تمہیں منظور ہے تو مجھے یہ بتا دو، کہ اس ہلیلہ نے آپ اپنے تئیں کب پیدا کیا، اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا پیدا ہونے کے بعد۔

اگر یہ کہو کہ اپنے پیدا ہونے کے بعد اپنے تئیں پیدا کیا، تو یہ بہت ہی واضح محال ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز بن کر موجود ہو پھر اپنے تئیں آپ دوبارہ بنائے۔

تو تمہارے کلام کا یہ مطلب ہوا کہ ہلیلہ دو مرتبہ بنا (ایک مرتبہ آپ بنا، جب بن کر تیار ہو گیا تب اپنے تئیں آپ کو بنایا) حالانکہ یہ ناممکن بات ہے اس لیے تحصیل حاصل لازم آتی ہے جو یقیناً ناممکن ہے)۔

اور اگر یہ کہو کہ اس نے اپنے پیدا ہونے سے پہلے اپنے تئیں پیدا کیا۔ تو یہ بھی بہت ہی صاف جھوٹ اور لغو بات ہے کیونکہ وہ اپنے پیدا ہونے سے پہلے تو کچھ تھا ہی نہیں، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو چیز خود کچھ نہ ہو وہ کسی دوسری شئے کو پیدا کرے! میرے اس کہنے کو تو غلط

Presented by Ziaraat.Com

بتاتے ہو کہ ایک موجود شئے کسی لاشئے کو پیدا کر سکتی ہے۔ مگر اپنے اس کلام کو غلط نہیں بتاتے کہ ایک لاموجود چیز کسی موجود شئے کو پیدا کرے۔ اب تم ہی دیکھو کہ ان دونوں باتوں میں سے کس کی بات زیادہ سچی ہے۔

اس نے کہا، ''حضرت! آپ کا کلام زیادہ سچا ہے۔''

میں نے کہا، تو پھر اس کے ماننے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے۔

اس نے کہا، ...... میں نے مان لیا اور میرے نزدیک اس کا حق وصدق ہونا ثابت ہو گیا کہ اشیائے مختلفہ عالم اور اس ہلیلہ نے اپنے تئیں آپ نہیں پیدا کیا ہے اور نہ اپنی راحت کی آپ تدبیر واصلاح کی ہے۔ لیکن میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اس کے درخت نے اس ہلیلہ کو پیدا کیا ہو کیونکہ یہ اسی سے نکلا ہے۔

میں نے کہا، ...... اچھا اس درخت کو کس نے بنایا؟

اس نے کہا، ...... دوسرے ہلیلہ نے۔

میں نے کہا، ...... اپنے کلام کی ایک حد ٹھہرا لو جہاں پر ختم ہو۔ (کیونکہ اب تو سلسلہ چلا جائے گا کہ ہلیلہ نے درخت کو پیدا کیا، اور درخت نے ہلیلہ کو، پھر ہلیلہ نے درخت کو، پھر درخت نے ہلیلہ کو، اور یہ کلام اسی لامتناہی صورت اختیار کر جائے گا)۔

پس یا تو اس بات کے قائل ہو جاؤ کہ جس پر اس سلسلے کا خاتمہ ہوتا ہے وہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ تو میں مان لوں گا۔ یا یہ کہو کہ جس پر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے وہ ہلیلہ ہی ہے، تو پھر ہم پوچھیں گے۔

اس نے کہا، ...... اچھا پوچھیئے۔

میں نے کہا، ...... مجھے یہ بتاؤ کہ ہلیلہ سے اسی وقت تو درخت پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ فنا اور بوسیدہ اور نابود ہو جاتی ہے؟

Presented by Ziaraat.Com

اس نے کہا...... "ہاں"

میں نے کہا...... کہ درخت تو ہلیلہ کے فنا ہو جانے کے سو برس بعد تک باقی رہتا ہے۔ (اور تم ہلیلہ ہی کو اس کا خالق بتاتے ہو تو کہو کہ اب) کون اسے بچاتا ہے کون اس میں زیادتی پیدا کرتا ہے (موٹا تازہ کرتا ہے) کون اس کی خلقت کی تدبیر کرتا ہے، کون اس کی پرورش کرتا ہے، کون اس کے پتے اگاتا ہے۔ (کیونکہ ہلیلہ تو اب فنا ہی ہو چکا۔ پھر اس کا مدبر کون رہا؟) سوائے اس کے تمہیں کچھ چارہ نہیں کہ کہو وہی اس کا مدبر ہے جس نے اسے خلق کیا۔ اور اگر کہو کہ وہ ہلیلہ ہی ہے اور اپنے فنا ہونے، بوسیدہ اور خاک میں مل جانے سے پہلے باقی تھا، اس وقت اس نے پیدا کیا تھا۔ اور فنا ہونے کے بعد بھی وہی پرورش کنندہ ہے۔ تو یہ بے ربط اور متنافی سی بات ہوگی۔ کیونکہ خالق و مربی نحو ایک ہی چیز ہے۔ بقا کی حالت میں تو خالق ہو اور فنا کی حالت میں مربی ہو، کیوں کر ہوسکتا ہے۔

نیز یہ کہ ہلیلہ کا اپنے درخت کو پیدا کرنا اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ اس کے اجزاء کچھ کچھ تحلیل ہوتے جائیں اور درخت بنتا جائے اور جب درخت بن چکا تو ہلیلہ فنا ہو گیا۔ پھر پرورش کنندہ کون رہا۔ یہ تو ایک متنافی بات ہے)۔

اس نے کہا...... میں یہ نہیں کہتا۔

میں نے کہا...... اچھا تو مان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا یا، یہ کہو کہ ابھی تمہارے دل میں کچھ شبہ رہ گیا ہے۔

اس نے کہا...... مجھ کو اس مسئلے میں توقف ہے کوئی بات دل میں جچنے والی ابھی مجھ کو نہیں ملی۔

میں نے کہا...... اب بھی اگر جہالت ہی پر مستعد ہوا اور تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام اشیائے عالم جو اس کے ذریعے سے محسوس ہوتی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ان حاسوں میں کوئی دلالت اور کچھ بھی معرفت بغیر دل کے نہیں ہے، صرف دل ہی ان حاسوں کا راہبر ہے وہی ان کو یہ تمام چیزیں پہنچواتا ہے جسے تم کہتے ہو کہ دل بغیر ان حاسوں کے کچھ نہیں جان سکتا۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اگر انسان کا دل باخبر نہ ہو تو حاسے کچھ نہیں بتا سکتے۔ دیکھئے دل میں جب روح نہیں رہتی اور آدمی مر جاتا ہے، تو حاسے کچھ نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ وہ ابھی تک موجود ہیں۔ صرف دل کا تعلق ان سے قطع ہو گیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب تک ان حاسوں کو دل نہ بتائے تب تک یہ خود کوئی چیز محسوس نہیں کر سکتے بلکہ اصلی احساس کرنے والا تو دل ہی ہے۔ یہ حواس تو صرف آلات ہیں جن کے ذریعے سے قلب کسی ملموس، مذوق، مشموم، مبصر یا مسموع کا احساس وادراک کرتا ہے)۔

اس نے کہا...... جب آپ نے یہ بات فرمائی تو میں اسے قبول کرنے کا نہیں جب تک توضیح و بیان و دلیل و برہان کے ساتھ اسے دریافت نہ کرلوں۔

میں نے کہا،......تو پہلے میں یہ شروع کرتا ہوں کہ تمہیں یہ بات تو معلوم ہو گی کہ اکثر حواس باطل ہو جاتے ہیں۔ یا بعض حاسے باطل ہو جاتے ہیں (مثلاً کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ یا آنکھیں نابینا ہو جاتی ہیں یا قوت شامہ باطل ہو جاتی ہے۔) حالانکہ دل ان اشیاء کی تدبیر و اصلاح کرتا رہتا ہے۔ جس سے نفع یا نقصان ہو خواہ وہ امور ظاہرہ ہوں یا خفیہ۔ اور اس میں اپنا امر و نہی جاری رکھتا ہے۔ (مثلاً بتاتا رہتا ہے کہ اس کام کو عمل میں لا اور اس کام کو مت کر۔) تو برابر اس کا حکم ان اشیاء میں نافذ رہتا ہے کہ اس کا فیصلہ ان اشیاء میں صحیح ہوتا ہے (باوجودیکہ بعض بعض حاسے خراب ہو گئے ہوں)۔

اس نے کہا،...... یہ تو آپ ایسی بات کہتے ہیں جو دلیل ہی معلوم ہوتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ اور کسی طریقے سے میرے لیے اس امر کو واضح فرمائیے۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا،...... کیا تم نہیں جانتے کہ حواس کے زائل ہو جانے کے بعد بھی دل باقی رہتا ہے۔

اس نے کہا،...... ہاں، (باقی رہتا ہے) لیکن ایسا رہتا ہے کہ ان اشیاء کو بتا نہیں سکتا جنہیں یہ حواس نہیں بتا سکتے تھے (مثلاً کان سن سکتے ہیں لیکن کان بہرے ہو جانے کے بعد دل سن نہیں سکتا)۔

میں نے کہا،...... تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ بچے کو جو ماں جنتی ہے تو ایک مضغۂ گوشت (گوشت کا لوتھڑا) ہوتا ہے۔ حواس اسے کسی ایسی چیز کو بالکل نہیں بتا سکتے جو سننے اور دیکھنے، چکھنے اور چھونے اور سونگھنے کی چیزیں ہیں (کیونکہ اس کے حاسوں میں اس وقت تک یہ قوت نہیں ہوتی)۔

اس نے کہا،...... ہاں جانتا ہوں۔

میں نے کہا،...... تو پھر کس حاسے نے اسے بتایا کہ جب وہ بھوکا ہو تو دودھ مانگے، اور جب دودھ پی کر سیر ہو جائے تو رونے کے بعد ہنسنے لگے۔

اور شکاری پرندوں اور دانہ چگنے والے پرندوں کو کس حاسے نے بتایا کہ وہ اپنے بچوں کے سامنے گوشت اور دانے ڈالیں۔ تو شکاری پرندے گوشت پر گریں اور پرندے دانے پر گریں۔

اور مجھے، آبی پرندوں کی بابت بتاؤ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس وقت پانی میں ڈالا جاتا ہے تو تیرنے لگتا ہے (مثلاً، بط اور مرغابی کے بچے) اور جب ان میں خشکی کے پرندوں کے بچے ڈال دیے جائیں تو ڈوب جاتے ہیں حالانکہ حاسے ایک ہی سے ہیں۔ تو کیوں کر آبی پرندوں نے اپنے حاسوں سے فائدہ اٹھایا اور تیرنے پر حاسوں نے اسے مدد دی۔ اور خشکی کا پرندہ پانی میں اپنے حاسوں سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

Presented by Ziaraat.Com

اور کیا بات ہے کہ خشکی کے پرندوں کو اگر پانی میں تھوڑی دیر ڈبوئے رکھو تو مر جاتے ہیں اور پانی کے پرندوں کو اگر تھوڑی دیر پانی سے روک دو تو وہ مر جاتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ حاسے تمہارے دعویٰ کو توڑتے ہیں، اور بغیر کسی ایسے حکیم مدبر کے جس نے پانی کی مخلوقات الگ پیدا کیں اور خشکی کے واسطے الگ۔ یہ بات کیوں کر ہو سکتی ہے (یعنی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی بڑے مدبر حکیم نے قصداً ایسا بنایا ہے کہ کچھ پرندے پانی میں زندہ رہ سکیں اور کچھ صرف خشکی میں زندہ رہ سکیں اور ان کے لیے ویسے ہی آلات و سامان مہیا کر دیے، ورنہ چاہیے تھا کہ دونوں پرندوں سے یکساں ہی افعال سرزد ہوتے)۔

یا، پھر مجھے یہی بتا دو کہ جس چیونٹی نے کبھی پانی کو دیکھا ہی نہ ہو اور اسے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ تیرنے لگتی ہے اور ایک پچاس سالہ نہایت قوی اور عقلمند آدمی کو جس نے تیرنا نہ سیکھا ہو، پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے۔

پس اگر یہی بات ہے کہ تمام چیزیں حواس سے معلوم ہوتی ہیں تو کیوں اس کی عقل و ہوش و تجربات و نظر بالاشیاء نے باوجود اجتماع حواس و صحت حواس کے یہ نہ بتایا کہ اپنے حاسوں سے تیرنا معلوم کر لے جیسا کہ چیونٹی نے معلوم کر لیا تھا؟

کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ وہی دل جو عقل کا معدن ہے اس آدمی کے بچے میں جسے میں نے بیان کیا اور علاوہ آدمی کے بچے کے اور حیوانات میں بھی جن کو تم نے ابھی سنا، موجود ہے، بچے کو تو بتایا ہے کہ دودھ مانگے اور دانہ چگنے والے کو بتایا ہے کہ دانہ چگے اور گوشت خور پرندوں کو بتایا ہے کہ گوشت کو نگل جائیں۔

اس نے کہا، ...... میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ دل صرف حاسوں کے ذریعے سے ادراک کر سکتا ہے (یہ اس دہریے کی صرف ہٹ دھرمی ہے)۔

میں نے کہا، ...... اگر تم حاسوں کی طرف (ہمہ تن) متوجہ و مائل ہو تو میں تمہارے

Presented by Ziaraat.Com

اس میلان کو بعد اس کے کہ تم نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ (یعنی تم نے مان لیا تھا کہ حواس کچھ نہیں بتا سکتے جب تک دل نہ بتائے) قبول کرتا ہوں، اور تمہیں انہی حاسوں کے متعلق جواب دوں گا تا کہ تمہیں ثابت ہو جائے کہ حاسے صرف ظاہری اشیاء کو جان اور پہچان سکتے ہیں۔ نہ پروردگار بزرگ و اقدس و اعلیٰ کو، اب رہیں وہ چیزیں جو مخفی ہیں اور ظاہر نہیں ہیں، انہیں یہ حاسے نہیں محسوس کر سکتے۔ (مثلاً روح کو۔ نہ حاسہ، شامہ محسوس کر سکتا ہے، نہ باصرہ، نہ ذائقہ، نہ سامعہ، نہ لامسہ)۔

اور یہ بات اس طرح ہے کہ خالق حواس نے ان کے لیے ایک دل بنا دیا ہے جس سے بندوں پر حجت قائم کر دی ہے اور ان حاسوں کو صرف ظاہری چیزوں کا محسوس کرنے والا بنایا جن سے خالق سبحانہٗ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ پھر نظر نے اس مخلوق کو دیکھا جس کا بعض حصہ بعض سے ملحق و متصل ہے اور دل کو اپنی دیکھی ہوئی چیز کو بتایا اور جب آنکھ نے دل کو بتایا جو اس نے آسمانی سلطنت اور فضا میں بلند رہنے کو دیکھا کہ بغیر کسی عمود کے قائم ہے اور نہ کبھی (اپنی حرکت و گردش میں) پیچھے رہ جاتا ہے کہ ٹوٹ پھوٹ جائے اور نہ آگے بڑھ جاتا ہے کہ ہمارے محاذات سے ہٹ جائے، نہ نیچے جھک آتا ہے کہ ہم سے قریب ہو جائے، نہ کبھی مزید بلند ہو جاتا ہے کہ ہم سے بہ نسبت حال کے زیادہ دور ہو جائے (بلکہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے۔) طول مدت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتا، اور شب و روز کی آمد و رفت سے کہنہ نہیں ہوتا، نہ اس کا کوئی گوشہ ٹوٹ پڑتا ہے، نہ اس کا کوئی کنارہ گرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان سبعہ سیارات کو بھی دیکھو، کہ حرکت فلکی سے متحرک ہیں اور ایک بُرج سے دوسرے بُرج میں روز بروز اور ماہ بماہ، اور سال بسال منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ بعض تیز رفتار ہیں (جیسے چاند) بعض سست رفتار ہیں (جیسے زُحل) بعض میانہ رفتار ہیں (جیسے آفتاب) پھر ان کا جاتے جاتے پلٹ آنا اور مستقیم رفتار سے چلنے لگنا۔ (جیسے خمسہ متحیرہ کی رفتار ہے) کبھی

Presented by Ziaraat.Com

جنوب کی طرف جانا، کبھی شمال کی جانب جانا، آفتاب کے روشن رہنے کے وقت پوشیدہ رہنا، غروب آفتاب کے وقت چمکنے لگنا، اور آفتاب و ماہتاب کا سرعت رفتار کے ساتھ ایک بُرج سے دوسرے برج میں جانا جو اپنے زمانے اور اوقات میں کبھی تغیر نہیں پیدا کرتے، اور اسے وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس امر کو سمجھ سکتے ہوں کہ کسی مقررہ حساب اور کسی امر معلوم کے لیے حکمت کے ساتھ یہ بنائے گئے ہیں۔ عقل والے اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ کسی انسان کی حکمت سے نہیں بنے اور نہ خیالات واوہام کی جستجو سے قائم ہوئے، نہ فکروغور کے عمل سے۔

تو دل نے اس امر کو معلوم کر لیا کہ اس خلقت اور اس تدبیر اور عجیب چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے جو اس تہہ بہ تہہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اور یہ کہ جس نے آفتاب اور ستاروں کو ان آسمانوں میں پیدا کیا ہے وہی آسمان کا بھی خالق ہے۔

پھر، آنکھ نے جو دیکھا کہ زمین ابھری ہوئی ہے اور دل کو اپنے مشاہدے کی خبر دی تو دل نے معلوم کر لیا کہ اس بچھی ہوئی زمین کا اپنے مقام سے ہٹنے یا فضا میں جھک جانے سے روکنے والا (باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ ایک پرندے کا پر بھی اگر اوپر کو پھینکا جائے تو اپنی جگہ پر گر پڑتا ہے حالانکہ بہت ہی ہلکا ہوتا ہے) وہی ہے جس نے آسمان کو جو اس سے فوق و بلندی میں روکے ہوئے ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا گیا کہ اگر ایسا نہ ہوتا (کہ کوئی اس کا قائم رکھنے والا ہو) تو زمین خود اپنے بوجھ، اور پہاڑوں، دریاؤں، درختوں اور ریت کے ٹیلوں کے بار سے دھنس جاتی۔

تو دل نے آنکھ کے بتانے سے یہ جان لیا کہ زمین کا مدبر بھی وہی ہے جو آسمان کا مدبر ہے۔

پھر، کانوں نے جو سخت وتند آندھیوں اور نرم ولطیف ہواؤں کی آواز سنی اور آنکھ نے دیکھا کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔ مضبوط سے مضبوط عمارتوں

Presented by Ziaraat.Com

کو گرا کر تباہ کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے ریت کے ٹیلوں کو اڑا دیتی ہے۔ ایک جانب کو اس سے خالی کر دیتی ہے اور دوسری جانب اسے لا ڈالتی ہے، حالانکہ ایسے لے جانے والا نہیں جسے آنکھ دیکھ سکے اور کان اس کے قدموں کی چاپ سن سکیں، نہ اور کسی حاسے سے محسوس ہو سکے، نہ خود ہوا ہی ایسی مجسم چیز ہے جسے چھو کر معلوم کر سکیں، نہ محدود ہے کہ دیکھ سکیں۔ پس کان اور آنکھ اور تمام حاسوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ دل کو یہ بات بتا دی کہ اس کا کوئی صانع (ضرور) ہے۔

یہ اس طرح ہوا کہ دل تو اس عقل کے ذریعے سے غور کرتا ہے جو اس کے اندر قرار دی گئی ہے، کہ ہوا خود بخود نہیں چل سکتی، اور نیز یہ کہ اگر خود بخود متحرک ہوتی تو کسی وقت بھی نہ رکتی (کیونکہ علم طبعیات میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فعل طبعی بلا کسی بڑی روک کے از خود نہیں بدل سکتا۔) اور نہ یہ کرتی ہے کہ ایک چیز کو گرا کر تباہ کر دے اور دوسری کو چھوڑ دے۔ یعنی ایک درخت کو تو اکھاڑ پھینکے اور دوسرے کو اس کے حال پر رہنے دے۔ (حالانکہ وہ بھی اسی کے پہلو میں ہے)۔ ایک سرزمین پر تو چلے، دوسری سرزمین پر نہ چلے۔

پس جب دل نے ہوا کے معاملے میں غور کیا، تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا کوئی محرک ضرور ہے، جو اسے اپنی مشیت کے موافق چلاتا اور اپنی ہی مشیت کے موافق ٹھہراتا ہے۔ جس پر چاہتا ہے ڈالتا، اور جس سے چاہتا ہے اسے پھیرتا ہے۔

پھر جب دل نے یہ بات معلوم کر لی، تو جان لیا کہ یہ بھی آسمان اور اس کی آیات و علامات سے ملی ہوئی ہے۔ پس اسے معلوم ہو گیا کہ وہ مدبر جو زمین و آسمان کو ٹھہرائے رہنے پر قادر ہے، وہی ہوا کا بھی خالق ہے اور اپنی مشیت سے اس کا روکنے والا اور جس پر چاہے اس کا (ہوا کا) مسلط کرنے والا ہے۔

اسی طرح آنکھ اور کان نے دل کو اس زلزلے کے حال سے بھی خبر دی اور اس نے

Presented by Ziaraat.Com

ان کے علاوہ اور حاسوں سے بھی محسوس کیا، جبکہ کسی زلزلے نے ان حاسوں کو متحرک کیا۔

پس جب ان حاسوں نے دل کو اتنی بڑی دبیز، بھاری، لمبی چوڑی زمین کے متحرک ہونے سے مع ان تمام پہاڑوں، دریاؤں اور خلائق وغیرہ کے وزن کو بتایا، اور یہ کہ ایک ہی سمت زمین میں زلزلہ آتا ہے۔ دوسری جانب کی زمین ساکن رہتی ہے۔ باوجودیکہ زمین ایک جسم واحد اور متصل ہے۔ نہ اس میں کہیں جوڑ ہے نہ کسی جگہ سے علیحدہ ہے۔ (جس سے کہا جا سکے کہ اس جوڑ اور علیحدگی کی وجہ سے ایک حصہ زمین میں زلزلہ آیا، دوسرے حصے میں نہیں آیا۔) ایک طرف تو مکان وغیرہ کو تباہ کر دیتا ہے زمین کو دھنسا دیتا ہے اور دوسری طرف بالکل سالم چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت دل نے جانا کہ جس قدر زمین متحرک ہوئی اس کا متحرک اور جس قدر ساکن ہے اس کا ساکن رکھنے والا وہی ہے جو ہوا کا محرک ومسکن تھا، اور وہی آسمان وزمین اور مابین آسمان وزمین کا بھی مدبر ہے۔

اور نیز یہ بھی جانا کہ اگر زمین ہی زلزلہ پیدا کرنے والی ہوتی (اپنے تئیں کو ہلانے والی ہوتی) تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ اپنے میں زلزلہ اور حرکت پیدا کرتی (کیونکہ اس کی شان سے سکون ہے۔ اور اگر اس کے لیے حرکت ہوتی تو ہمیشہ ہی متحرک رہتی، کیونکہ مقتضائے طبیعت کبھی نہیں بدلتا۔) لیکن اس کا محرک وہی ہے جس نے اس کی تدبیر کی ہے اور اسے خلق فرمایا۔ جس جزو کو اس کے چاہا ہلا دیا (اور جسے چاہا ساکن رکھا)۔

پھر آنکھ نے اس بڑی علامت (وجود خالق) یعنی ابر کو دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان خدائی حکم کے تابع اور دھوئیں کے مانند ہے اس میں ایسا جسم نہیں جو زمین اور پہاڑوں سے ٹکرائے، درختوں کے درمیان سے ہو کر گزر جاتا ہے مگر نہ اسے حرکت دیتا ہے اور نہ ان کی کسی شاخ کو توڑتا ہے اور نہ ان کے کسی جزو سے چمٹ جاتا، قافلہ والوں کے درمیان میں آ جاتا ہے اور اپنی تاریکی اور کثافت سے ایک دوسرے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (اتنا ہلکا

Presented by Ziaraat.Com

پھلکا) پھر اس قدر کثیر پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتا ہے (یعنی اس میں اس قدر پانی بن جانے کی صلاحیت ہوتی ہے) کہ جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتی۔ پھر اس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے صاعقے، چمکنے والی بجلیاں، کڑک، برف اولے اور بستہ شبنم ہوتی ہے جسے وہم و خیال بھی نہیں بیان سکے، اور نہ اس کے عجائب کنہ حقیقت کو دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ فضائے آسمان میں بلند ہوتا ہے، علیحدہ علیحدہ رہتا ہے۔ پھر اکٹھا ہو جاتا ہے متفرق رہتا ہے۔ پھر ایک دوسرے سے مل جاتا ہے باذنِ خدا جس طرف اس کو ہوا لے جانا چاہتی ہے ادھر اس کو پھیلا دیتی ہے۔ ہواؤں ہی کی وجہ سے کبھی نیچے آ جاتا ہے کبھی بلند ہو جاتا ہے۔ مگر اس کثیر پانی کو جو اس کے اندر ہے لیے ہی رہتا ہے اور جب اسے گراتا (برساتا) ہے تو دریا کے دریا اس سے بہہ جاتے ہیں۔ بہت سے مقامات اور شہروں پر سے ہو گزرتا ہے، مگر اس میں سے ایک نقطہ (یا قطرہ) برابر بھی کم نہیں ہوتا، یہاں تک کہ جب لاتعداد کوسوں تک پہنچ جاتا ہے تو اس پانی کو جو اس کے اندر ہے قطرہ قطرہ اور سیل سیل کر کے بہاتا ہے جو متواتر برستے رہتے ہیں، تا ایں کہ حوضوں، تالابوں اور چھوٹے بڑے گڑھوں وغیرہ کو مملو کر دیتا ہے، کتنی نہریں ہیں جو پانی سے لبریز ہو جاتی ہیں، بہاؤ اس کا اس قدر تیز اور زور شور برپا کرتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

پھر اسی مینہ (بارش) سے مردہ زمینوں کو زندگی بخشتا ہے اور ان کی خاکی رنگ سبز رنگت سے بدل جاتی ہے، گھاس اُگ آتی ہے، حالانکہ پہلے بالکل خشکی ہوتی ہے رنگا رنگ کے نباتات، لہلہاتے خوشنما سبزوں کا لباس اوڑھ لیتی ہے جو انسانوں اور چوپاؤں کے لیے معاش اور خوش کن ہے۔

پھر جب بادل اپنے پانی کو برسا چکتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے اور ایسی جگہ چلا جاتا ہے کہ نہ دکھائی دیتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہاں جا کر چھپ گیا ہے۔ جب آنکھ نے یہ دیکھ کر دل تک پہنچایا تو دل نے جان لیا کہ اگر ابر بغیر کسی مدبر کے ہوتا اور جو کچھ میں نے بیان

Presented by Ziaraat.Com

کیا خود اس ابر کی طرف سے ہوتا تو (کبھی) وہ اپنے پانی کے نصف کا بھی بار نہ اٹھا سکتا، اور اگر یہ ابر ہی مینہ برساتا ہوتا تو کبھی دو ہزار فرسخ یا اس سے زیادہ پانی کو اٹھا کر نہ جاتا، بلکہ اس سے قریب ہی کہیں برسا دیا کرتا، اور قطرہ قطرہ کر کے نہ برساتا بلکہ ایکبارگی برسا دیتا (کیونکہ اس میں نیک و بد کی شناخت کا مادہ کہاں)۔

تو پھر اس سے عمارتیں گر پڑتیں، نباتات خراب ہو جاتے، سیلاب کی وجہ سے انسان وحیوان بہہ جاتے، آبادیاں ویران ہو جاتیں۔ اور یہ بھی ہوتا کہ کہیں برستا اور کہیں نہ برستا۔

پس واضح و روشن دلیلوں سے دل نے معلوم کیا کہ ان تمام امور کا مدبر ایک ہی ہے اور اگر دو یا تین ہوتے تو اتنی طولانی مدت و زمانہ و دہر میں کبھی نہ کبھی تو اس تدبیر اور ان کاموں میں اختلاف پڑتا، کسی میں تاخر ہوتا، کسی میں تقدم ہو جاتا۔ بعض جو بلند ہیں، پست ہو جاتے۔ بعض جو پست ہیں بلند ہو جاتے۔ کوئی طلوع کرتا، کوئی غروب کر جاتا۔ (برخلاف حالت موجودہ کے)۔ پھر یا تو اپنے وقت سے پیچھے رہ جاتا، یا اپنے سابق سے مقدم ہو جاتا۔

لہٰذا اس سے دل نے معلوم کیا کہ تمام غائب و ظاہر اشیاء کا مدبر وہی معبود ہے جو سب سے پہلے ہے۔ آسمان کا خالق اور اس کے قائم رکھنے والا زمین کا پیدا کرنے والا اور اس کا بچھانے والا، اور نیز ان تمام چیزوں کا جنہیں ہم نے بیان کیا، اور ان کے علاوہ اور اشیاء کا صانع ہے جو لاتعدد ولا تحصیٰ اور ناقابل بیان ہیں وغیرہ وغیرہ۔

علیٰ ہذا القیاس، آنکھ نے جب یہ رات، دن جو تازہ بتازہ اور نوبہ نو برابر آتے جاتے رہتے ہیں باوجود برابر آمد و رفت کے کہنہ نہیں ہوتے اور نہ کثرت اختلاف سے متغیر ہوتے اور نہ اپنی حالت میں کچھ کمی پیدا کرتے ہیں دن اسی طرح اپنے نور و ضیاء پر اور رات اپنی سیاہی و ظلمت پر ایک دوسرے کے اندر داخل ہوتے رہتے ہیں۔ (یعنی بظاہر نظر، دن، رات کے اندر، اور رات، دن کے اندر داخل ہوتے رہتے ہیں۔) یہاں تک کہ ان میں سے ہر

Presented by Ziaraat.Com

ایک اپنی حدود معینہ معلومہ، درازی و کوتاہی پر ایک ہی انداز اور ایک ہی رفتار سے پہنچ جاتا ہے۔ باوجودیکہ جن کو رات میں سکون رہتا ہے ان کو سکون ہی رہتا ہے اور جو دن میں پراگندہ رہتے ہیں۔ وہ پراگندہ ہی رہتے ہیں۔ جو رات میں پراگندہ رہتے ہیں وہ پراگندہ ہی رہتے ہیں اور جو دن میں ساکن رہتے ہیں وہ ساکن ہی رہتے ہیں۔ (ان کے سکون و حرکت کا رات یا دن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ اپنی رفتار معین اور اندازہ مقرر کے مطابق برابر اپنے آمد و شد میں مصروف رہتے ہیں)۔

نیز گرمی اور سردی اور ان میں سے ایک کا دوسرے کے بعد آنا، جس سے گرمی کے بعد سردی اور سردی کے بعد گرمی اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے آغاز پر ہوتی ہی رہتی ہے۔ آنکھ نے مشاہدہ کیا (جن میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ اس سے پروردگار عالم سبحانہٗ و تعالیٰ کا پتہ دل کو معلوم ہو جاتا ہے۔)

تو دل نے اپنی قوت مدرکہ عاقلہ سے اس امر کو معلوم کیا کہ جس نے ان تمام چیزوں میں تدبیر و اصلاح کی ہوگی، وہ ضرور یکتا، غالب اور حکیم ہوگا۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور اگر زمین و آسمان کے اندر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنے پیدا کیے ہوئے کی طرف متوجہ ہوتا...... اور ایک دوسرے پر فوقیت چاہتا۔ پھر تو ایک دوسرے میں نزاع اور فساد قائم ہو جاتا۔

علیٰ ہذا القیاس کانوں نے وہ کتابیں بھی سنیں جن کو اس مدبر نے ان باتوں کی تصدیق کے لیے اتارا (نازل کیا) تھا۔ جنہیں دل نے اپنی قوت مدرکہ اور توفیق الٰہیہ سے معلوم کیا تھا۔ نیز ان لوگوں کی باتوں کو سنا جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ اس مدبر حکیم کے نہ جورو (بیوی) ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ تو جو کچھ انبیاء سے سنا تھا دل کو بتایا (اور دل نے اس کی تصدیق کی)۔

اس نے کہا،...... آپ نے تو ایسی ایسی لطیف باتیں مجھ سے بیان کیں کہ سوائے

Presented by Ziaraat.Com

آپ کے اور کسی نے مجھ سے نہ بیان کی تھیں۔ مگر مجھ کو اپنے خیال کے چھوڑنے سے کوئی بات نہیں روکتی سوائے اس کے کہ آپ نے جو باتیں مجھ سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کی قوی دلیل دیجئے اور توضیح فرمایئے۔

میں نے کہا،...... اچھا، جبکہ تم جواب نہیں دے سکتے اور تمہاری گفتگو مختلف ہو گئی تو (انشاء اللہ) عنقریب تمہارا ہی دل تمہیں وہ وہ باتیں بتائے گا جن سے ثابت ہو جائے گا کہ حواس بغیر دل کی کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے۔

اچھا تم نے کبھی خواب میں یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھا پی رہے ہو اور اس کی لذت تمہارے دل کو پہنچتی ہے؟

اس نے کہا،...... 'ہاں'

میں نے کہا،...... تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ خواب میں ہنس رہے ہو، رو رہے ہو۔ ایسے ایسے شہروں کی سیر کر رہے جن کو کبھی تم نے نہیں دیکھا تھا۔ یا جن کو دیکھا تھا۔ پھر خواب میں اس کی تمام علامتوں کو پہچان لیا۔ معلوم کر لیا؟

اس نے کہا،...... 'ہاں' ایسے تو بیشمار خواب دیکھے ہیں۔

میں نے کہا،...... اچھا تم نے اپنے قرابت داروں میں سے کسی بھائی، باپ یا اور کسی رشتہ دار کو بھی خواب میں دیکھا ہے جو اس سے پہلے مر چکا ہو، اور پھر جس طرح اسے مرنے سے پہلے پہچانتے تھے اسی طرح اس کو پہچان لیا ہو۔

اس نے کہا،...... اکثر و بیشتر۔

میں نے کہا،...... تو اب یہ بتاؤ کہ خواب میں تمہارے کون سے حاسے نے ان چیزوں کو محسوس کر کے دل کو بتایا کہ وہ مردوں کو اور ان کی گفتگو کرنے، کھانا کھانے، شہروں میں جانے اور ہنسنے، رونے وغیرہ کو ادراک کرے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس نے کہا، ...... میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے کس حاسے نے ان سب باتوں کو یا ان میں سے بعض کو محسوس کیا۔ اور پھر وہ محسوس ہی کیوں کر سکتے ہیں حالانکہ (سونے کی حالت میں) بمنزلۂ مُردے کے ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔

میں نے کہا، ...... اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم نیند سے چونکے تو کیا تمہیں وہ باتیں یاد نہیں آئیں جنہیں خواب میں دیکھا تھا۔ پھر یاد رکھ کر اسے اپنے بھائیوں (دوست احباب و اقارب) سے بیان کیا اور اس میں سے ایک حرف بھی نہ بھولے؟

اس نے کہا، ...... ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں اور بسا اوقات میں نے خواب میں ایک چیز کو دیکھا، پھر شام نہ ہونے پائی کہ اسے بیداری کی حالت میں ویسا ہی دیکھا، جیسا خواب میں دیکھا تھا۔

میں نے کہا، ...... اچھا، تو بتاؤ کہ تمہارے کس حاسے نے اس کا علم تمہارے دل میں قائم کیا کہ جاگنے کے بعد بھی تم نے اسے یاد رکھا؟

اس نے کہا، ...... اس میں تو حاسے کا کچھ بھی دخل نہیں ہوا۔

میں نے کہا، ...... تو کیا تم جان نہیں سکتے کہ جب تمہارے حاسے اس موقع پر بالکل معطل تھے تو ان چیزوں کو جس نے دیکھا اور خواب میں یاد کر لیا وہ تمہارا وہی دل ہے جس کے اندر عقل ہے جس کے ذریعے سے خدائے تعالیٰ نے بندوں پر حجت تمام کی ہے۔

اس نے کہا، ...... میں نے جو خواب میں دیکھا وہ کوئی چیز نہیں ہے محض بمنزلۂ سراب کے ہے جسے کوئی دیکھنے والا دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یقیناً یہ پانی ہے مگر جب وہاں تک پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا بالکل نشان بھی نہیں پاتا، تو جو کچھ بھی میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کی یہی مثال ہے۔

میں نے کہا، ...... تم نے سراب اور اپنے تئیں کو خواب میں میٹھا یا کھٹا طعام کھاتے

Presented by Ziaraat.Com

ہوئے دیکھنے اور خوشی یا غم کو (جو خواب میں دیکھا تھا۔) کیسے یکساں بتا دیا؟

کہنے لگا...... اس سبب سے کہ جب میں سراب کے موقع پر پہنچا تو دیکھا کہ کچھ بھی نہ تھا۔ اسی طرح جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ جب میں خواب سے ہوشیار ہوا تو کچھ بھی نہ تھا۔

میں نے کہا، ...... اگر تمہارے سامنے کوئی ایسی مثال پیش کروں جس کی لذت تم کو خواب میں ملی ہو اور اس سے تمہاا دل بے چین ہوا ہو تو کیا تم یقین نہ کرلو گے؟ کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہی درست ہے۔

کہنے لگا، ...... ضرور۔

میں نے کہا، ...... یہ بتاؤ کہ کبھی خواب میں تم کو احتلام ہوا ہے، اور کسی آشنا یا نا آشنا عورت سے اپنی خواہش پوری کی ہے؟

اس نے کہا، ...... بہت دفعہ۔

میں نے کہا، ...... تو کیا تم کو اتنی ہی لذت نہیں ملی جتنی جاگنے کی حالت میں (جماع کرنے سے) ملتی ہے۔ یہاں تک کہ تم سے اسی قدر (مادۂ منویہ) خارج ہوا جتنا جاگنے کی حالت میں خارج ہوتا ہے؟ یہ تو تمہارے والی دلیل کو توڑنے کے لیے کافی ہے۔ (کیونکہ سراب کا تو واقعی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب پاس جا کر دیکھو تو ریت ہی ریت ہے پانی کا نام نہیں اور یہاں تو اس مجامعت منانی کا اثر موجود ہے کہ منی تک خارج ہو گئی)۔

اس نے کہا، ...... محتلم تو خواب میں صرف وہی دیکھتا ہے جسے اس کے حاسوں نے بیداری کی حالت میں بتایا تھا۔

میں نے کہا، ...... تم نے تو میری گفتگو کو اور قوی کر دیا، اور مان لیا کہ حاسوں کے باطل (اور بے ادراک و بے احساس) ہو جانے پر بھی دل تمام چیزوں کو سمجھتا اور پہچانتا ہے تو

Presented by Ziaraat.Com

پھر تم نے کیسے کہہ دیا تھا کہ دل بیداری اور اجتماع حواس کی حالت میں تمام چیزوں کو معلوم نہیں کر سکتا ہے۔ (بلکہ حاسے معلوم کرتے ہیں) حواس کے باطل ہو جانے پر کس نے دل کو یہ چیزیں بتائیں، حالانکہ نہ وہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ تمہیں تو یہ مناسب تھا کہ حواس کے اجتماع و بقاء کی حالت میں دل کی معرفت کا انکار نہ کرتے جبکہ تم نے یہ اقرار کر لیا کہ وہ حواس کے بطلان کے بعد بھی کسی عورت کو خواب میں دیکھتا اور اس سے صحبت کرتا اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔

پس ایک عقلمند آدمی کے لیے جو یہ کہتا ہو کہ حاسوں کے معطل ہو جانے کے بعد بھی دل اشیاء کا ادراک کرتا ہے، سزاوار ہے کہ یہ بھی جانے کہ دل ہی حاسوں کا مدبر، ان کا بادشاہ راس و رئیس اور ان کا حاکم ہے کیونکہ آدمی کیسا ہی جاہل ہو مگر اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہو سکتا کہ ہاتھ اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ آنکھ کو نکالے یا زبان کا کاٹ ڈالے اور نیز کوئی سا حاسہ بھی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی جزو بدن کے ساتھ کوئی فعل بغیر دل کی اجازت اور بتانے اور تدبیر کرنے کے کر سکے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے دل کو بدن کا مدبر بنایا ہے۔ اسی کے ذریعے سے سنتا اور اسی کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ وہی اس بدن کا حاکم اور امیر ہے۔ اگر دل پیچھے ہٹنا چاہے تو بدن آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ اگر دل آگے بڑھنا چاہے، اس کے ذریعے سے حاسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اگر وہ حکم کرے تو اس کا حکم مانتے ہیں۔ اگر کسی چیز سے منع کرے تو باز رہتے ہیں۔ اسی پر خوشی اور غم وارد ہوتے ہیں۔ اسی پر تکلیف وارد ہوتی ہے۔ (یعنی وہی تکلیف کے اثر کو محسوس کرتا ہے) اگر حاسوں میں سے کوئی حاسہ بیکار ہو جائے، تو وہ اپنے حال پر رہتا ہے اور اگر دل میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو سارے حواس بیکار ہو جاتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔

اس نے کہا،...... میں تو سمجھتا تھا کہ آپ اس مسئلے پر چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ مگر آپ

Presented by Ziaraat.Com

نے تو ایسی ایسی باتیں بیان کیں کہ میں اس کے رد کرنے پر قادر ہی نہیں ہوں۔

میں نے کہا،...... اب میں تم کو اسی جگہ بیٹھے بیٹھے ان تمام باتوں کی تصدیق کراتا ہوں جو میں نے تم سے بیان کی ہیں، اور جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے۔

اس نے کہا،...... اچھا آپ ایسا کریں، میں تو اس مسئلہ میں حیران رہ گیا۔(ہکا بکا ہو گیا ہوں)

میں نے کہا،...... اچھا بتاؤ کہ کبھی تم اپنے دل میں کسی تجارت یا پیشے یا تعمیر مکان یا کسی چیز کے بنانے کا تصور کرتے ہو اور جب اس کا اندازہ اپنے خیال میں پختہ کر لیتے ہو تو اس کام کا حکم دیتے ہو؟

اس نے کہا،...... ہاں

میں نے کہا،...... تو کیا اس خیال میں اپنے کسی حاسے کو بھی دل کا شریک بنایا تھا۔

اس نے کہا،...... نہیں

میں نے کہا،...... کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارا دل جو کچھ کہتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔

اس نے کہا،...... یقین تو وہی ہے (جو دل بتائے) اب آپ کچھ اور بیان فرمائیے جس سے میرا شک دور ہو اور جو میرے دل سے شبہ کو نکال دے۔

میں نے کہا،...... یہ بتاؤ کہ تمہارے ملک والے علم نجوم کو بھی جانتے ہیں!

اس نے کہا،...... آپ کو میرے اہل ملک کے علم نجوم جاننے کا حال نہیں معلوم ہے۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو ان سے زیادہ اس علم کو جانتا ہو۔

میں نے کہا،...... اچھا بتاؤ کہ ان کو نجوم کا علم کیوں کر حاصل ہوا، حالانکہ ان (نجوم) کا علم نہ حاسوں سے محسوس ہوتا ہے نہ فکر و غور سے معلوم ہوتا ہے۔

اس نے کہا،...... حکماء نے ایک حساب بنا لیا ہے اور اسی کو لوگ یکے بعد دیگرے

Presented by Ziaraat.Com

معلوم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے کوئی بات دریافت کرتا ہے تو وہ آفتاب کا اندازہ لگاتے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی منزلوں کو دیکھتے ہیں اور یہ کہ کون سا طالع ستارہ نحس ہے اور کون سا مخفی ستارہ سعد ہے۔ پھر حساب کر لیتے ہیں اور اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ لوگ اپنے بچوں کو اس (منجم) کے پاس لاتے ہیں اور وہ اس کا حساب لگاتا ہے۔ پھر جو جو باتیں اس میں ہوتی ہیں اور جو واقعات اس پر مرنے کے وقت تک پڑنے والے ہوتے ہیں سب کی خبر دے دیتا ہے۔

میں نے کہا،...... حساب (نجوم) کو آدمیوں کے بچوں سے کیا تعلق[1]؟

اس نے کہا،...... اس سبب سے کہ تمام آدمی انہیں ستاروں کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ حساب ہی درست نہ ہو۔ اسی وجہ سے جب وہ ساعت، دن، مہینہ اور سال جس میں وہ پیدا ہوا ہے شمار لیتا ہے تو اس کے حساب میں غلطی نہیں ہوتی۔

میں نے کہا،...... اگر یہ علم سچا ہو تو واقعی ایک عجیب علم کو تو نے بیان کیا جس سے باریک تر اور زیادہ قابل عظمت کوئی علم نہیں۔ جس سے پیدا ہونے والا بچہ اور اس کے تمام علامات و منتہائے زندگی اور جو کچھ اس کی حیات میں واقع ہوں گے معلوم ہوتے ہوں۔ کیا یہ حساب ایسا نہیں کہ تمام دنیا کے آدمی اسے جانتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں؟

اس نے کہا،...... مجھے تو اس میں کوئی شبہ نہیں (بلکہ یقین ہے کہ لوگ اس علم کو جانتے ہوئے پیدا نہیں ہوتے۔)

میں نے کہا،...... اچھا، آؤ ہم تم اپنی عقلوں سے غور کریں کہ اس علم کو لوگوں نے کیوں کر جانا، اور کیا یہ بات درست ہوتی ہے کہ بعض ہی آدمی اس علم کے عالم ہوں جبکہ سب آدمی ان ہی نجوم کے مطابق (یا ان ہی کے سبب سے) پیدا ہوتے ہوں؟

۱۔ اس مقام پر حضرت عمداً تجاہل عارفانہ فرما رہے ہیں تاکہ آئندہ کی تقریر میں اس سے کام لیں کوئی غافل یہ نہ سمجھے کہ حضرت کو واقعی یہ بات معلوم نہ تھی۔

Presented by Ziaraat.Com

اور نیز یہ کہ بعض ہی آدمیوں نے سبھی اس کے سعد ونحس ساعات واوقات باریکیاں اور درجے، ست وتیز رفتار کو اور ان کے وہ مقامات جو آسمان پر ہیں اور وہ مقامات جو زمین کے نیچے ہیں اور ان باریک باتوں کے بتانے کو جنھیں تم بیان کر چکے ہو باوجودیکہ کچھ زمین کے اوپر ہیں اور کچھ زمین کے نیچے ہیں کیوں کر معلوم کیا؟ کیونکہ تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ان بروج میں سے بعضے تو اوپر ہیں اور بعضے نیچے ہیں۔ (چھ تو اوپر رہتے ہیں اور چھ نیچے اس وجہ سے کہ آسمان چونکہ مدوّر ہے اور زمین کو محیط ہے لہٰذا نصف حصہ اس کا اوپر کی جانب دکھائی دیتا ہے اور نصف ہی زمین کے نیچے رہتا ہے۔ جس قدر بالائی حصہ زمین کے سامنے سے جاتا رہتا ہے اتنا ہی نیچے والا حصہ اوپر آتا رہتا ہے اسی وجہ سے تمام شب برجوں کو دیکھتے رہنے سے صرف چھ ہی برج نظر آ سکتے ہیں۔ باقی جو دن میں اوپر آتے ہیں وہ آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ مگر یہ کہ رسد خانے میں ان کا بھی مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ دن ہو۔)

اسی طرح ساتوں ستارے (سبعہ سیارات) بھی بعضے فوقِ زمین رہتے ہیں اور بعضے تحتِ زمین۔ مگر آسمان ہی پر (یعنی اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ زمین کے نیچے آسمان نہیں ہے اور ستارے آسمان کے علاوہ ہوا میں معلق رہتے ہیں، بلکہ رہتے تو آسمان ہی پر ہیں مگر اس کے اس حصے پر جو زمین کے حائل ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتے۔)

میری عقل تو اسے تسلیم نہیں کرتی کہ روئے زمین کے آدمیوں میں سے کوئی بھی اس پر قادر ہوا ہو (کہ تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کی حقیقت معلوم کر لے اور ان کا حساب نکالے)۔

میں نے کہا،..... تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام اہل زمین انہی ستاروں کے حساب سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو میں جانتا ہوں کہ وہ حکیم جس نے اس حساب کو قائم کیا ہے۔ انہیں اہل دنیا میں سے کوئی ہوگا۔

اس میں بھی شک نہیں (اگر تمہارا یہ بیان صحیح ہے کہ کسی حکیم نے اس علم کو بنایا ہے)

Presented by Ziaraat.Com

کہ وہ بھی انہیں نجوم کے مطابق پیدا ہوا ہو گا جیسے اور تمام لوگ پیدا ہوتے ہیں۔

اس نے کہا،...... البتہ! آخر یہ حکیم بھی تو انسان ہی ہے (لہٰذا ضروری ہے کہ جس طرح مطابق نجوم کے اور لوگ پیدا ہوئے ہیں یہ بھی پیدا ہوا ہو گا)۔

میں نے کہا،...... تو کیا تمہاری عقل اس بات کو نہیں بتاتی کہ یہ ستارے اس حکیم کے پیدا ہونے سے پہلے کے ہوں گے جس کی بابت تم نے کہا ہے کہ اس نے اس علم کو وضع کیا ہے اور یہ بھی تمہارا خیال ہے کہ وہ بھی انہیں ستاروں کے مطابق پیدا ہوا ہے۔

اس نے کہا،...... بیشک (ایسا ہی ہے کہ یہ ستارے اس کے وجود سے مقدم ہیں)۔

میں نے کہا،...... تو کیوں کر اس حکیم کو اس علم (نجوم) کے بنانے (وضع کرنے) کا طریقہ معلوم ہوا، حالانکہ بغیر کسی ایسے معلم کے جو اس حکیم اور نیز ستاروں کے وجود سے بھی پہلے ہو نہیں ہو سکتا، اور اسی نے اس حساب کو قائم کیا ہو گا۔ جس کی بابت تمہارا خیال ہے کہ مولود کی وہی جڑ اور بنیاد ہے۔ اور جڑ ضروری ہے کہ مولود سے مقدم ہو اور جس حکیم کی بابت تمہارا دعویٰ ہے کہ اس نے اس علم کو قائم کیا وہ ضرور کسی ایسے معلم کی اقتدا کرتا ہو گا جو اس سے بھی مقدم ہو جس نے اس حکیم کو بھی ان ستاروں میں سے کسی کے مطابق پیدا کیا ہو گا اور جس نے ان بُرجوں کو بنایا ہو گا اور اسی نے ان برجوں کو بھی بنایا ہو گا جن کے مطابق اور (دوسرے) آدمی پیدا ہوتے ہیں۔

پس بنیاد قائم کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان ستاروں سے بھی پہلے موجود ہو۔

اچھا مان لو کہ اس حکیم کی عمر اس دنیا سے دس گنا ہے۔ پھر بھی تو ان ستاروں کو اسی طرح معلق دیکھتا ہو گا، جیسے آج تم دیکھ رہے ہو۔ (پھر تم میں اور اس حکیم میں کیا فرق ہوا؟ کیوں کر اسے یہ حساب معلوم ہوا اور تم کو نہ معلوم ہوا۔) کیا وہ اس بات پر قادر تھا کہ باوجود ان

Presented by Ziaraat.Com

ستاروں کے آسمان پر ہونے کے ان کے قریب جائے (اور ان کی حقیقت و کیفیت معلوم کرے) تاکہ ان کے منازل، رفتار، نحس، سعد اور ان کے دقائق کو معلوم کرے اور یہ کہ کس ستارے سے سورج یا چاند کو گہن لگتا ہے۔ کس کے مطابق بچے پیدا ہوتے ہیں، کون سا نیک ہے، کون سا بد ہے، کون سا تیز رفتار ہے کون سا سست ہے تاکہ اس کے بعد دن کی نیک گھڑیاں اور بُری ساعتیں معلوم ہوں، اور یہ کہ کون سا ستارہ نحس ہے۔ ہر ستارہ کتنی دیر زمین کے نیچے رہتا ہے کس ساعت میں غروب ہوتا ہے کس وقت طلوع کرتا ہے۔ کتنی دیر تک طالع رہتا ہے اور کتنی دیر تک غائب رہتا ہے؟

اور پھر اہل دنیا میں سے کسی حکیم کے لیے یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ آسمان کی باتوں کو جان لے، باوجودیکہ جس سے ان کا علم نہیں ہوتا اور نہ غور و فکر اس پر کام کرتی ہے، نہ وہ باتیں خیال میں آتی ہیں۔ اسے آفتاب کے اندازہ کرنے کا طریقہ کیوں کر معلوم ہوا، جس سے وہ جان سکے کہ آفتاب کس بُرج میں ہے۔ چاند کون سے بُرج میں ہے۔ یہ ساتوں سعد و نحس ستارے آسمان کے کس حصے پر ہیں۔ طالع کیا ہے، باطن (غائب) کیا چیز ہے؟ حالانکہ یہ سب ستارے آسمان پر ہیں اور وہ حکیم زمین پر ہے۔ جب آفتاب کی روشنی سے یہ ستارے غروب (پوشیدہ) ہو جاتے ہیں تو انہیں دیکھ نہیں سکتا، اگر یہ کہ تم کہو کہ یہ حکیم جس نے علم نجوم کے قواعد بنائے ہیں آسمان پر چڑھ گیا ہو گا۔ حالانکہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ عالم (حکیم) اس علم پر قادر نہ ہوا ہو گا۔ مگر اس شخص کے ذریعے سے جو آسمان ہی پر ہو۔ کیوں کہ یہ علم زمین والوں کا علم نہیں ہے۔

اس نے کہا، ...... مجھے تو آج تک یہ خبر ملی نہیں کہ اہل زمین میں سے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہو۔

میں نے کہا، ......تو شاید اس حکیم نے ایسا کیا ہو۔ مگر تم کو خبر نہ ملی ہو (حضرت کا یہ

Presented by Ziaraat.Com

کلام بطور طنز کے ہے)۔

اس نے کہا،...... اگر مجھ کو یہ خبر ملتی بھی تو میں تسلیم ہی کب کرتا۔

میں نے کہا،...... میں بھی یہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ خیر مان لو کہ وہ آسمان پر بھی چڑھ گیا، تو کیا اسے کوئی چارۂ کار اس سے ہوسکتا تھا کہ ہر ہر بُرج کے ساتھ ساتھ اور ہر ہر ستارے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہو۔ جہاں سے وہ طلوع کرتے اور جہاں غروب کرتے ہیں۔ پھر دوسرے ستارے کے پاس آیا ہو اور ایسا ہی کیا ہو۔ یہاں تک کہ آخری ستارے تک پہنچا ہو۔ کیونکہ بعض ستارے تو بیس برس میں دور تمام کرتے ہیں۔ بعضے اس سے کم میں (تو ضرور ہوا کہ وہ حکیم اتنے اتنے عرصے تک ہر ہر ستارے کے ساتھ ساتھ رہا ہوتا، تاکہ ان کی مدت رفتار و طلوع و غروب و سعد و نحس کو معلوم کر سکے) اور کیا اس کو کوئی چارۂ کار اس سے ہوسکتا تھا کہ آسمان کے چاروں طرف پھرے تاکہ اس کو سعد و نحس بطی و سریع ستاروں کے مطالع معلوم ہو سکیں، اور وہ ان کا حساب مرتب کر سکے۔

مان لو کہ وہ اس پر قادر بھی ہو گیا (کہ آسمان پر چڑھ گیا۔ ہر ہر ستارے کے ساتھ اِن کے مدت سیر تک بھی رہا۔ ہر ایک کا طلوع و غروب بھی معلوم کر لیا۔) یہاں تک کہ آسمان کی تمام چیزیں معلوم کر کے فارغ ہو گیا، تو کیا اس کا سارا حساب آسمان ٹھیک ہوسکتا ہے جب تک کہ زمین کے اور اس کے ماتحت کے نیچے کے ستاروں کا بھی حساب نہ لگائے۔ اور اتنے ہی دنوں میں اسے بھی نہ معلوم کرے جتنے دنوں میں آسمان کی چیزوں کو اس نے معلوم کیا ہے کیونکہ ان سیارات کی رفتار زیر زمین کچھ اور ہے اور بالائے زمین کچھ اور ہے، تو وہ ہرگز ان کے حساب و دقائق و ساعات کے بخوبی معلوم کرنے پر قادر نہ ہوسکتا تھا جب تک کہ ان ستاروں کی حالتوں کو بھی نہ معلوم کرے جو زمین کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اسے یہ تو ضروری ہے کہ وہ جانے کہ رات کی کس ساعت میں کوئی طلوع کرنے والا ستارہ چھپتا ہے (اور یہ ضرورت اس

Presented by Ziaraat.Com

لیے پڑی، کہ وہ ان ستاروں کو (جو زیرِ زمین ہیں) آنکھ سے نہیں دیکھتا، اور نہ ان کے طالع اور غائب کو۔ (لہٰذا لازم ہوا کہ جتنے دنوں اس نے آسمان کے بالائی حصے پر زمانہ صرف کیا ہے اُتنے ہی دنوں زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے بھی زمانہ صرف کرے۔)

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس علم کا جاننے والا ایک ہی ہو، تاکہ حساب سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ (ورنہ اگر کئی ہوں گے تو ضروری ہے کہ ان کے حساب میں فرق پڑے گا۔ (اور یہ بات کوئی شخص کر نہیں سکتا) مگر یہ کہ تم کہو کہ صاحب! وہ حکیم تو زمین کی ظلمتوں اور دریاؤں کے اندر بھی ہو آیا، ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ساتھ ان کی رفتار میں اتنے ہی دنوں رہ بھی آیا، جب تک وہ آسمان پر چلتے رہے یہاں تک کہ اس کو غائب ستاروں اور زمین کے نیچے والوں (ستاروں) کا حال اسی طرح معلوم ہو گیا جس طرح اتنی مدت صرف کر کے اس نے اوپر کے ستاروں کا حال معلوم کیا تھا۔

اس نے کہا، ...... میں نے یہ کب کہا تھا کہ کوئی شخص آسمان پر چڑھ سکتا ہے یہاں تک کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ زمین اور دریاؤں کی تاریکیوں میں بھی داخل ہوا ہوگا۔

میں نے کہا، ...... تو پھر یہ علم کس طرح ان حکیموں کو دستیاب ہوا جن کی بابت تم نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اس حساب کو وضع کیا ہے اور تمام آدمی اسی کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ اور کس طرح ان کو یہ علم حاصل ہوا حالانکہ اس علم نجوم اور حسابات سیارات کا وجود ان سے مقدم ہے (تو اپنے وجود سے پہلے کی خبروں کے حالات اصلی واقعی طور پر اوّل سے آخر تک ان کو کیوں کر معلوم ہو گئے۔)

اس نے کہا، ...... میرے نزدیک تو اب یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ ان آسمانی ستاروں کے علم کو زمین کے رہنے والوں نے وضع کیا ہو۔

میں نے کہا، ...... تو اب تمہیں ضرور یہ کہنا چاہیے کہ اس علم کو کسی ایسے حکیم نے بتایا

Presented by Ziaraat.Com

ہے جو آسمان وزمین کے حالات کو بخوبی جانتا اوران کا مدبر ہے۔

اس نے کہا،......اگر یہی کہہ دوں تو پھر اس معبود کا اقرار ہی کر لینا پڑے گا جس کی نسبت آپ کا خیال ہے کہ وہ آسمان پر ہے (یعنی مدبر آسمان وزمین ہے۔)

میں نے کہا،......کیا تم مجھ سے یہ نہیں کہہ چکے ہو کہ نجوم کے قواعد بالکل صحیح ہیں اور تمام آدمی انہیں کے ذریعے سے (یا مطابق) پیدا ہوتے ہیں۔ (ہوئے ہیں)

اس نے کہا،......شبہ تو اور امر میں ہے (اس میں شبہ نہیں ہے یعنی یہ تو ٹھیک ہے کہ قواعد نجوم بالکل صحیح ہیں مگر شبہ اس میں ہے کہ ان کا کوئی خالق ہے یا نہیں۔

میں نے کہا،......تم مجھ سے یہ بھی کہہ چکے ہو کہ اہل زمین میں سے کوئی شخص ہرگز اس امر پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ان ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ساتھ مغرب میں غروب کرتا، اور مشرق سے طلوع کرتا رہا ہوتا کہ ان کی رفتار کو معلوم کر سکے۔

اس نے کہا،......آسمان پر چڑھ جانا اور بات ہے۔

میں نے کہا،......تو پھر تم کو بغیر اس بات کے کہے ہوئے چارہ نہیں ہے کہ اس علم کا معلم کوئی آسمانی ہے۔

اس نے کہا،......اگر یہ کہہ دوں کہ اس کا علم کا کوئی معلم نہیں تو بالکل خلاف حق بات کہیں، اور اگر یہ دعویٰ کروں کہ اہل زمین میں سے کسی نے آسمان اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا علم پیدا کیا۔ تو بھی محال ہے کیونکہ اہل زمین ان ستاروں اور برجوں کے حال سے واقفیت پیدا کرنے پر آنکھ سے دیکھ کر اور ان سے قریب ہو کر ہرگز قادر نہیں ہیں، تو وہ بالکل اس کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہماری رائے میں اہل زمین کو بغیر حاسوں کی مدد کے علم نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ آسمان میں معلق ہیں۔ حاسے تو صرف ان کے طلوع وغروب کو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان کے حساب و دقائق ونحس وسعد وست رفتار و تیز رفتار۔ اور ان کا پوشیدہ ہو جانا

Presented by Ziaraat.Com

اور پھر رجعت کرنا۔ یہ بھلا حاسوں سے کہاں معلوم ہوسکتا ہے اور قیاس و اندازہ سے کیوں کر ان کا پتہ چل سکتا ہے۔

میں نے کہا،......اچھا، مگر تم اس علم و حساب کو پڑھنا اور سیکھنا چاہو تو اہل زمین سے سیکھنا تمہیں زیادہ پسند ہوگا یا اہل آسمان سے۔

اس نے کہا،......اہل آسمان سے (اس کا سیکھنا پسند ہوگا کیونکہ یہ ستارے اسی میں معلق ہیں جہاں اہل زمین کا گزر نہیں۔ (لہٰذا اگر کوئی آسمانی معلم مل جائے تو اس سے سیکھنا زیادہ پسند ہوگا۔)

میں نے کہا،......اچھا تو سمجھو، اور خوب غور کرو اور اپنے دل کو خالص کرو......کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ جب تمام اہل دنیا انہیں ستاروں کے ذریعے سے (یا مطابق) سعادت و نحوست میں پیدا ہوئے ہیں تو یہ ستارے ان آدمیوں سے پہلے کے ہوں گے۔

اس نے کہا،......یہ تو کہنا مجھے کچھ دشوار نہیں ہے۔

میں نے کہا،......تو تمہارا یہ کہنا کہ آدمی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے باطل ہوا جبکہ یہ بات مان لی گئی کہ ستارے ان آدمیوں سے پہلے موجود تھے تو آدمی ضرور ان کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے اور جبکہ ستارے ان آدمیوں سے پہلے وجود میں آ چکے (مقدم ہوئے) تو زمین بھی ضرور ان سے پہلے موجود رہی ہوگی۔

اس نے کہا،......(حضرت) میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ زمین بھی ان سے قبل موجود تھی۔ (ہاں یہ تو زبان سے نکل گیا کہ ستارے ان سے مقدم ہیں)۔

میں نے کہا،......تو کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ اگر زمین پہلے سے موجود نہ ہوتی جسے اللہ نے اپنی مخلوقات کے واسطے فرش اور بچھونا بنایا ہے تو انسان اور غیرانسان جو مخلوقات میں سے ہیں کسی شئے پر قائم نہ رہ سکتے اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ہوا میں قائم رہتے کیونکہ اس کے

Presented by Ziaraat.Com

واسطے پروں کی ضرورت ہے۔ (اور ان کے پر نہیں جن سے ہوا میں قائم رہ سکیں۔)

اس نے کہا، ...... پر! فائدہ ہی کیا دیتے اگر ان کے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ نہ ہوتا[1]۔

میں نے کہا، ......تو کیا اب بھی تم کو اس میں شبہ ہے کہ آدمی بعد زمین اور بُروج کے پیدا ہوئے ہیں۔

اس نے کہا، ......نہیں بلکہ اس کا مجھے یقین ہے۔ (یعنی اب یقین ہو گیا ہے۔)

میں نے کہا، ...... ابھی اور بھی تم سے ایسی باتیں بیان کروں گا جس سے تمہاری بصیرت میں اضافہ ہو۔

اس نے کہا، ......اتنی ہی بات سے میرا شبہ دور ہو گیا۔

میں نے کہا، ...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس پر یہ آفتاب و ماہتاب اور ستارے گردش کرتے ہیں، آسمان ہے۔

اس نے کہا، ......ضرور معلوم ہے۔

میں نے کہا، ......تو کیا یہ ان ستاروں کی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

اس نے کہا، ...... بیشک ہے۔

میں نے کہا، ......تو میری رائے میں یہ ستارے جن کی نسبت تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ انسانوں کی ولادت کے (اوقات پر اثر ڈالنے کا باعث ہیں) اس آسمان کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے، کیونکہ آخر بروج اسی کے اندر دورہ کرتے ہیں کبھی نیچے چلے جاتے ہیں کبھی اوپر آ جاتے ہیں۔

اس نے کہا، ...... آپ نے تو ایک ایسی واضح بات فرمائی ہے جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جس آسمان کے اندر یہ ستارے دورہ کرتے ہیں وہ ضرور ان کی جڑ ہو گا جو انہیں کے لیے بنایا گیا ہو گا، کیونکہ یہ ستارے اسی میں گردش کرتے ہیں۔

۱۔ اس کلام سے کسی قدر اقرار کا پتہ چلا کہ زمین کو بھی انسانوں سے پہلے ہونا لازم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا،...... تو اب تم نے تسلیم کر لیا کہ ان ستاروں کا خالق جن کے سعد و نحس کے مطابق انسان پیدا ہوتے ہیں وہی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس زمین کو نہ پیدا کرتا تو کوئی مخلوق ہی نہ ہوتی۔

اس نے کہا،...... بغیر اس بات کے مانے ہوئے مجھے کچھ چارہ نہیں۔

میں نے کہا،...... تو کیا تمہاری عقل یہ نہیں بتاتی کہ آسمان کے بھی پیدا کرنے پر وہی قادر ہے (ہوسکتا ہے) جس نے زمین، مخلوقات، آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا، اور نیز یہ کہ اگر آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے نہ ہوتا تو زمین کے مخلوقات بھی فنا ہو جاتے (کیونکہ آسمانی چیزوں کو زمین کی چیزوں سے بہت کچھ تعلق ہے۔ مثلاً ایک آفتاب ہی ہے، کہ اگر یہ نہ ہوتا تو کبھی پھلوں میں پختگی نہ آتی۔ ہوا کی سمیت نہ دفع ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس نے کہا،...... میں اب گواہی دیتا ہوں کہ، بیشک پیدا کرنے والا (ان سب کا) ایک ہی ہے، اس لیے کہ آپ نے میرے سامنے ایسی دلیل بیان کی ہے جو میری عقل میں آ گئی اور اس سے میری دلیل قطع ہوگئی۔ میرے نزدیک یہ بات بھی درست نہیں معلوم ہوتی کہ علم نجوم کا معلم اور اس حساب کا وضع کرنے والا کوئی شخص اہل زمین سے ہو، اس لیے کہ یہ ستارے آسمان میں ہیں۔ بااین ہمہ زمین کے نیچے کے حالات بھی نہیں معلوم کر سکتا مگر وہی جو ان ستاروں کے حالات آسمان پر ہونے کی حیثیت سے معلوم کر سکے (یعنی وہی شخص ان ستاروں کے نیچے رہنے کی حیثیت سے ان کے حالات معلوم کر سکتا ہے جو ان ستاروں کے اوپر رہنے کی حیثیت سے حالات معلوم کر سکتا ہے۔)

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اہل زمین کو آسمان کی چیزوں کا علم حاصل ہی کیوں کر ہوا۔ یہاں تک کہ ان سب لوگوں کا حساب یکساں باریکی و درستی میں متفق ہو گیا۔ اگر میں ان قواعد کو جس قدر جانتا ہوں، نہ جانتا ہوتا تو میں تو اس کا سرے ہی سے انکار کر دیتا اور

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے کہہ دیتا کہ قواعد شروع ہی سے باطل ہیں۔ اس میں مجھ کو زیادہ آسانی تھی (مگر اب مشکل ہے کیونکہ جن قواعد کو میں جانتا ہوں وہ بہت درست ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہمیں یہ کیوں کر معلوم ہوئے۔)

میں نے کہا، ...... اچھا مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اگر میں اس بات کو تمہاری اس ہلیلہ کے ذریعے سے جو تمہارے ہاتھ میں ہے اور اس فن طب کے ذریعے سے جو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا پیشہ ہے۔ اس طرح ثابت کر دوں کہ اس ہلیلہ اور ایسی دواؤں کی مثال آسمانی مثالوں سے منطبق ہو جائے تو تم حق کا اقرار کر لو گے اور اپنے دل سے انصاف کرو گے؟

اس نے کہا، ..... آپ ایسا ہی کریں۔

میں نے کہا، ...... (اچھا بتاؤ) کیا آدمیوں پر کوئی ایسی حالت (اور ساعت) بھی گزری ہے جبکہ وہ علم اور اس کے منافع کو مثل اسی ہلیلہ وغیرہ کے نہ جانتے رہے ہوں؟

اس نے کہا، ...... البتہ (یعنی ضرور کوئی ایسا بھی زمانہ رہا ہو گا جس میں لوگ ان دواؤں کے فوائد نہ جانتے رہے ہوں گے۔)

میں نے کہا، ...... تو پھر انہیں ان باتوں کا کیوں کر علم ہوا؟

اس نے کہا، ...... تجربے سے اور عرصے تک اندازہ کرتے رہنے سے۔

میں نے کہا، ...... لوگوں کے خیال ہی میں یہ بات کیوں کر آئی کہ اس کا تجربہ کرنا چاہیے اور ان کو یہ گمان ہی کیوں کر ہوا کہ یہ دوائیں بدن کے لیے مفید ہوں گی، حالانکہ سوائے ضرر (ظاہری) کے ان کو اس میں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ (مثلاً، یہی کہ اکثر پتیاں اور دوائیں سخت کڑوی ہوتی ہیں جن کے زبان پر رکھنے سے سخت تکلیف اور کراہت ہوتی ہے) اور انہوں نے کیوں کر ایسی چیزوں کی تلاش کا ارادہ کیا جن کو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ (کیونکہ طلب مجہول

(ف) آپ اس سے اقرار لینا چاہتے ہیں کہ دراصل یہ علوم انبیاءؑ کے ذریعے سے دوسرے لوگوں تک پہنچے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

مطلق محال ہے) اور وہ ایسی تھیں جن کو حاسے بتا نہیں سکتے۔

اس نے کہا، ...... تجربوں سے۔ (وہی پہلا جواب۔ حالانکہ نہایت کمزور جواب ہے، مگر معصوم باوجود اس کے اس سے چشم پوشی فرما کر اور طریقے سے گفتگو شروع فرماتے۔)

میں نے کہا، ...... (اچھا) مجھے بتاؤ کہ اس علم طب کو کس نے بتایا؟ (کس نے قائم کیا) اور ان متفرق جڑی بوٹیوں کو جن میں سے کوئی تو مشرق میں ہے، کوئی مغرب میں، کس نے بیان کیا؟ کیا کوئی چارہ اس کے علاوہ ہوسکتا ہے (کہ کہو) کہ جس نے اسے قائم کیا اور جس نے جڑی بوٹیوں کو بتایا، وہ کوئی حکیم آدمی انہی شہروں کے رہنے والوں میں سے ہوگا۔

اس نے کہا، ...... ضروری ہے، کہ ایسا ہو، اور یہ بھی لازم ہے کہ جس نے اس علم کو بنایا ہے وہ کوئی حکیم آدمی ہو، اور اس پر دوسرے حکیموں نے اتفاق کرلیا ہو، اس میں غور کیا ہو، اپنی عقلوں سے اس میں فکر کی ہو۔

میں نے کہا، ...... تم انصاف کرنا چاہتے ہو، اور جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنا چاہتے ہو۔

(اچھا) اب یہ بتاؤ کہ اس حکیم نے (جسے تم نے تسلیم کرلیا ہے) کیوں کر معلوم کیا؟ اور یہ بھی مان لو کہ اس نے اپنے شہر کی دواؤں کو اور مثلاً فارس کے زعفران کو معلوم کرلیا، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اس نے (اس طرح) تمام روئے زمین کی نباتات کو تلاش کر کے ایک ایک درخت کا ذائقہ چکھا ہو، یہاں تک کہ اس کو یہ تمام چیزیں معلوم ہوگئی ہوں؟ اور کیا تمہاری عقل بتاتی ہے کہ چند حکیم آدمی ملک فارس اور اس کی نباتات کی (ہر ایک درخت کے) تجسس پر قادر ہوئے ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے حاسے سے اسے معلوم کیا ہو اور اس درخت کو پالیا ہو، جس میں ان دواؤں میں سے کسی دوا کی خلط موجود ہے جسے ان کے حاسوں نے نہیں ادراک کیا تھا۔

مان لو کہ بعد تفتیش و تجسس کے اس نے اس درخت کو بھی جان لیا، اور فارس کے

Presented by Ziaraat.Com

تمام درختوں اور نباتات کی تتبع لی، مگر اسے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ، مثلاً یہ (پتی یا جڑ یا پھل) دوا نہیں بن سکتی۔ جب تک اس میں ہندوستان کا ہلیلہ اور روم کی مصطگی اور تبت کا مشک اور چین کی دارچینی اور ترک کے پیداستر کے خصیے اور مصر کی افیون اور یمن کا ایلوا، اور آرمینیہ کا بورق وغیرہ مختلف دوائیاں جو اطراف روئے زمین میں پیدا ہوتی ہیں، نہ ملائی جائیں؟ اور اسے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ ان دواؤں میں سے کوئی دوا (باوجودیکہ یہ سب مختلف دوائیں ہیں) جب تک ایک دوسری سے ملائی نہ جائے نفع نہیں دے سکتی، اور ہر حال میں بلا اجتماع مفید نہیں ہو سکتی؟

یا اسے ان دواؤں کے پیدا ہونے کے مقامات کیوں کر معلوم ہو گئے۔ حالانکہ مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں اور مختلف بوٹیاں ہیں جو مختلف شہروں میں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کی تو جڑیں (لی جاتی) ہیں، بعض کی چھال، کسی کے پھل کسی کا افشردہ، کسی کا زلال، کسی کا گوند، کسی کا روغن، کوئی نچوڑ کر پکائی جاتی ہے، کوئی صرف نچوڑ لی جاتی ہے پکائی نہیں جاتی، جن کے مختلف زبانوں میں جدا جدا نام ہیں اور کوئی ایک بغیر دوسری دوا کے قابل استعمال نہیں ہوتی اور بغیر ملے ہوئے دوا ہی نہیں بنتی، اور بعض دوائیں درندوں اور جانوروں کے پتے ہیں (ان کے خواص کیوں کر معلوم ہوئے) (اس پر یہ اضافہ کہ) ان شہروں کے آدمی باہم عداوتیں بھی رکھتے ہیں۔ مختلف الخیال، مختلف الرائے ہیں۔ دشمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر غلبہ چاہتے رہتے ہیں۔ لڑتے بھڑتے بھی رہتے ہیں۔ قتل و غارت و قید بھی کرتے رہتے ہیں۔ (پھر ایسی سخت و دشوار حالت میں کسی غیر ملک کے باشندے کو دوسرے ملک کی بوٹیوں اور دواؤں کے خواص کیوں کر معلوم ہو گئے)۔

کیا تم جان سکتے ہو کہ یہ حکیم تمام ان شہروں میں گھومتا پھرا، اس نے تمام زبانوں کو معلوم کیا، ہر طرف گیا، ان تمام بوٹیوں کو مشرق و مغرب میں بے خوف تندرستی کی حالت

Presented by Ziaraat.Com

میں نڈر ہو کر، پھر کر تلاش کیا، کبھی بیمار نہیں ہوا، بالکل صحیح و سالم رہا، اس کو ہلاکت نہیں ہوئی، زندہ رہا، موت ہی نہ آئی، برابر راہ پاتا ہی گیا، کہیں بھٹکا ہی نہیں، ٹھیک چلتا رہا، کہیں ادھر ادھر نہ ہوا، یاد ہی رکھتا رہا کبھی بھولا ہی نہیں، خوش و خرم ہی رہا۔ کبھی ملال ہوا ہی نہیں۔ یہاں تک کہاں دواؤں کے اوقات اور ان کی پیدائش کے مقامات باوجود اختلاف اوصاف و اختلاف رنگ اور اختلاف نام بھی دریافت کر لیے۔

پھر اس کی مثال اسی طرح کی قائم کر لی، پھر ہر ایک درخت کا حال مع اس کی پیدائش، اور اس کی پتیوں، پھلوں، خوشبوؤں اور ذائقوں کے بیان کر دیا؟ (کیا یہ کہیں ایک انسان کا کام ہے اور کیا کوئی اس طرح پر زندگی بسر کر کے تمام دواؤں کی حالتیں معلوم کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ایک میں بیس بیس خواص ہیں کیسے کوئی شخص تجربے سے معلوم کر سکتا ہے؟)

کیا اس حکیم کو کچھ چارۂ کار اس سے تھا کہ دنیا کے تمام درختوں، بقولات اور جڑوں کو، ایک ایک درخت اور ہر ہر پتی گھوم پھر کر رفتہ رفتہ معلوم کرے؟

اچھا مان لو کہ اس نے جس درخت کو دریافت کرنا چاہتا تھا معلوم بھی کر لیا، مگر اس کے حاسوں نے اسے کیوں کر یہ بتا دیا کہ یہ فلاں دوا کے قابل ہے۔ (حالانکہ حاسے اس کی خاصیتوں کو محسوس نہیں کر سکتے) حالانکہ درخت بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض میٹھے، بعضے کھٹے، بعضے کڑوے، بعضے نمکین۔ (پھر کیوں کر اس نے ان میں سے ہر ایک کے خواص جداگانہ محسوس کر لیے)۔

اگر تم یہ کہو کہ وہ حکیم ان شہروں میں جا کر دریافت کرتا رہا ہوگا اور معلوم کر کے عمل کرتا ہوگا، تو جس چیز کو وہ دیکھ ہی نہیں رہا ہے اور اس کے حاسے بتا ہی نہیں رہے ہیں اس کو دریافت ہی کیوں کر کر سکتا تھا۔ یا اسے بھی کیوں کر معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص سے اس درخت کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ حالانکہ اس کی زبان اور، چیزیں بہتیری (نام سب کے جداگانہ

کیفیت سب کی الگ، صورت سب کی علیحدہ، پھر اس نے کیوں کر اس کی زبان سمجھی، کیوں کر ان دواؤں کے نام معلوم کیے، کیوں کر خواص ادویہ کا ادراک کیا؟)

اچھا، مان لو کہ اس نے ایسا کیا لیکن ان دواؤں کے نفع وضرر کو ان کے سکون پیدا کرنے اور بیماریوں میں ڈالنے کو ان کے بارد و حار کو، تلخی و حرافت کو، نرم و سخت کو کیوں کر دریافت کیا؟

اگر یہ کہو کہ اپنے ظن وگمان سے معلوم کیا، تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنی طبیعت اور حاسوں سے معلوم ہو سکے۔ اور اگر کہو کہ تجربہ سے، تو اسے چاہیے تھا کہ پہلی ہی مرتبہ میں جبکہ اس نے ان دواؤں کو استعمال کیا اور ان کے نفع وضرر کے نہ جاننے کی حالت میں ان سے مر ہی جاتا، کیونکہ اکثر ان میں سے زہر قاتل ہیں۔

اور اگر یہ کہو کہ وہ ہر ہر شہر میں پھرتا رہا، ہر ہر گروہ میں جا کر رہتا رہا، ان کی زبانوں کو سیکھا، انہیں پر ان دواؤں کا تجربہ کیا، جن کے استعمال سے وہی لوگ مرتے رہے، تو بھی وہ ایک دوا کی خاصیت کو (کافی طور پر) معلوم نہیں کر سکتا تھا جب تک بہت سے آدمیوں کی جان نہ لے لی جاتی۔ پھر تو ان شہروں والے جن پر دواؤں کا تجربہ کر کر کے موت کے گھاٹ اُتار چکا تھا کبھی نہ اس کا کہنا مانتے، اور کبھی نہ اس کو تجربات کرنے دیتے۔

اچھا یہ بھی تسلیم کر لو کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ بھی دیا اور اس کے حکم کو مان لیا اور اسے منع کیا، مگر ان (دواؤں کے مخلوط کرنے کا اسے کیوں کر موقع ملا، اور کیوں کر اس کی مقدار و اوزان کو معلوم کیا (کہ بنفشہ مثلاً چار ماشہ ہونا چاہیے اور تخم خطمی چھ ماشہ اور بغیر اس وزن کے نسخے کی ترکیب درست نہ ہو گی) اور کس طرح اس کے ماشے بنائے، کیوں کر اس کی رتیاں ٹھیک کیں؟

اچھا، یہ بھی تسلیم کر لو کہ ان سب باتوں کو اس نے جستجو کر کے معلوم کر لیا، مگر بعض

Presented by Ziaraat.Com

... نیں ایسی بھی ہیں کہ اگر مقدار معین سے بڑھ جائیں تو ہلاک کر دیں اور اگر کم ہو جائیں تو ان کا اثر ہی رہے۔ (یہ اس کو کیوں کر معلوم ہو گیا؟)

اچھا، تسلیم کر لو کہ اس نے ان تمام امور کو طے کر لیا۔ مشرق و مغرب تک بھی ہو آیا اور اس کو اتنی طولانی زندگی بھی ملی جس سے اس نے ہر درخت اور ہر ملک میں چل پھر کر ہر چیز کی تفتیش کر لی۔ مگر اسے ان دواؤں کی تفتیش و ادراک کا کیوں کر موقع ملا، جو اس سلسلے سے خارج ہیں۔ مثلاً درندوں کے پتے اور پرندوں کے پتے، دریائی جانوروں کے زہرے، اور جب تمہارا یہ دعویٰ ہوا کہ اس حکیم نے تمام روئے زمین کی جڑی بوٹیوں کو ہر ہر درخت اور ہر پھل کو دیکھ کر معلوم کیا، یہاں تک کہ سب کو جمع کر لیا تو بعض ان میں سے ایسی بھی دوائیں ہیں جو بغیر پتوں کے درست نہیں ہوتیں۔ پھر کیا اس کو کوئی چارہ اس سے ہو سکتا تھا کہ تمام دنیا کے پرندوں، درندوں اور جانوروں کو ایک ایک کر کے تلاش کرے، ان کو ذبح کرے، ان کے پتوں کا تجربہ کرے جس طرح اس نے تمہارے خیال کے بموجب ہر چیز کا حال تجربات سے معلوم کیا تھا، اور اگر وہ ایسا ہی کرتا تو آج جانور ہی کیوں کر باقی رہتے، ان کی نسلیں کیوں کر بڑھتیں، وہ تو درخت کی طرح بھی نہیں ہیں کہ جب ایک درخت کو کاٹ دیتے ہیں تو دوسرا اُگ آتا ہے۔ (یہاں تو تناسل و توالد پر مدار ہے۔ پھر اگر تمام دنیا کے جانوروں کو ذبح کر کے تجربات کرتا تو کتنے ہی قسم کے حیوانات کا سلسلۂ تناسل ہی ختم ہو گیا ہوتا۔)

اچھا، یہ بھی تسلیم کر لو کہ اس نے تمام دنیا کے پرندوں کا حال دریافت کر لیا، مگر اس نے دریائی حیوانات کا حال کیوں کر معلوم کیا۔ اسے تو لازم تھا کہ ہر ایک دریا میں جا کر ہر قسم کے جانوروں کی تفتیشِ حال کرتا، تاکہ جس طرح اس نے دنیا کی دوسری چیزوں کو تجسس و تلاش سے معلوم کیا اسی طرح ان جانوروں کے حالات پر بھی احاطہ حاصل کرتا، اور انہیں بڑے بڑے سمندروں میں تلاش کرتا۔ (تو کیا اس نے ایسا ہی کیا؟)

Presented by Ziaraat.Com

کیونکہ اگر تم کو ان چیزوں میں سے کوئی چیز معلوم نہ ہو تو نہ سہی لیکن اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہو سکتے کہ دریائی جانور سب کے سب پانی کے اندر ہی رہتے ہیں (لہٰذا ضروری ہوا کہ اس حکیم نے تمام دریاؤں کے اندر گھس کر اور ہر ایک آبی جانور کو پکڑ پکڑ کر حالات معلوم کیے ہوں اور حد تجربہ تک پہنچا ہو۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف قیاس و عقل ہے)۔

کیا تمہاری عقل اور تمہارے حاسے اس بات کو بتاتے ہیں کہ یہ سب چیزیں تفتیش و تجربے سے معلوم ہو سکتی ہیں؟

اس نے کہا،...... آپ نے تو میرا راستہ ہی تنگ کر دیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آپ کو کیا جواب دوں۔

میں نے کہا،...... میں نے جس قدر بیان کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی اس سے زیادہ واضح امر بیان کرتا ہوں۔

تم تو جانتے ہو کہ چرند، پرند اور درندوں کے پتے جن سے نسخے مرتب کیے جاتے ہیں دوائے کامل نہیں بن سکتی جب تک ایک دوسرے کے ساتھ مرکب نہ ہوں۔

اس نے کہا،...... ایسا ہی ہے۔

میں نے کہا،...... تو اب مجھے بتاؤ کہ اس حکیم کے حاسوں نے ان دواؤں کے وزن مثقالی اور قیراطی (مثلاً دو ماشہ چار ماشہ۔ دو جَو، چار جَو کے بقدر فلاں فلاں دوا ہونی چاہیے کیوں کر قائم کیے۔ تم تو اس کو خوب جانتے ہو کیونکہ تمہارا پیشہ ہی طبابت ہے۔ کسی مرکب دوا میں تو ایک رنگ کی پتی یا پھل کے چار سو مثقال (ہر مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے) ڈالتے ہو اور دوسرے رنگ کی دوا میں سے چند ہی مثقال اور چند ہی قیراط (ایک قیراط دو جَو کے وزن کا ہوتا ہے) کبھی اس سے بھی کچھ زائد، کبھی اس سے کچھ کم۔ یہاں تک کہ ایک مقدار

Presented by Ziaraat.Com

معین پر وہ دوا مرتب ہو جاتی ہے۔ جب اسی دوا کی کوئی خاص مقدار دستوں کے مریض کو پلاتے ہوتو اس کے دست بند ہو جاتے ہیں، اور جب قولنج والے کو اس مقدار سے زیادہ پلا دیتے ہوتو اس کو دست آنے لگتے ہیں۔

پھر اب اس کے حاسوں نے ان باتوں کو کیوں کر ادراک کر لیا۔ (کہ ایسا کرنے سے یہ اثر ہو گا) یا اس کے حاسوں نے یہ کہاں سے جان لیا کہ جو دوا درد سر کے واسطے پلائی جائے گی اس کا اثر پاؤں تک نہ پہنچے گا حالانکہ اس کے اثر کا پاؤں تک اتر آنا بہ نسبت اوپر کی طرف چڑھنے کے آسان ہے۔ اور جو دوا پاؤں کے درد کے لیے استعمال کرائی جائے گی وہ دماغ کی طرف صعود نہ کرے گی، حالانکہ اس کو اپنی رفتار میں سر کی طرف جانا قریب تھا۔

علیٰ ہذا القیاس ہر وہ دوا جو کسی مریض کو کسی عضو خاص کی مناسبت سے پلائی جاتی ہے وہ رگوں کے ذریعے سے وہیں پہنچتی ہے جہاں کے لیے وہ استعمال کرائی گئی ہے۔ حالانکہ (پہلے پہل) تمام دوائیں معدے ہی میں جاتی ہیں پھر وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔ (تو کس طرح اس حکیم کو معلوم ہو گیا کہ اس دوا کا اثر صرف دماغ پر پڑے گا، پاؤں، ہاتھ، پیٹ یا کمر وغیرہ پر نہ پڑے گا، اور اس دوا کا اثر صرف پاؤں پر پڑے گا دوسرے اعضاء جسم پر نہ پڑے گا وغیرہ۔ کیا یہ سب امور اس کے حاسے ہی نے تعلیم کیے؟)

یہ کیوں نہیں ہوتا کہ جو دوا اوپر کی طرف صعود کرتی ہے وہ نیچے چلی جائے اور جو نیچے کی طرف جانے والی ہے (اور وہاں اپنا اثر کرنے والی ہے) اوپر کی طرف صعود کر جائے؟ اس کے حاسوں نے کیوں کر جان لیا کہ فلاں دوا کان کے لیے ہی نافع ہے آنکھ کو اس سے نفع نہیں پہنچے گا، اور فلاں دوا سے آنکھ کو فائدہ ہو گا کان کے درد کو اس سے کچھ نفع نہ ہو گا۔

علیٰ ہذا القیاس تمام اعضاء کے امراض اسی دوا کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خاص کر اسی کے لیے مناسب ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

پس عقلوں اور حکمت اور حاسوں نے اسے کیوں کر ادراک کر لیا حالانکہ وہ جوف بدن کے اندر نظروں سے مخفی ہے۔ رگیں گوشت کے اندر ہیں اور ان کے اوپر جلد ہے، نہ اس کو کان (قوتِ سامعہ) محسوس کر سکتا ہے، نہ آنکھ (قوتِ باصرہ)، نہ ناک (قوتِ شامہ)، نہ ہاتھ (قوتِ لامسہ)، نہ زبان (قوتِ ذائقہ)۔ (پھر دوا کے اندر چلے جانے کے بعد اس کی کیفیت اثر کا کیوں کر ادراک ہو سکا)؟

اس نے کہا،...... آپ نے تو وہ باتیں کیں جنہیں میں جانتا ہوں لیکن ہم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس حکیم نے ان دواؤں کو قائم کیا اور انہیں ترکیب دی، وہ یہ کرتا تھا کہ جب کسی کو ان مرکبات میں سے مثلاً، پلاتا اور وہ مر جاتا تو اس کا پیٹ چاک کر کے رگوں کو دیکھتا، ان دواؤں کے جانے کے راستوں کو دیکھتا، ان موقعوں کو دیکھتا جہاں یہ دوائیں اب موجود ہیں۔

میں نے کہا،...... اچھا بتاؤ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمام دوائیں جب رگوں میں چلی جاتی ہیں تو خون کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک جان ہو جاتی ہیں؟

اس نے کہا،...... ہاں کیوں نہیں جانتا۔

میں نے کہا،...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب آدمی مر جاتا ہے (اس کا دم نکل جاتا ہے) تو خون اس کا ٹھنڈا ہو کر منجمد ہو جاتا ہے؟

اس نے کہا،......ضرور۔

میں نے کہا،......تو پھر اس حکیم نے جو دوا اس مریض کو پلائی تھی اسے گاڑھا خون بن جانے کے بعد (یعنی جبکہ خون میں مخلوط ہو کر وہ دوا بھی مرنے کے بعد منجمد ہو گئی) کیوں کر دریافت کیا، حالانکہ اب وہ ایسی متمائز بھی نہیں رہی جس سے خون کے رنگ سے الگ کر کے اس کے رنگ کو معلوم کیا جائے۔

اس نے کہا،......آپ نے تو مجھ کو نہایت مشکل میں ڈال دیا، اور ایسی چیزیں بیان

Presented by Ziaraat.Com

کیں جن کے رد کرنے پر میں قادر نہیں ہوں۔

میں نے کہا،...... تو اب بتاؤ کہ لوگوں نے ان دواؤں کو جن میں ان کی منفعت ہے کہاں سے جانا۔ یہاں تک کہ ان کو باہم مخلوط کیا۔ ان کی جڑی بوٹیوں کو مختلف شہروں میں تلاش کیا۔ ان کے مقامات معلوم کیے۔ ان کے معاون سے مختلف مقامات میں اطلاع حاصل کی۔ یہ بھی جان لیا کہ اس کی جڑ مفید ہے۔ اتنا وزن ہونا چاہیے۔ اتنے ماشے ہونے چاہئیں، اتنے جَو ہونے چاہئیں، فلاں پتھر اس میں ڈالنا چاہیے، فلاں فلاں درندے کے پتے ڈالنے چاہئیں وغیرہ۔

اس نے کہا، ...... میں تو آپ کے سوالات کے مشکل ہونے کی وجہ سے جواب دینے سے عاجز ہو گیا، اور آپ نے مجھ کو ایسے امر کی طرف نہایت مضطرب کر دیا ہے جس کا ادراک وعلم حواس اور تمثیل وقیاس سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ضروری ہے کہ ان نسخوں کو کسی واضع نے وضع کیا ہوگا کیونکہ خود ان نسخوں (دواؤں) نے تو اپنے تئیں وضع کیا نہیں، اور نہ بغیر اس کے کہ کسی نے بعد معرفت حاصل کرنے کے ان کو مرتب کیا ہو، مرتب ہوئیں۔

اب آپ ہی بتائیے کہ بندوں نے دواؤں کو جن میں فوائد ہیں کیوں کر معلوم کیا، یہاں تک کہ ان کو ترکیب دیا، کیوں کر مختلف شہروں میں گھوم پھر کر ان کی عقاقیر (جڑی بوٹیوں) کو تلاش کیا۔

میں نے کہا، ...... تم سے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں اور تمہارے سامنے ایک دلیل قائم کرتا ہوں جس سے تم سمجھ سکو گے کہ ان تمام (نسخوں) دواؤں کا واضع کون ہے؟ کس نے ان مختلف عقاقیر کو بنایا؟ کس نے اس جسم کو پیدا کیا؟ کس نے وہ رگیں بنائیں جن کے اندر دوا داخل ہو کر مرض تک پہنچتی ہے؟

اس نے کہا، ...... اگر آپ یہ بھی بیان فرمائیں گے تو میں ضرور اسے تسلیم کر لوں گا۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا، ......تم سے میں ایک ایسے شخص کی بابت دریافت کرتا ہوں جس نے کوئی بڑا سا باغ لگایا ہو۔ اور اس کے گرد مضبوط چہار دیواری بھی قائم کی ہو اور جو چیزیں اس کی ضرر رساں ہیں ان سے اسے بچایا بھی ہو۔ (غرض اس باغ کی نسبت اس نے پورا اہتمام اور انتظام کیا ہو) کیا اس کو کسی قسم کے درخت کی جگہ نا معلوم بھی رہے گی؟ (ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس نے خود ہی وہ باغ لگایا ہے۔ خود ہی اس کا اہتمام کیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ فلاں درخت کس مقام پر ہے۔) پھر جب اس باغ کے درخت تیار ہو گئے اس کے پھل بھی پختہ ہو گئے اس میں بقولات بھی لہلہانے لگے، اور تم بھی اس باغ میں جا پہنچے اور باغ کے مالک سے تم نے کسی قسم کی پھلی یا ترکاری یا پھل وغیرہ کی خواہش ظاہر کی اور اس کا نام بھی بتا دیا، تو تم جانتے ہو کہ وہ اچھی طرح اس بات پر قادر ہوگا، کہ برابر سیدھا اسی درخت تک چلا جائے جس کے پھل وغیرہ کی خواہش ظاہر کی گئی ہے خواہ وہ درخت باغ کے کسی قریبی حصے میں ہو یا دور کے حصے میں۔ نہ تو وہ بے نیل و مرام (ناکام) واپس آئے گا، اور نہ کسی اور درخت یا بقول کی طرف توجہ کرے گا جو اس کی راہ میں واقع ہوں۔

اس نے کہا، ...... بیشک

میں نے کہا، ......اور اگر مالک باغ تم سے کہے، کہ تم خود ہی باغ میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز لے آؤ، کیونکہ میں اس کام پر قادر نہیں ہوں۔ تو کیا تم وہاں تک سیدھے چلے جاؤ گے۔ نہ دائیں طرف مڑو گے نہ بائیں جانب۔ یہاں تک کہ ٹھیک اس درخت تک پہنچ جاؤ گے اور اس میں سے پھل توڑ لو گے؟

کہنے لگا، ......کیوں کر ایسا کر سکتا ہوں، حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ درخت باغ کے کس حصے میں ہے۔

میں نے کہا، ......تم تو جانتے ہو کہ اس درخت تک تم پہنچ نہیں سکتے بغیر جستجو کے یا

Presented by Ziaraat.Com

بغیر باغ کے مالک کی راہبری کے۔ پھر اپنے کسی حاسے کی قوت سے اس کو محسوس کرو، ہر ایک درخت، ہر ایک پھل کو تلاش کرو، تب اپنے مطلوب درخت کو کسی حاسے کی طاقت سے حاصل کرو، اور اگر پھر بھی نظر نہ آئے تو خالی ہاتھ واپس آؤ۔

اس نے کہا،...... مجھ سے تو ممکن ہی نہیں، کیونکہ مجھے تو یہی نہیں معلوم کہ وہ درخت کس جگہ لگایا گیا ہے۔

میں نے کہا،...... جب تمہارے حاسے اس کے معلوم کرنے سے عاجز رہے تب تو چاہیے کہ تمہاری عقل اس امر کو واضح کرے کہ جس نے اتنے بڑے باغ کو لگایا ہے جو مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں ان اشجار اور بقول کو بویا ہے، اسی نے اس حکیم کو بھی بتایا ہوگا جس کی بابت تمہارا خیال ہے کہ اس نے علم طب کو ان جڑی بوٹیوں اور ان کے خواص و مقامات کے مناسب (جو مشرق و مغرب میں ہیں) وضع کیا ہے۔

اور اسی طرح تم اپنی عقل سے یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ اسی نے ان دواؤں کے نام بھی بتائے ہوں گے، ان کے شہروں کے نام بھی بتائے ہوں گے اور ان کے مقامات کو بھی اسی طرح جانتا ہوگا جیسے اس باغ کا مالک جانتا تھا جس سے تم نے پھل مانگے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی درست نہیں ہے (اور قریب عقل نہیں ہے) کہ جس نے اس باغ کو لگایا اور اسے بتایا، وہ کوئی اور ہو اور جس نے اس باغ کے درختوں کے فائدے اور نقصانات اور اوزان (رتی، ماشے) بتائے کوئی اور ہو۔

اس نے کہا،...... واقعی یہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔

میں نے کہا،...... اگر اس جسم اور اس کے اعصاب و گوشت امعا و عروق کا پیدا کرنے والا جن کے اندر ہو کر یہ دوائیں سر اور پاؤں وغیرہ تک پہنچتی ہیں اس باغ (باغ عالم) کے خالق اور ان عقاقیر کے بونے والے کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ (یعنی انسان مثلاً تو کسی اور کا

Presented by Ziaraat.Com

پیدا کیا ہوا ہوتا اور اشجار ونباتات کسی اور کے پیدا کیے ہوئے ہوتے) تو کیا وہ یعنی ''خالق جسم انسان جسے دوا کی ضرورت ہے) ان دواؤں کے وزن، رتی، ماشے سے واقف ہوتا، اور کیا تمہاری رائے میں وہ اس بات کو جان سکتا کہ کون سی پتی کس مرض کے لیے مفید ہے اور کس رگ میں کون سی دوا اثر کرتی ہے؟

اس نے کہا، ...... کیوں کر جان سکتا، یا کس طرح اس پر قادر ہوتا حالانکہ یہ بات کسی حاسے کے ذریعے سے تو معلوم نہیں ہوسکتی (کہ اس مرض کی یہ دوا ہے اور اس رگ میں یہ دوا اثر کرے گی) بالکل ہی اس امر کو نہیں جان سکتا، مگر وہی جس نے یہ باغ لگایا ہے اور جو ہر ہر درخت اور ہر ایک ترکاری اور ان کے فوائد کو جانتا ہے۔

میں نے کہا، ...... تو اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں (جسم انسان اور نباتات و ادویات (جڑی بوٹیوں) کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہو؟ کیونکہ اگر دو ہوتے۔ ایک نے تو دواؤں کو پیدا کیا ہوتا اور دوسرے نے جسم انسان اور اس کی بیماریوں کو۔ تو دواؤں کے پیدا کرنے والے کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ جسم کے کس مرض کے لیے کون سی دوا مفید ہے۔ اور نہ جسم کا پیدا کرنے والا یہ جان سکتا کہ ان دواؤں میں کون سی اس مرض کے لیے فائدہ مند ہے اور جبکہ اس نے خود ہی دونوں کو پیدا کیا ہو (یعنی جسم انسان اور ادویات کو) تو وہ جسم انسان کے ہر مرض اور ہر رگ وریشے سے واقف ہوگا نیز تمام ادویات کو بخوبی سمجھتا ہوگا، کہ کون سی دوا کب اور کس مرض کے لیے بہتر ثابت ہوگی۔ اس کو دواؤں کی خصوصیات گرم و سرد، نرم و سخت وغیرہ بھی معلوم ہوں گے۔ کسی نسخے میں کس مقدار میں کون کون سی دوائیں ملا کر مریض کو دی جائیں، کون سی دوا دماغ کی طرف صعود کرے گی اور کون سی دوا اس کے علاوہ کہاں کہاں اثر انداز ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

اس نے کہا، ...... بیشک اگر بدن کا خالق اور ہو اور دواؤں کا پیدا کرنے والا کوئی اور

Presented by Ziaraat.Com

ہو تو ان میں سے کسی ایک کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا جو آپ نے بیان کیا ہے (نہ جسم کے پیدا کرنے والے کو دواؤں کی حقیقت معلوم ہوگی اور نہ ہی ادویات کے پیدا کرنے والے کو اجسام اور ان کے امراض کا حال معلوم ہوگا کہ کس کے لیے کیا مفید ہے؟)

میں نے کہا،...... تو جس نے اس حکیم کو (جس کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ اوّل اور سب سے پہلے اس نے ان دواؤں کو ترکیب دیا ہے)، ہدایت کی اور شرق و غرب کی متفرق جڑی بوٹیوں کو بتایا، اور اس علم طب کو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قائم کیا۔ وہی اس باغ کا بھی مالک ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اسی نے اس جسم کو بھی بنایا ہے۔ اسی نے اس حکیم کو (جو واقعی کوئی نبی ہوگا جیسے لقمان علیہ السلام یا جناب داؤد علیہ السلام) بھی ہر درخت کی خاصیت اس کے شہر، اس کے مناسب پھلوں، روغنوں، پتوں، لکڑیوں اور چھال وغیرہم کے حالات سے مطلع کیا ہے۔

اسی طرح ان کے اوزان، (ماشہ، رتی) کو بتایا ہے، ہر مرض کی دوا بتائی کہ کون سی دوا کس مزاج والے انسان کے لیے مفید ثابت ہوگی؟

علیٰ ہذا القیاس، وہی، درندوں، پرندوں اور چوپاؤں کا بھی خالق ہے، جن کے پتوں میں فوائد ہیں اور وہ نسخوں میں داخل کیے جاتے ہیں کیونکہ اس کا خالق ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو ہرگز نہ جان سکتا کہ کون سے پتے میں کیا فائدہ ہے، کس میں کیا نقصان ہے، کون سا پتہ عقاقیر (بوٹیوں) کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے (اور کون سا نہ ملایا جائے) اور چونکہ پیدا کرنے والا ایک ہی تھا۔ اس لیے اس نے ان کے فوائد (جانوروں کے پتوں کے فوائد) کو بھی بتایا، اور اس کا نام بھی بتا دیا۔ تا کہ وہ حکیم (نبی) اسے معلوم کر لے۔ اور جس میں نفع نہ ہو اسے چھوڑ دے۔ اسی وجہ سے حکیم کو معلوم ہوا کہ کون سا درندہ، کون سا جانور، کون سا پرندہ کیا کیا فائدہ رکھتا ہے، ان کی کون سی چیزیں (اعضاء) زیادہ مفید اور کون

Presented by Ziaraat.Com

سے کم مفید ہیں اور کس میں فائدہ نہیں ہے۔ اگر خود ان اشیاء کا خالق ان باتوں کو نہ بتاتا تو حکیم کو کس طرح علم ہو سکتا تھا؟

(پس معلوم ہوا کہ جس حکیم کو تم حکیم کہتے تھے وہ دراصل نبی یا رسول تھا اور جس نے اسے تعلیم دی، وہی خالق عالم ہے۔ (جل جلالہ وعم نوالہ)

اس نے کہا، ...... آپ درست فرماتے ہیں۔ ان حالات و صفات کے سامنے تو حاسے اور تجربے سب بیکار ہیں۔ (یعنی واقعی یہ ایسی باتیں کہ ان میں حاسے اور تجربے کو کوئی دخل نہیں ہے بغیر اصل خالق کے بتائے ہوئے کچھ بھی ان دواؤں کا راز نہیں کھل سکتا۔)

میں نے کہا، ...... جب تمہارے دل نے اسے درست و صحیح تسلیم کر لیا۔ تو آؤ ہم تم دونوں مل کر (سبحان اللہ، امامؑ کے یہ اخلاق ہیں کس خوبی اور نرمی سے آپ اسے ہدایت فرما رہے ہیں) اپنی اپنی عقلوں سے غور کریں اور اپنے اپنے حاسوں سے سمجھیں، کہ آیا، یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اس باغ (جہان) کے لگانے والے، ان درختوں کے پیدا کرنے (بونے والے) ان چوپاؤں، پرندوں اور آدمیوں کے پیدا کرنے والے کو جس نے ان تمام اشیاء کو ان ہی (انسانوں) کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے، مناسب ہے کہ ان مخلوقات اور ان نباتات کو کسی اور کی زمین پر پیدا کرے، کسی غیر کی زمین پر لگائے، کہ جب وہ چاہے تو روک سکے۔ (اس سے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے مان لیا کہ جسم انسان اور جڑی بوٹیوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے اسی طرح یہ بھی تم کو مان لینا لازم ہے کہ زمین بھی اسی کی پیدا کردہ ہے جس کے پیدا کیے ہوئے جسم اور عقاقیر ہیں)

اس نے کہا، ...... کہ جس زمین پر یہ باغ (نباتات، عقاقیر، اشجار مختلفہ کا) لگایا گیا ہے اور جس میں یہ اشجار اُگائے گئے ہیں اسی کی ملکیت میں ہونی چاہیے جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اسی کے قبضے میں ہونی لازم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا۔...... تو میرے خیال میں یہ زمین بھی اس باغ والے ہی کی ہوگی؟ کیونکہ ان تمام اشیاء کو باہم ایک کا دوسرے سے ارتباط اور اتصال ہے)۔

اس نے کہا،...... بیشک

میں نے کہا،...... اچھا، مجھے بتاؤ اور انصاف سے کہو، (اب آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے یہ مان لیا کہ انسان کا خالق اور دواؤں کا خالق ایک ہی ہے۔ اور اسی نے یہ زمین بھی پیدا کی۔ یہ بھی ماننا لازم ہے کہ پانی بھی اسی نے پیدا کیا۔ غرض آپ یہ ثابت کر کے چھوڑیں گے کہ تمام عالم کا خالق ایک ہی ہے)

کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ یہ باغ (باغ عالم) اور اس میں جس قدر عظیم الشان انسان، چوپاؤں، پرندوں، اشجار، عقاقیر اور اثمار وغیرہ کی خلقت ہے بالکل قائم اور درست حالت پر نہیں رہ سکتے جب تک پانی سے سیراب نہ ہوتے ہیں، جس سے ان کی زندگی ہے۔

اس نے کہا،...... بیشک معلوم ہے۔

میں نے کہا،...... تو پھر کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ اس باغ (باغ دنیا) اور اس کی پیداوار کا خالق تو کوئی اور ہے، اور پانی کا خالق کوئی اور ہے جسے اس بات کی طاقت ہے کہ جب چاہے اسے روک دے اور جب چاہے جاری کرے۔ اگر ایسا ہو تو باغ والے کا کام ہی خراب ہو جائے۔

اس نے کہا،...... یہ تو کسی طرح درست نہیں کہ اس باغ اور اس مخلوقات کثیرہ کا خالق، اور ان درختوں کا لگانے والا سوائے مدبر اوّل کے کوئی اور ہو اور یہ بھی درست نہیں کہ یہ پانی اس کے سوا کسی اور کا ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہی اس کا بھی خالق ہے۔ یہ تمام پانی جس کی زمین اور جس کے پہاڑوں سے جاری ہوتے ہیں اسی نے اس باغ کو بھی لگایا ہے اور ان

Presented by Ziaraat.Com

چیزوں کو بھی پیدا کیا ہے جو اس کے اندر ہیں۔ کیونکہ اگر یہ پانی اس باغ کے مالک (جو دراصل خدائے تعالیٰ ہے) کا نہ ہوتا، تو باغ اور جو کچھ اس کے اندر ہے تباہ وفنا ہو جاتا۔ بلکہ ان درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے سے پہلے اس نے پانی کو پیدا کیا (ہوگا) کہ جس سے تمام چیزیں درست اور قاعدے سے ہیں۔

میں نے کہا،...... (ملحوظ رہے کہ جناب صادق علیہ السلام جس امر کا اس ہندی سے اقرار لینا چاہتے ہیں، کس حسن سے اقرار لیتے ہیں انکاری صورت میں اقراری پہلو کس قدر محبوب ومرغوب طریقہ ہے) اگر اس پانی کا جو کہ اس باغ کے اندر بہہ کر آتا ہے، کوئی خزانہ نہ ہوتا جو باغ کی سیرابی سے زائد پانی کو اپنے پاس محفوظ رکھے تاکہ ضرورت کے وقت اس میں جاری کر سکے، تو کیا جان سکتے ہو کہ تمام مخلوقات اسی طرح فنا نہ ہو جاتیں جس طرح بغیر پانی سے پہلے فنا ہوتی رہیں۔

اس نے کہا،......ضرور فنا ہو جاتیں لیکن کیا معلوم اس کا کوئی روکنے والا ہی نہ ہو اور اسی طرح ہمیشہ سے سلسلہ جاری ہو (یعنی ہوسکتا ہے کہ انتظام نیچر ہی ایسا ہو اور دراصل کوئی خدا ہی نہ ہو جو اس میں یہ انتظام کرتا ہو۔)

میں نے کہا،...... تم تو مجھ سے اقرار کر چکے ہو کہ اگر دریا اور اس کا خزانہ نہ ہوتا تو باغ فنا ہو جاتا۔

......اچھا تو میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تم کو یقین ہو جائے کہ دریا کا خالق بھی وہی ہے جس نے باغ اور اس کے موجودات کو پیدا کیا۔ اور یہ کہ اس نے اس باغ کی نہروں کے واسطے مخزن قرار دیا ہے۔ علاوہ اس کے جو آدمیوں کے لیے اس میں فائدے مقرر کیے ہیں۔

اس نے کہا،...... تو آپ مجھے پورا یقین دلائیں جیسا کہ اس کے علاوہ اور باتوں کا

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے مجھے یقین دلایا ہے۔

میں نے کہا،...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کی ضرورتوں سے بچا ہوا پانی سمندروں میں چلا جاتا ہے۔

اس نے کہا،...... کیوں نہیں، معلوم ہے۔

میں نے کہا،...... تو کیا تم نے زیادہ مینہ (بارش) برسنے کے زمانے میں اس (سمندر) میں کبھی اس حد سے زیادتی ہوتے ہوئے دیکھی ہے جس پر ہمیشہ سے ہے۔ یا گرمی کی زیادتی اور قحط کی شدت اور کم بارش ہونے کے زمانے میں گھٹتے (کم ہوتے) ہوئے دیکھا ہے؟

اس نے کہا،...... نہیں۔

میں نے کہا،...... تو کیا تمہاری عقل تمہیں یہ نہیں بتاتی کہ اس پانی اور اس باغ کا خالق (اور نیز جو کچھ اس کے اندر ہے) ایک ہی ہے۔ اسی نے اس کی ایک حد مقرر کردی ہے کہ نہ زیادتی کی وجہ سے زیادہ ہو اور نہ کمی کی وجہ سے کم ہو۔

میرے اس بیان کی دلیل یہ ہے کہ ان سمندروں سے پہاڑوں جیسی موجیں اٹھتی ہیں جو میدان و پہاڑ ہر مقام پر مشرف ہے۔ پس اگر اس کی موجیں روکی نہ جاتیں اور جہاں ان کے ٹھہرائے جانے کا حکم دیا گیا ہے ٹھہرائی نہ جاتیں تو تمام دنیا پر محیط ہو جاتیں، حالانکہ اب تم دیکھتے ہو کہ پانی جب ان مقامات پر بھی پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے ٹھہرنے کا حکم ہے تو موجیں ٹھہر جاتی ہیں، اور جوش اور ابھار اس کا کم ہو جاتا ہے۔

اس نے کہا،...... واقعی ایسا ہے جیسا آپ نے ارشاد فرمایا۔ خود میں نے بھی ان تمام چیزوں کو اسی طرح دیکھا ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا۔ اس وقت آپ نے مجھ سے ایسی ایسی دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن کو میں نہ رد کرسکتا ہوں اور نہ انکار ہی کرسکتا ہوں۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا، ...... اس کے علاوہ میں تم سے وہ بات بیان کروں گا جس سے تم اچھی طرح سمجھ جاؤ کہ سلسلۂ مخلوقات کیسا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے، اور یہ کہ یہ کام ایک ہی مدبر و حکیم و عالم وقدیر کا ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عام طور پر تمام باغ نہر اور چشموں ہی سے سیراب نہیں ہیں۔ بہت سے ایسے عقاقیر و بقول جو باغ (باغ جہان) کے اندر موجود ہیں اور نیز ان چوپاؤں وحشیوں اور جنگلی پرندوں کی زندگی جن کے لیے کوئی چشمہ نہیں، کوئی نہر نہیں ابر سے ہوتی ہے، ابر ہی ان کو سیراب کرتا ہے۔

اس نے کہا، ...... ضرور ایسا ہی ہوتا ہے۔

میں نے کہا، ...... کیا تمہاری عقل اور تمہارے حاسے جن کی بابت تمہارا دعویٰ ہے کہ تمام اشیاء انہیں سے محسوس ہوتی ہیں۔ یہ نہیں بتاتے کہ یہ بادل جو ان شہروں اور ان مقامات پر پانی لیے ہوئے پھرتا ہے جہاں چشمے اور نہروں کا پانی نہیں پہنچتا اور پھر وہاں عقاقیر و بقول و اشجار پیدا ہوتے ہیں۔ اس باغ کے مالک کے علاوہ کسی اور کا ہوتا تو اسے ممکن تھا کہ جب چاہتا اس باغ میں پانی پہنچانے سے روک دیتا، اور صاحب باغ اپنی مخلوقات (درخت و نباتات) کے متعلق ہر وقت دھوکے اور خوف میں رہتا، ہر وقت ڈرتا رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی کا مالک میرے باغ کے درختوں کو پانی نہ دے جس سے ان کی زندگی ہے۔

اس نے کہا، ...... آپ نے جو فرمایا یہ تو واضح ہے (واقعی) یہ سلسلہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ (یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً جس نے باغ عالم کو پیدا کیا، اسی نے یہ چشمے اور نہریں بھی جاری کیں۔ اَبر وغیرہ بھی اسی نے بنایا ہے، تاکہ کسی وقت اس کا خدشہ نہ ہو کہ میرے باغ کو نقصان پہنچ سکے گا، کیونکہ اگر باغ کسی اور کا ہوتا اور پانی کسی اور کا تو ہمیشہ اس تردد میں وقت گزرتا، جیسا کہ دنیا میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جو کسی دوسرے کے کنوئیں یا

Presented by Ziaraat.Com

تالاب سے اپنا کھیت یا باغ سینچتا ہے۔ اس کو خیال رہتا ہے کہ ممکن ہے مالک چاہ و تالاب کسی وقت منع کر دے کہ تم میرے کنوئیں سے پانی نہ لو۔ اسی وجہ سے ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ میرا علیحدہ کنواں ہو۔ علیحدہ تالاب ہو تا کہ دوسرے کو اس میں مداخلت کا موقع نہ مل سکے)۔

یہ بات بھی درست نہیں کہ جس نے اس باغ کو، اس زمین کو ان مخلوقات (اشجار و نباتات وغیرہ) کو اور ان کے لیے پانی کے خزانوں کو پیدا کیا، اور جس نے مختلف قسم کے پھل ان زمینوں میں پیدا کیے کوئی اور ہو، اور آسمان و ابر کا خالق کوئی اور، (بلکہ وہ ایک ہی ہونا چاہیے) کہ جس وقت اپنے باغ کو سیراب کرنا چاہے اور باغ، اشجار و حیوانات و بقول وغیرہ کو زندہ رکھنا چاہے، جاری کر سکے۔ (اور اس سے ان کو قائم و زندہ رکھ سکے) لیکن میں اس قدر چاہتا ہوں کہ کوئی دلیل اس کی ایسی بیان کیجئے جس سے میرا یقین اور زیادہ ہو جائے اور میرے دل سے شک بھی دور ہو جائے۔

میں نے کہا، ...... انشاء اللہ میں تمہاری اسی ہلیلہ کے ذریعے سے اور نیز اس کے اس تعلق سے جو اسے اس باغ (اس باغ عالم) سے حاصل ہے اور جو چیزیں اس کی اسباب آسمانی سے متصل ہیں ثابت کروں گا، تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ تدبیر کسی علیم و حکیم کی تدبیر ہے۔

اس نے کہا، ...... آپ اس ہلیلہ کے ذریعے سے کیوں کر کوئی ایسی بات بیان کر سکتے ہیں جو میرے شبہے کو دور کرے؟

میں نے کہا، ...... اس کی مصنوعیت کے استحکام اور ترکیب تالیفی کے اثر اور اس کے شاخ و بُن کے اتصالات اور بعض کا بعض کی طرف محتاج ہونا تمہیں دکھلاؤں گا جن کا اتصال و تعلق سماوی چیزوں (ابر و باراں) سے ثابت ہو جائے۔

اس نے کہا، ...... اگر آپ یہ ثابت کر دیں گے تو پھر مجھ کو کوئی شبہ نہ رہے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا، ...... کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہلیلہ زمین میں اُگتا ہے، اس کی جڑیں ایک مضبوط جڑ سے ملی ہوئی ہیں، اور اس جڑ کا تعلق تنے سے ہے۔ تنے کا تعلق شاخوں سے ہے، شاخوں کا تعلق چوٹیوں سے ہے، چوٹیوں میں غنچے اور پتیاں موتی کی طرح گندھے ہوئے ہیں، اور ان سب کا سرتا سر لباس پتے ہیں اور ان سب کا تعلق اس سائے سے مسلط ہے جو ان (پھل، پھول اور پتوں) کو زمانے کی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس نے کہا، ...... ہلیلہ کی بابت تو مجھے ثابت ہو گیا کہ اس کی چھال، جڑیں، پتیاں اور اس کے زمین میں اگنے کی جگہ سب ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں اور میں گواہی بھی دیتا ہوں کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ علاوہ اس کے کوئی دوسرا ان سب کی خلقت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ کیونکہ صنعت ان کی مستحکم ہے خلقت کا سلسلہ ایک طرح پر قائم ہے۔ تدبیر و تقدیر سب میں مستحکم ہے۔

میں نے کہا، ...... اگر میں تمہیں (آنکھوں سے) دکھا دوں کہ تمام حالتوں میں یہ تدبیرات حکمت و استحکام کے ساتھ ترکیب دی گئی ہیں۔ ان کی صناعی نہایت معتدل ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ (یعنی ہر ایک کا سلسلہ دوسرے سے لگا ہوا ہے۔ مثلاً پتوں کا شاخ سے، شاخ کا تنے سے، تنے کا جڑ سے، جڑ کا باریک جڑوں سے ان کا زمین اور پانی اور ہوا سے پانی کا ابر سے، ابر کا بخارات سے، بخارات کا بُرودت سے جو اسے بستہ کرے وغیرہ) اور اس زمین سے متصل ہے جس میں سے یہ ہلیلہ پیدا ہوا ہے، تو کیا تم ان کے خالق کے وجود کا اقرار کر لو گے۔ (یعنی خدائے واحد کا)

اس نے کہا، ...... تب تو مجھ کو اس کی واحدانیت میں کچھ شبہ ہی نہ رہے گا۔

میں نے کہا، ...... سمجھو اور اچھی طرح سمجھو۔ جو کچھ میں تم سے بیان کروں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے اس ہلیلہ کا تعلق مٹی سے ہے اور مٹی کا تعلق حرارت

Presented by Ziaraat.Com

اور برودت کا تعلق ہوا سے ہے۔ ہوا کا تعلق ریح (تند ہوا) سے، اور ریح کا تعلق ابر سے ہے۔ ابر کا تعلق مینہ (بارش) سے ہے۔ مینہ کا تعلق فصلوں سے ہے۔ فصلوں کا تعلق چاند سورج سے ہے۔ چاند سورج کا تعلق گردش آسمان سے ہے، اور خود آسمان کا تعلق مابین آسمان وزمین سے ہے اور یہ خود ایک عجیب صنعت ظاہرہ وحکمت بالغہ وتالیف متقن وتدبیر محکم متصل پر مشتمل ہے۔ یہ سب کا سب مابین آسمان وزمین ہے جن میں سے ایک بغیر دوسرے کے قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ کوئی اپنے وقت معین سے پیچھے رہ جاتا ہے اور اگر اپنے وقت سے متاخر ہو جائے تو تمام مخلوقات زمین ونباتات فنا ہو جائیں۔

اس نے کہا، ...... بیشک یہ تو ظاہر علامتیں اور واضح دلیلیں (وجود پروردگار یکتا پر) ہیں جن میں اثر تدبیر نہایت استحکام خلقت وترکیب واستحکام صنعت کے ساتھ جاری وساری ہے۔ لیکن کیا معلوم شاید جس کا ذکر آپ نے چھوڑ دیا اس کو کوئی تعلق واتصال نہ ہو۔

میں نے کہا، ...... وہ کیا؟

اس نے کہا، ...... انسان ...... (یعنی اتنی چیزوں میں آپ نے انسان کا نام نہ لیا کہ اس میں کیوں کر سلسلہ مسبب واسباب کا قائم ہے۔

میں نے کہا، ...... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ان تمام چیزوں کو انسان سے تعلق ہے، انسان ہی کے واسطے مدبر (اللہ تعالیٰ) نے ان کو مسخر کیا ہے کیونکہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اگر کوئی چیز ان میں سے اپنے وقت سے ہٹ جائے تو تمام مخلوقات اور جو کچھ اس باغ کے اندر ہے تباہ و برباد ہو جائے۔ یہ (تمہارا) ہلیلہ بھی تشریف لے جائے جس میں تمہارے خیال کے بموجب آدمیوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں۔

اس نے کہا، ...... کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ جس طرح اور باتوں کو آپ نے مشرح بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کو بھی مشرح بیان فرمائیں۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا،...... ہاں اسی تمہارے ہلیلہ سے تمہارے سامنے ثابت کر دوں گا کہ تم گواہی دے دو گے کہ یہ تمام چیزیں بنی آدم ہی کے لیے مسخر کی گئی ہیں۔ (یعنی تمام مخلوقات عالم آدمی ہی کے لیے بنائی گئی ہیں۔)

اس نے کہا،...... یہ کیوں کر؟

میں نے کہا،...... (دیکھو) خدائے تعالیٰ نے آسمان کو ایک بلند چھت (کے طور پر) بنایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے (سر سے) نزدیک رہنے سے مخلوقات کو رنج و غم رہتا۔ آفتاب اپنے قرب کی وجہ سے ان کو جلا دیتا۔ اس نے انہیں لوگوں کے واسطے شہاب اور ستارے پیدا کیے جن سے خشکی اور تری میں ہدایت حاصل کی جائے (یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سفر کرنے والے رات کو انہیں ستاروں کے ذریعے سے مشرق و مغرب، جنوب و شمال کا پتہ معلوم کرتے ہیں اور اس سے اپنے مقصود تک پہنچتے ہیں) اور ایسے بھی ستارے پیدا کیے جن سے اصل حساب (علوم نجوم) معلوم ہوتا ہے جو حاسوں کے باطل ہونے اور کسی معلم کے موجود ہونے پر دلالت کرتے ہیں (جیسا کہ سابق میں مفصلاً بیان ہوا) جس نے بندوں کو ان کا علم دیا، حالانکہ یہ امور عقل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتے تھے چہ جائیکہ حواس سے۔ اور خیالات ان پر واقع نہیں ہو سکتے تھے عقلیں بغیر اس کے بتائے ہوئے وہاں تک پہنچ نہیں سکتی تھیں اس لیے کہ وہی عزیز جبار ہے جس نے انہیں تدبیر و حکمت سے پیدا کیا ہے۔ ان میں ایک چراغ (آفتاب) اور روشن چاند بنایا ہے جو آسمان کے (دریا کے) اندر تیرتے رہتے ہیں۔ یہ تیزی کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ کبھی تو ان دونوں کو طلوع کرتا ہے اور کبھی غروب کرتا ہے۔ اسی پر دن، مہینے اور سال قائم کیے ہیں جو جاڑے، گرمی، ربیع و خریف کا سبب ہیں، اور کاموں کے مختلف زمانے ہیں ان کی اصل رات اور دن ہیں جن میں سے اگر ایک بھی اہل دنیا پر ہمیشہ رہتا (یعنی صرف رات ہی رات رہتی دن نہ ہوتا، یا دن ہی دن ہوتا، رات نہ ہوتی) تو آدمیوں کی

زندگیاں کبھی قائم نہ رہتیں۔ لہٰذا ان چیزوں کے خالق اور مدبر نے دن کو روشن قرار دیا اور رات کو آرام کا محل۔ ان کے اندر حرارت و برودت نازل فرمائی (دن میں حرارت، رات میں برودت) جو باہم متضاد چیزیں ہیں۔ اگر انہی دونوں میں سے کوئی ایک قائم رہتی، تو نہ درخت اگتے، نہ پھل پیدا ہوتے، اور پھر تمام مخلوقات مر کے رہ جاتی، کیونکہ ان کا تعلق اس تیز چلنے والی ہوا سے ہے جو چاروں طرف پھیلائی ہوئی ہے۔ جب ٹھنڈی ہوتی ہے تو سانسوں کو خنکی دیتی ہے۔ جب گرم ہوتی ہے تو ان کے اجسام میں نمو پیدا کرتی ہے۔ اور ان کے اجسام اور معاش کی چیزوں سے ضرر و نقصان کو دفع کرتی ہے جب مرطوب ہوتی ہے تو ان کی طبیعتوں میں رطوبت پیدا کرتی ہے۔ جب خشک ہوا چلتی ہے تو ان کی رطوبات کو جذب کرتی ہے۔ اسی سبب سے پراگندہ چیز سمٹ آتی ہے اور چھایا ہوا ابر فضائے آسمان میں پھیل جاتا ہے جس طرح اس کا مدبر (اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے۔ پھر اسے (ابر کو) قطعہ قطعہ کر دیتا ہے۔ تو تم دیکھتے ہو کہ اس میں سے بقدر معین معاش معلوم، اور رزق مقسوم کے لیے مدت معینہ تک مینہ برستا ہے اور اگر اپنے وقت و زمانہ معین پر نہ برسے تو تمام مخلوق فنا اور باغ عالم خشک ہو جائے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مینہ کو اس کے خاص زمانے اور وقت پر اس زمین پر نازل کیا جس میں بنی آدم کو خلق فرمایا ہے، اور اسے (ان کا) فرش اور گہوارہ بنایا ہے، اور اس بات سے روکا ہے کہ کہیں انہیں لیے ہوئے الٹ نہ جائے، اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور اس میں سے چشمے نکالے جو زمین پر بہتے اور نباتات کو اگاتے ہیں۔ جن کے بغیر نہ تو مخلوقات زندہ رہ سکتی تھی نہ یہ باغ جہان ہی قائم رہ سکتا تھا۔ اور نہ انسانوں ہی کا اصلاح حال ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سمندر (اور بڑے بڑے دریا) بھی پیدا کیے جن میں لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر چلتے ہیں، اور جن کے اندر سے آرائش کی چیزیں (موتی مونگے وغیرہ) نکالتے ہیں جن کو پہنتے ہیں، اور (مچھلی کا) گوشت تازہ وغیرہ نکالتے ہیں جنہیں کھاتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اس سے معلوم ہوا کہ خشکی اور تری، آسمان اور زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے جو زندہ و قائم، مدبر و حکیم ہے، اور یہ کہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا، تو ان چیزوں میں اختلاف پڑتا، (حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عالم یکساں چلا آ رہا ہے اور اب تک وہی موجود ہے اور یوں ہی چلا جائے گا، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا لہذا معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق و منتظم بھی ایک ہی ہے)

علیٰ ہذا القیاس، آسمان، اس زمین کی نظیر ہے جس میں سے مخلوقات دانے، انگور، نباتات، تازہ زیتون، کھجوروں کے درخت ہرے بھرے باغات، میوے، سبزہ زار، ایک روشن و بین تالیف و ترکیب کی تدبیر سے کلیوں اور پھلوں کی صورت میں بنی آدم کی زندگانی اور ان کے بدنوں اور ان کے چوپاؤں کی بقائے حیات کے لیے جن کے بالوں، اونوں اور لمبی لمبی جتوں سے سامان خانہ اور اسباب ایک وقت معین تک کے لیے بنایا جاتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ان کی پیٹھوں پر سوار ہوتے ہیں، پیدا کیے گئے اور یہ ان آدمیوں کی زندگی بسر کرنے کے لیے ایسے اسباب ہیں جن کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے، اور ایسے امور صلاح ہیں۔ جن کے بغیر ان کا قیام نہیں ہو سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس (اگر اور باتوں سے ناواقف رہو تو رہو مگر اس سے ناواقف نہ رہنا کہ زمین پر دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو پیدا ہوتی ہیں۔ دوسری وہ جو اُگتی ہیں۔ (یعنی ایک تو وہ ہیں جن میں سلسلۂ ولادت قائم ہے۔ جیسے حیوانات، دوسری وہ جو زمین سے اُگتی ہیں جیسے نباتات و اشجار) ایک ان میں کھانے والا ہے۔ (حیوانات) اور دوسرا ان میں سے خوراک ہے (نباتات)۔

(نیز) جس بات سے تمہاری عقل تمہیں بتا سکے کہ وہی (خدائے تعالیٰ) آدمیوں کا بھی خالق ہے۔ وہ آدمی کی ساخت اور اس کے جسم کا کھانے کی خواہش کے لیے تیار رہنا، اور

Presented by Ziaraat.Com

معدہ کا ہونا، جو کھائی ہوئی چیزوں کو پیس سکے اور رگوں کے راستے بنے ہوئے جن سے چھنی چھنائی غذا جا سکے اور فضلوں کے دفع کے واسطے آنتوں کا ہونا ہے (جو بتا رہا ہے کہ جس نے ان نباتات و بقولات کو پیدا کیا ہے اس نے ان کے کھانے کے واسطے انسانوں کو بھی پیدا کیا ہے کیونکہ ان کی ساخت ہی اس طور کی واقع ہوئی ہے) اور اگر خوردنی چیزوں کا خالق کوئی اور ہوتا۔ (اور حیوانات و انسان کا خالق کوئی اور) تو ان اجسام کو اس طرح کا نہ بناتا جن میں خواہش غذا رکھی گئی ہے، اور نہ اس کو اس پر قدرت ہوتی۔ (کیونکہ جب نباتات و اشجار کسی دوسرے کے ہوتے تو بھلا وہ کیوں اپنی پیدا کی ہوی چیزیں، دوسرے کی مخلوقات کو کھانے دیتا، اور اگر زبردستی وہ کھلاتا تو پھر خوب ہی دونوں خداؤں میں فساد برپا ہوتا، وہ کہتا میرا پیدا کیا ہوا دانہ اپنے پیدا کیے ہوئے آدمیوں کو کیوں کھلا دیا۔ میری بنائی ہوئی گھاس اپنے حیوانات سے کیوں چرا دی؟ اور پھر دونوں میں خوب ہی جھگڑا فساد ہوتا۔)

اس نے کہا،...... آپ نے تو اس طرح بیان فرما دیا ہے جس سے میں جان گیا ہوں کہ یہ تدبیریں کسی ایک ہی مدبر حکیم، لطیف، قدیم و علیم کی ہیں۔ اب میں ایمان لاتا ہوں کہ خالق ایک ہی ہے۔ میں اس کی تسبیح کرتا ہوں، اس کی حمد کرتا ہوں، مگر مجھے مار ڈالنے والے زہروں میں شک رہ گیا کہ آیا، انہیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے، (یا کسی اور نے) کیونکہ یہ صرف نقصان دہ ہیں فائدہ تو دیتے ہیں۔ (جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ان کو خدائے واحد نے نہ پیدا کیا ہو کیونکہ اس کی ذات سے ہمہ تن فائدہ ہی فائدہ پہنچنا چاہیے۔ ممکن ہے خدا کے علاوہ کوئی اور ان زہروں کا خالق ہو)۔

میں نے کہا،...... کیا تم پر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ زہر بھی سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کے بنائے ہوئے نہیں۔

اس نے کہا،...... ہاں ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کیوں کہ تمام مخلوقات اسی

Presented by Ziaraat.Com

کے بندے ہیں اسے یہ زیبا نہیں تھا کہ ان کے نقصان پہنچانے والی چیزیں بھی وہ پیدا کرے۔

میں نے کہا،...... میں تمہیں ایک ایسی چیز دکھاؤں جس سے تم سمجھ جاؤ گے اور اسے تمہارے ہلیلہ اور تمہارے علم طب کی راہ سے تمہیں بتاؤں گا۔

اس نے کہا،...... بتایئے!

میں نے کہا،...... کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی بھی نبات ہے جس میں خلق کو کچھ ضرر نہ پہنچتا ہو؟

اس نے کہا،...... ہاں!

میں نے کہا،...... وہ کیا؟

اس نے کہا،...... یہی کھانے (اور غذائیں)

میں نے کہا،...... تو کیا یہ غذائیں (جن کو تم نے بتایا ہے) رنگ کو بدل نہیں دیتیں، بیماریاں نہیں پیدا کرتیں؟ کیا انہیں غذاؤں سے جذام، برص، سل، زرداب وغیرہ جیسی مہلک بیماریاں نہیں پیدا ہوتیں؟

اس نے کہا،...... ہاں! ایسا تو ہوتا ہے۔

میں نے کہا،...... اچھا، تمہاری یہ بات تو ٹوٹ گئی۔

اس نے کہا،...... ہاں۔

میں نے کہا،......... اچھا، تم کوئی بوٹی بھی نہیں جانتے ہو، جس میں کوئی فایدہ ہی نہ ہو

اس نے کہا،...... ہاں!

میں نے کہا،...... (غالباً یہاں[1] یہ عبارت رہی ہو فَما ھو، یعنی وہ کیا؟)

اس نے کہا،......[1]

---

[1] اس موقع کی عبارت اصل کتاب مترجم منہ میں نہ ملی اس لیے جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

میں نے کہا، ...... تو کیا وہ ان دواؤں میں نہیں ڈالی جاتی جن سے جذام و برص وغیرہ کی بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ درد کو کھوتی ہے۔ بیماری کو بھی دفع کرتی ہے تم تو خود اسے خوب جانتے ہو گے، کیوں کہ عرصے تک معالجہ کرتے رہے ہو۔

اس نے کہا، ...... بیشک ایسا ہی ہے

میں نے کہا، ...... تو مجھے وہ دوا بتاؤ جو تمام زہروں کے دفع کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہو۔ کیا یہ صفت تریاق میں نہیں ہے؟

اس نے کہا، ...... ہاں، وہ ان سب دواؤں کی راس و رئیس ہے۔ سانپ کے کاٹنے، کیڑے مکوڑوں کے ڈنک مارنے کے موقع پر، اور سمی (زہریلی) چیزوں کے کھا لینے کے وقت پہلے اسی تریاق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں نے کہا، ...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ترکیب تریاق کی ادویہ مرتفع (غالباً اس سے تصعید کردہ شدہ دوائیں مراد ہیں) اور ادویۂ محرقہ (جو جلا کر ڈالی جاتی ہیں) میں یہ بات ضرور ہے کہ انہیں بڑے زہریلے سانپوں کے گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔

اس نے کہا، ...... ہاں ایسا ہی ہے، تریاق تو نافع اور سم قاتل کی دافع بغیر اس کے ہوتی ہی نہیں ...... میری تو یہ بات بھی ٹوٹ گئی۔ اب تو میں گواہی دیتا ہوں کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ (کوئی معبود برحق سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں وہی اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) اور (گواہی دیتا ہوں) کہ اسی نے قاتل زہروں، دشمن کیڑوں اور تمام نباتات و اشجار کو پیدا کیا ہے۔ وہی ان کا بونے اور اُگانے والا ہے، وہی اجسام کا پیدا کرنے والا، وہی ہواؤں کا چلانے والا، اور اَبر کا مسخر کرنے والا ہے اور (گواہی دیتا ہوں) کہ وہی ان بیماریوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے جو انسان کے بدن میں پیدا ہوتی ہیں جیسے وہ زہریلے مادے جو کہ اس کے اعضاء اور ہڈیوں اور امرض کے مستقر (رگوں وغیرہ) میں جاری ہوتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔ اور (وہی) ان دواؤں کا خالق ہے جو ان کی اصلاح کرتی ہیں۔ وہی روح کا پہچاننے والا، مجرائی خون کا جاننے والا ہے (وہی جانتا ہے کہ) کتنا کتنا حصہ خون کا رگوں میں تقسیم ہوا ہے کیوں کر اس کو اعضاء اور اعصاب و جسد سے اتصال و تعلق ہے۔ وہی اس بات کو جانتا ہے کہ حرارت و برودت میں کون سی شے اس کی مصلح ہے۔ وہی ہر عضو کو مع اس کی اندرونی حالت کے جانتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس نے ان ستاروں اور ان کے حسابات کو قائم کیا ہے۔ وہی ان کو جانتا ہے۔ وہی ان میں سے سعد و نحس اور ان موالید کا بتانے والا ہے جو ان ستاروں کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں اور (یہ بھی گواہی دیتا ہوں) کہ تدبیر ایک ہی ہے کچھ بھی اختلاف نہیں ہے جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کو ایک دوسرے سے تعلق ہے؟

اچھا، اب آپ یہ بتایئے کہ آپ نے اسے یہ کیوں کر کہا کہ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی لطیف و خبیر ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا، ...... وہی اوّل ہے۔ کسی قسم کی کیفیت (حرارت، برودت، سختی، اور نرمی وغیرہ) اس میں نہیں پائی جاتیں، اور آخر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا کوئی مثل نہیں۔ اس نے اشیاء کو خلق فرمایا، مگر نہ کسی چیز سے (بلکہ بلا مادہ) اور نہ کسی کیفیت سے (بلکہ) (بے ہاتھ پاؤں ہلائے) بغیر تکلیف اٹھائے۔ بے سوچے اور غور کیے، اور بغیر کسی کیفیت کے (پیدا کیا) جب کہ وہ خود ایسا ہے کہ اس کی کوئی کیفیت نہیں، بلکہ کیفیت دراصل مخلوق کی کیفیت ہے (کیوں کہ جس قدر کیفیات ہیں۔ مثل گرمی، سردی، سختی نرمی، مٹھاس کھٹاس، نمکین، کڑواہٹ، سرخی، سبزی، زردی وغیرہ وغیرہ سب مخلوقات کی کیفیتیں ہیں، نہ خالق کی) کیونکہ وہی سب سے اوّل ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، نہ اس کا کوئی مانند ہے، نہ مخالف نہ مثل۔ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا، چھونے سے محسوس نہیں ہوتا۔ پس اپنی مخلوقات کے ذریعے سے پہچانا جاتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے (یعنی ان مخلوقات و مصنوعات عالم کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ضرور ان کا خالق ہو گا) تبارک و تعالی۔

اس نے کہا، ...... اب مجھ سے اس کی قوت کو بیان کیجئے (یعنی خدا کو قوی کیوں کہتے ہیں؟)

میں نے کہا، ...... ہمارے معبود کو قوی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس نے بڑی بڑی مخلوقات قوی کو مثل زمین کے اور جو اس پر پہاڑ، سمندر، ریت، درخت ہیں اور جو مخلوق متحرک اس پر ہے مثلاً انسان، حیوانات، ہواؤں کے جھونکے اور ابر مسخر جو بہت سا پانی لیے ہوئے فضا میں رہتا ہے، آفتاب، چاند اور ان کی عظمت اور ان کی روشنی کی عظمت جس کی حد و انتہا تک نظر نہیں پہنچتی، اور چلنے والے ستارے گردش کرنے والا آسمان، دبازت آسمان، یہ بڑا ہی عظیم الشان جسم فلک الافلاک، سماء مسقّف جو ہمارے سر کے اوپر ہوا میں قائم ہے اور علاوہ ان کے پھیلی ہوئی زمین اور جو اس پر گرانبار خلقت ہے، اور باوجود اس قدر بوجھ (وزن) کے پھر ٹھہری ہوئی ہے، ذرا نہیں ہلتی۔ ہاں کبھی ایک گوشہ اس کا ہل جاتا ہے (زلزلہ میں) مگر دوسرا گوشہ ویسا ہی قائم رہتا ہے، اور کبھی ایک حصہ دھنس جاتا ہے اور دوسرا اسی طرح ثابت رہتا ہے، پیدا کیے ہیں۔ ان سے ہمیں اپنی قدرت دکھلاتا ہے اور اپنے ان افعال سے اپنی معرفت کی رہنمائی کرتا ہے اس لیے اس کو قوی کہا گیا۔ نہ اس قوت جملہ کی وجہ سے جو مخلوقات سے معلوم ہوتی۔ (کیونکہ یہ قوت تو جسم پر موقوف ہے اور خدائے تعالی جل اسمہٗ کے جسم ہی نہیں) اور اگر اس کی قوت مخلوقات کی قوت کے مشابہ ہوتی تو اس کی تشبیہ ہو سکتی اور پھر اس میں زیادتی کا بھی احتمال ہوتا، اور جس میں زیادتی کا احتمال ہوتا وہ ناقص ہے (کیونکہ ناقص ہی چیز زیادہ ہو سکتی ہے۔) اور جو ناقص (کم) ہے وہ تام (پوری) نہیں ہے۔ بلکہ عاجز و ضعیف ہے حالانکہ اللہ عزوجل کسی چیز سے تشبیہ نہیں دیا جا سکتا۔ کہ ایسا ہے یا ویسا ہے (اور نہ

Presented by Ziaraat.Com

اس میں عجز وضعف ونقصان تجویز کیا جاسکتا ہے) بس ہم نے تو اس کو اسی وجہ سے قوی کہا ہے کہ اس نے ایسی قوت والی مخلوقات پیدا کیں اور اسی طرح جو ہم نے اس کو عظیم اور کبیر کہا ہے (تو اسی وجہ سے کہ ایسی باعظمت اور بڑی چیزیں پیدا فرمائیں) وہ خدائے تبارک وتعالیٰ ان ناموں سے تشبیہ نہیں دیا جاتا۔ (یعنی اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جیسے کسی بڑے درخت کو شجر عظیم کہتے ہیں اس کی لمبائی یا موٹائی کی وجہ سے، اسی طرح خدائے تعالیٰ بڑا لمبا تڑنگا، موٹا تازہ ہوگا۔ یا جیسے کسی پہلوان کو اس کی قوت کی وجہ سے قوی کہتے ہیں اسی طرح خدائے تعالیٰ میں بھی قوت ہوگی جس سے اس کو قوی کہا گیا ہے)۔

اس نے کہا،...... اچھا خود اس نے اپنے تئیں سمیع وبصیر وعالم کہا ہے۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ (یعنی کیا اس کے کان ہیں جن سے سنتا ہے یا آنکھ ہے جس سے دیکھتا ہے یا دماغ ہے جس سے جانتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو سمیع وبصیر وعالم کہا ہے) یا، اس نے خود اپنی کتاب میں اپنے تئیں سمیع وبصیر وعالم کہا ہے)

میں نے کہا،...... اس خدائے تعالیٰ کے یہ نام اس وجہ سے قرار پائے کہ اس کے سامنے کوئی چیز مخفی نہیں ہے جسے آنکھیں دیکھ سکتی ہوں، خواہ چھوٹا جسم ہو، یا، بڑا۔ باریک ہو، یا موٹا، ہم اسے اس وجہ سے بصیر نہیں کہتے کہ وہ بھی مخلوقات کی طرح آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

اس کو سمیع اس وجہ سے کہا گیا، کہ کوئی سے تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی، مگر یہ کہ وہ چھٹا ہوتا ہے، اور نہ ان سے کم اور زیادہ کی سرگوشی، مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یعنی جب تین آدمی بیٹھ کر باتیں رموز کی کرتے ہوں تو بھی پروردگار اس کو جان لیتا ہے۔ چار آدمی آہستہ باتیں کریں وہ اسے بھی معلوم کر لیتا ہے۔ غرض کتنے ہی آدمی کم ہوں یا زیادہ، کتنا ہی آہستہ کلام کریں سب کو وہ معلوم کرتا ہے۔ اسی طرح پروردگار عالم بغیر کان اور بغیر قوت سامعہ کے معلوم کر لیتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس وجہ سے اس کو سمیع کہا گیا ہے۔) وہ جہاں کہیں بھی ہوں، راز کی باتوں کو سنتا ہے۔ چیونٹی کی چال کی آواز چکنے پتھر پر، اور ہوا میں پرندوں کے پروں کی آواز سن لیتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز جسے لوگوں کے کان اور آنکھیں محسوس کر سکتی ہیں اور نہ وہ جنہیں محسوس نہیں کر سکتیں، خواہ موٹی ہوں یا پتلی، بڑی ہوں خواہ چھوٹی۔ ہم اسے ان معنوں سے سننے والا (سمیع) نہیں کہتے کہ جو سماعت مخلوقات سے سمجھ میں آتی ہے (یعنی کان کے ذریعے سے)۔

اسی طرح اس کو علیم بھی اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ کسی چیز سے ناواقف نہیں ہے۔ نہ زمین کی، نہ آسمان کی، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ موجود ہو، خواہ نہ ہو اور یہ کہ اگر ہوتی تو کیوں کر ہوتی۔ (ہر حالت سے ہر شے کو جانتا ہے۔) ہم اس معنی سے اس کو علیم نہیں کہتے کہ اس میں قوت غریزیہ ہے، جس کے ذریعے سے اس کو علم حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ مخلوقات میں ایک قوت ہوتی ہے جس کو ہم قوت غریزیہ کہتے ہیں جس کے ذریعے سے ان کو علم ہوتا ہے۔ یہی اس کا مطلب علیم سے ہے (یعنی خدائے تعالیٰ نے خود جو اپنے تئیں علیم کہا ہے اسی معنی سے ہے۔ نہ اس معنی سے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں) پس معزز[1] ہے وہ جس میں صفات علیحدہ سے نہیں پائے جاتے (بلکہ وہ خود عین صفت ہے) اور جس نے اپنے تئیں افعال مخلوقات سے منزہ فرمایا ہے۔

---

1 اس میں اشارہ ہے ان لوگوں کے کلام کے رد کی طرف جو کہتے ہیں کہ پروردگار عالم قوت سامعہ سے سنتا ہے، قوت باصرہ سے دیکھتا ہے، قوت لامسہ سے چھوتا ہے، قوت شامہ سے سونگھتا ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ اگر ایسا ہو کہ صفات پروردگار عالم اس کی عین ذات ہوں بلکہ وہ خود کوئی اور چیز ہو اور صفات اس کے اس کی ذات سے علیحدہ ہوں تو پروردگار عالم کا غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آئے گا جو قطعاً محال ہے اور نیز تعدد قدماء لازم ہے جو یقیناً باطل ہے جیسا کہ دیباچہ میں گزارش کیا گیا، اور اگر صفات خدائے تعالیٰ قدیم نہ ہوں تو ان لوگوں کے فرض پر خدائے تعالیٰ کا محل حوادث وتغیرات ہونا لازم آئے گا جو بالکل اس کی ذات مقدسہ کی شان کے خلاف ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

یہ معنی ہیں (علیم و سمیع و بصیر کے) اگر یہ نہ ہوں تو خود اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیان کچھ فرق ہی نہ رہے۔ وہی پاک ہے اور اس کے نام مقدس ہیں۔

اس نے کہا،...... یہ تو آپ نے ٹھیک کہا ہے میں اسے سمجھ گیا مگر میری غرض یہ ہے کہ آپ مجھے اس طور پر بتائیں جس سے میں کسی موقع پر جواب دے سکوں۔ تو آپ مجھے تعلیم فرمائیں تاکہ میں اسے خوب یاد کرلوں کہ وہی تعلیم کسی سرکش، مخالف اور صاحب شبہ سائل، یا کسی طلبگار حق کے لیے دلیل ہو سکے، اور جو ہمارے موافق ہوں ان کے لیے زیادتی ایمان کا ذریعہ بن سکے۔ تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ اس نے اپنے تئیں لطیف کیوں کہا ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ صفت بہ سبب ان افعال لطیفہ کے ہے جو اس سے ظہور میں آئے ہیں لیکن میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیان سے اس کی تشریح فرمادیں گے۔

میں نے کہا،...... ہم نے اس کو لطیف اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے لطافت اور باریکیوں کے ساتھ مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر شئے لطیف کو جانتا ہے۔ خواہ مچھر ہو یا چیونٹی یا اس سے بھی صغیر الجسم ہو جسے نہ آنکھ دیکھ سکے اور نہ اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عقل ہی اس کے کان اور آنکھ کو معلوم کر سکے جن کی چھوٹائی کی وجہ سے یہ نہ معلوم ہو سکے کہ نر کون ہے اور مادہ کون ہے۔ نیا بچہ کون ہے اور پرانا باپ کون ہے۔ (مگر خدائے تعالیٰ جل قدسہٗ ان سب باتوں کو معلوم کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کو لطیف کہا گیا۔)

پس جب کہ ہم نے اس کی باریکی باوجود ان حیوانات کے صغیر الجثہ (چھوٹا) ہونے کے دیکھی اور دیکھا کہ اس میں عقل کا بھی ایک مقام ہے۔ جفتی ہونے کے لیے اس میں شہوت بھی ہے۔ موت سے بھاگتا بھی ہے۔ اپنے بچے پر مہربان ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتا بھی ہے، اور جو دریاؤں کے اندر ہیں یا آسمان پر ہیں۔ جنگلوں میں ہیں یا میدانوں میں اور جو

Presented by Ziaraat.Com

ہمارے ساتھ ہمارے گھروں میں رہتے ہیں۔

ایک دوسرے کو اپنی گفتگو بھی سمجھا لیتے ہیں۔ اپنی اولاد کو بھی پہچانتے ہیں۔ ان کے پاس کھانے کی چیزیں اور پانی بھی اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں۔ تو ہم نے جان لیا کہ ان کا خالق لطیف ہے۔ اس لطیف خلقت کے پیدا کرنے کی وجہ سے جس طرح ہم نے اس کو قوی کہا ہے۔ قوت دار چیزوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے۔

اس نے کہا، ...... آپ نے جو کچھ بیان کیا واضح ہے۔ لیکن انسان کو کیوں کر جائز ہوا کہ جو خدائے تعالیٰ کے نام ہیں وہی اپنے بھی رکھ لیں۔ (یعنی انسانوں کو بھی قوی کہتے ہیں، خدا کو بھی قوی کہتے ہیں۔ انسان کو بھی سمیع و بصیر کہتے ہیں خدائے تعالیٰ کو بھی سمیع و بصیر کہتے ہیں۔ پھر آدمی میں اور خدا میں کیا فرق رہا۔)؟

میں نے کہا، ...... خدائے جل شانہٗ و تقدست اسماءٗ نے آدمیوں کے لیے ناموں کو جائز قرار کر دیا ہے اور انہیں یہ بخش دیا ہے (دیکھو) کہ کوئی شخص کسی ایک چیز کو "واحد" کہتا ہے۔ اور خدا کو بھی واحد کہتا ہے کسی کو قوی کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی "قوی" ہے کسی کو کہتا ہے فلاں شخص "صانع" کاریگری ہے اور اللہ تعالیٰ بھی "صانع" ہے (کیونکہ اس نے طرح طرح کے مصنوعات پیدا کیے) کسی کو کہتا ہے ھو رازق اور خدا کو بھی کہتا ہے اللہ رازق، کسی کو کہتا ہے ھو السمیع و ھو البصیر، حالانکہ اللہ تعالیٰ بھی سمیع و بصیر ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس جو شخص انسان کو واحد کہتا ہے وہ تو اس کا نام ہے اور اس کی شبیہ بھی موجود ہے اور خدائے تعالیٰ کو جو واحد کہتے ہیں، تو واحد اس کا نام ہے مگر کوئی شے اس کے مشابہ و مانند نہیں اور نہ معنی واحد ہے۔

اور یہ جو نام ہیں ان کو تو صرف مسمٰی (شخص پر) دلالت کرنے کے واسطے ہم لوگوں

Presented by Ziaraat.Com

نے بنایا ہے کیونکہ ہم انسان کو واحد (اکیلا) دیکھتے ہیں اور اسی وقت اس کو واحد کہتے ہیں جب کہ وہ اکیلا ہو، تم تو جانتے ہو کہ انسان فی نفسہ تو واحد المعنیٰ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اعضاء مختلف ہیں، اس کے اجزائے بدن برابر نہیں ہیں۔ اس میں خون ہے جو علاوہ گوشت کے ہے اس میں ہڈیاں ہیں جو علاوہ پٹھوں کے ہیں۔ اس کے بال ہیں جو علاوہ ناخن کے ہیں۔ اس کی سیاہی، علاوہ اس کی سفیدی کے ہے (یعنی انسان میں اس قدر چیزیں پائی جاتی ہیں پھر وہ کیوں کر واحد المعنیٰ ہوسکتا ہے) اسی طرح اور تمام مخلوقات ہے۔ انسان صرف نام میں واحد ہے نام اور معنی اور ساخت ان میں واحد نہیں ہے۔

پس خدائے تعالیٰ کو جو "واحد" کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ ایسا واحد (یکتا) ہے جس کے سوائے کوئی واحد نہیں کیونکہ اس میں مختلف چیزیں نہیں پائی جاتیں (جس طرح انسان میں پائی جاتی ہیں کہ اس میں گوشت بھی ہے، پوست بھی ہے، استخوان بھی ہے خون بھی ہے سودا بھی ہ، صفرا بھی ہے بلغم بھی، وغیرہ)

اور (اسی طرح) وہ مبارک و بلند مرتبہ اللہ سمیع ہے بصیر ہے قوی ہے عزیز ہے حکیم ہے علیم ہے **فتعالی اللہ احسن الخالقین** (یعنی کہ اس میں ان صفتوں کے مادے علیحدہ علیحدہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ خود اس کی ذات مقدسہ ایسی ہے جو عین علم، عین بصارت، عین سماعت، عین قوت ہے۔ لہٰذا اس کو علیم و سمیع وغیرہ کہا گیا ہے۔)

اس نے کہا، ...... اب اس کے قول رؤف و رحیم، اور اس کی رضا، محبت، غضب اور سخط (ناراضی) کو بتایئے (کہ کس معنی سے ان کو رؤف و رحیم، راضی و محب و ساخط وغیرہ کہتے ہیں۔

میں نے کہا، ...... ہم لوگوں میں جو رحمت (رحم) پیدا ہوتی ہے وہ بمعنی شفقت و بخشش ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب دیتا ہے! بندوں کی

Presented by Ziaraat.Com

رحمت کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ جو دل میں رافت و رقت پیدا کرتی ہے۔ جب کسی قابل رحم شخص کو تکلیف و احتیاط یا اور کسی قسم کی بلا میں مبتلا دیکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو قابل رحم شخص پر رافت و لطف کرنے اور اس کی نازل شدہ بلا پر رحم کھانے کے بعد پیدا ہوتی ہے (یعنی ایک رحم تو وہ کیفیت ہے جو دل میں کسی قابل رحم شخص کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اثر جو اس کیفیت پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً اس کی تکلیف کو دور کر دینا مظلوم کی امداد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنا دینا وغیرہ۔ پس پہلا رحم تو دلی جذبہ اور کشش ہے اور دوسرا رحم اس کا اثر ہے)۔

کبھی کوئی کہتا ہے، دیکھو فلاں شخص کے رحم کو (یعنی دیکھو اس نے فلاں شخص پر رحم کیا) اور اس کا مطلب اس رحم سے وہی فعل ہوتا ہے جو اس رافت و مہربانی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو اس صفت کو نسبت دیتے ہیں (اور کہتے ہیں، خدا نے رحم کیا یا خدائے تعالیٰ رحیم ہے) تو وہ انہیں کاموں کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہم سے حادث ہوتا ہے۔ (مثلاً ہم نے کسی مظلوم کی مدد کر دی یا کسی کو درندے سے بچا لیا، تو کہتے ہیں دیکھو خدا نے کیسا اس شخص پر رحم کیا کہ ایک آدمی اس کی مدد کے لیے بھیج دیا۔)

لیکن رحمت اس معنی سے جو دل میں ہے، تو وہ خدائے تعالیٰ میں نہیں پائی جاتی۔ (کیونکہ اس کے پاس دل نہیں ہے اور نہ وہ اعضاء و جوارح والا ہے) جیسا کہ اس نے اپنے تئیں آپ بیان فرمایا ہے۔ پس وہ رحیم تو ہے مگر نہ اس رحمت سے جو رقت قلب کے معنی میں ہے۔

لیکن غضب تو ہم لوگوں میں جب پیدا ہوتا ہے تو ہماری طبیعتوں میں ایک تغیر حادث ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس حالت میں ہمارے جوڑ و بند کانپنے لگتے ہیں، رنگ

Presented by Ziaraat.Com

بدل جاتا ہے۔ (مثلاً غصے میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے) پھر اس کے بعد ہم کسی کو سزا دیتے ہیں (جس پر ہمیں غصہ آیا تھا) اس وجہ سے اس کو غضب کہتے ہیں۔ یہ تو عام لوگوں میں معروف ومشہور ہے۔ اور (دراصل) غضب (غصہ) دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو وہ کیفیت ہے جو دل میں پیدا نہیں ہوتی ہے اور ایک یہ کیفیت جو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیفیت جس کا تعلق دل سے ہے وہ خدائے تعالیٰ جل جلالہٗ میں نہیں پائی جاتی۔

علیٰ ہذا القیاس، اس کی رضا، و ناراضی و رحمت بھی ہے۔ وہی جلیل ہے اور وہی عزیز، نہ اس کا کوئی شبیہ ہے نہ مثل۔

اس نے کہا، ...... مجھ کو اس کے ارادے سے باخبر کیجئے (کہ اس کو مرید کس معنی سے کہتے ہیں۔)

میں نے کہا، ...... بندوں کا ارادہ تو اس ضمیر کے معنی میں ہے (جو دل میں آتا ہے اور جس کے بعد کوئی کام ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کا کسی کام کو کر دینے کے معنی میں ہے، کہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، نہ اس کو تعب ہوتا ہے اور نہ کوئی کیفیت۔ اس پر مرتب ہوتی ہے۔ (جس طرح انسان کو ارادہ کرنے کے بعد کسی کام کے کرنے میں ایک کیفیت جسمانی و روحانی پیدا ہوتی ہے اور تھکن وغیرہ اس سے حادث ہوتی ہے، وہ بات خدائے تعالیٰ میں نہیں ہوتی کیونکہ اس کو کوئی کام ہاتھ یا پاؤں سے کرنا نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ پاؤں مثل آدمی کے نہیں بلکہ اس کا ارادہ تو صرف یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو کہہ دیا کُـــــن (ہو جا) بس وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یہی اس کا ارادہ ہے اور یہی اس کا فعل)۔

اس نے کہا، ...... آپ نے خوب بیان فرما دیا، اور اپنے مطلب کو پہنچ

Presented by Ziaraat.Com

گئے۔ پس اس قدر ایک عقلمند کے لیے کافی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں گمراہی سے ہدایت کی اور اس سے بچا لیا کہ اس کو کسی اس کی مخلوق سے تشبیہ دیں (اور مشابہ سمجھیں) یا اس کی عظمت و قدرت ولطیف صنعت و جبروت میں کوئی تشبیہ پیدا کریں (بیشک وہ) مثل و شبیہ و ضد سے بَری ہے اس سے زیادہ بزرگ ہے کہ اس کا کوئی شریک و مانند ہو۔

جلّ عن الاشباه و الا ضداد و تكبر عن الشركاء
والانداد الحمد لِلّٰه اولاً و آخرًا و ظاهراً و باطناً و هو
علىٰ كلّ شيء قدير و بالحمد جدير

Presented by Ziaraat.Com

باب سوم

دلائلِ وجودِ باری

آئمہؑ طاہرین کے چند واقعات کی روشنی میں

انڈے سے استدلالِ توحید

ج[1] ابوشاکر دیصانی (جو دہریہ تھا) ابوعبداللہ (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) کے پاس آیا اور حضرت سے عرض کی:

یا جعفر بن محمد دلّنی علیٰ معبودی ''اے جعفر بن محمد مجھے میرے معبود کو بتاؤ''۔

آپؑ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ ہاتھ میں انڈا لیے ہوئے کھیلتا ہوا آ گیا، آپؑ نے فرمایا:

- لڑکے! یہ انڈا مجھے دینا۔
- اُس نے وہ انڈا آپؑ کو دے دیا۔
- آپؑ نے فرمایا: اے دیصانی! یہ ایک قلعۂ مکنون ہے۔ اس کے اوپر تو موٹی سی جلد ہے اور موٹی جلد کے نیچے ایک باریک جلد ہے۔ اور باریک جلد کے نیچے پگھلا ہوا سونا (زردی) ہے اور پگھلی ہوئی چاندی (سفیدی) ہے۔ نہ تو پگھلا ہوا سونا پگھلی ہوئی چاندی سے مخلوط ہوتا ہے اور نہ پگھلی ہوئی چاندی پگھلے ہوئے سونے سے مخلوط ہوتی ہے۔ حالانکہ دونوں ہی پگھلے ہوئے ہیں، چاہیے تھا کہ ہلانے جُلانے سے ایک دوسرے میں مخلوط ہو جاتے مگر

---

[1] ''ج'' سے مراد ''نہج البلاغہ'' ''یـد'' سے مراد کتاب توحید شیخ صدوق۔ ''ن'' سے مراد کتاب عیون الاخبار ''ل'' سے مراد امالی۔ صدوقؒ

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہوتے۔ پھر اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ نہ اس کے اندر سے کوئی مصلح شخص نکلتا ہے جو خبر دے کہ میں نے اس میں یہ اصلاح کی اور نہ اس کے اندر کوئی خراب کرنے والی چیز داخل ہوتی ہے جو خبر دے کہ میں نے اس میں خرابی پیدا کی، نہ معلوم یہ نر کے لیے بنایا گیا ہے یا مادہ کے لیے (پھر) اس سے رنگ برنگی صور (صورتیں) پیدا ہوتی ہیں۔ کیا تمہاری رائے میں اس کا کوئی مدبر (و خالق حکیم) ہے؟ (آخر کس نے اس کے اندر یہ صورتگری کی ہے کیوں کر اس کے اندر بچہ بن کر تیار ہو گیا۔ کس نے یہ رنگ و روپ اس میں پیدا کیے۔ کس نے پرپُرزے اس کے ٹھیک و درست کیے؟ کوئی اس کے اندر تو داخل ہوا ہی نہیں، پھر کس نے یہ رنگ آمیزیاں کیں؟ کس نے اس کے پنجے، چونچ، بازو، آنکھیں، کان، ناک آنتیں، پوٹے، مفاصل وغیرہ بنا دیے)۔

راوی کہتا ہے کہ، ابو شاکر تھوڑی دیر سر جھکائے غور کرتا رہا۔ پھر یکبارگی کہنے لگا،

اشهد ان لا اِلٰه اِلا اللّٰه وحدهٗ لا شريكَ لهٗ و اشهد ان محمّدًا عبدهٗ و رسولهٗ و انك امام و حجة من الله على خلقه و انا تائب مما كنتُ فيه۔

۲۔ یــــد ...... دقاق نے اسدی سے، اس نے حسین بن مامون قرشی سے، اس نے عمر بن عبدالعزیز سے، اس نے ہشام بن حکم سے روایت کی ہے کہ ابو شاکر دیصانی نے مجھ سے کہا۔ میرا ایک سوال ہے میں چاہتا ہوں اپنے صاحب (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے میرے لیے اجازت لو۔ کیونکہ میں نے یہ سوال بہت سے عالموں سے کیا مگر کسی نے پورا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا، کیا تم وہ مسئلہ مجھے سنا سکتے ہو؟ شاید میرے پاس کوئی اس کا جواب ہو جسے تم پسند کر لو۔

کہنے لگا میں تو پسند کرتا ہوں کہ ابو عبداللہ ہی سے اس کو پوچھوں......

Presented by Ziaraat.Com

تب میں نے اس کے حاضر ہونے کی حضرت سے اجازت لی۔ جب حضور میں حاضر ہوا تو کہا، کیا آپ مجھے سوال کی اجازت دیتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا، جو تمہارے جی میں آئے پوچھو!

اس نے کہا، اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ کا کوئی بنانے والا ہے (کیوں کر معلوم ہوا کہ آپ کو کسی خدا نے بنایا ہے۔)

آپؑ نے فرمایا: میں نے جو اپنے تئیں دیکھا تو دو باتوں سے خالی پایا۔ یہ کہ میں نے ہی اپنے تئیں بنایا ہے (اور اگر میں نے خود اپنے تئیں بنایا ہے) تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی، یا، تو میں نے اپنے تئیں اس وقت بنایا ہوگا، جبکہ میں خود موجود رہا ہوں گا، یا، اس وقت بنایا ہوگا جب کہ میں معدوم رہا ہوں گا۔

پس اگر میں نے اس وقت اپنے نفس کو (اپنے تئیں) بنایا جبکہ میں موجود تھا۔ (تو موجود کو بنانا کیسا۔ اپنے موجود ہونے کے سبب اپنے تئیں بنانے سے میں مستغنی ہوا۔ (کیونکہ بنی ہوئی چیز کو بنانا اس کے کوئی معنی نہیں، بلکہ اس کا تحصیل حاصل نام ہے اور وہ محال ہے) اور اگر میں نے اپنے تئیں اس وقت بنایا جب میں معدوم تھا۔ تو تم جانتے ہی ہو کہ جو چیز خود معدوم ہو وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتی۔

لہٰذا تیسری بات ثابت ہوگئی، یعنی یہ کہ میرا کوئی اور بنانے والا (پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی تمام جہان کا پالنے والا ہے۔)

''یہ سن کر ابو شاکر اُٹھ گیا، اور کچھ جواب نہ دیا۔'' (یہ سوال و جواب اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔)

وجود پروردگار عالم پر جو دلیل حضرت نے ارشاد فرمائی ہے یہ دلیل لمبی ہے اور نہایت مستحکم دلیل ہے۔ کیونکہ ہر چیز جو دنیا میں موجود ہے اس کا بنا ہونا اور مرکب ہونا بدیہی

Presented by Ziaraat.Com

امر ہے جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جب ہر چیز مرکب ہے، تو آخر کوئی ترکیب دینے والا بھی ہوگا جس نے اسے مرکب کیا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا، تو اس شے نے اپنے تئیں آپ مرکب و موجود کیا ہے، یا، کسی دوسرے نے اس کو ترکیب دیا ہے۔ اگر اس نے اپنے تئیں آپ ترکیب دی ہے۔ تو دو حال سے خالی نہیں، یا، اپنے تئیں ترکیب دیتے وقت آپ موجود تھی، یا معدوم تھی۔ اگر موجود تھی، تو ترکیب ہی کیا دیا، کیونکہ جو چیز خود موجود ہے اس کو ترکیب دینا کیا معنی۔ کیا تحصیل حاصل ہو سکتی ہے؟ اور اگر بحالت عدم اپنے تئیں ترکیب دی ہے تو یہ محال ہے۔ اس لیے کہ جو چیز معدوم ہوتی ہے وہ کسی شے میں اپنا اثر نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اثر کرنا موجود ہونے کی فرع ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر مرکب کو کسی اور نے ترکیب دیا ہے، اور وہی خدائے تعالیٰ ہے۔

لہٰذا وجود، پروردگار کا ثابت ہوگیا۔ (و هو المدعیٰ)

وجودِ صانع کی دلیل

۳۔ نہج البلاغہ ...... جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ وجودِ صانع کی کیا دلیل ہے؟

آپؑ نے فرمایا......

البعرة تدل على البعير والروثة تدل على الحمير و اثار القدم تدل على المسير فهيكل علوى بهٰذا اللطافة و مركز سفلىٰ بهٰذا الكثافة كيف لا يدلان على اللطيف الخبير.

''مینگنی تو بتاتی ہے کہ ادھر سے اونٹ گیا ہے۔ لید بتاتی ہے کہ ادھر سے

Presented by Ziaraat.Com

گدھا گیا ہے۔ پاؤں کے نشان بتاتے ہیں کہ ادھر سے کوئی آدمی چل
کر گیا ہے، تو کیا یہ جسم بزرگ علوی (آسمان) وجود اس لطافت کے اور
یہ مرکز سفلیٰ (زمین) باوجود اس کثافت (ثقل) کے (خدائے) لطیف
وخبیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتے۔''

(نیز) حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے اس کے وجود پر دلیل لائی جاتی ہے اور عقلوں کے ذریعے سے اس کی معرفت کا اعتقاد کیا جاتا ہے اور فکر وغور سے اس کی حجت ثابت کی جاتی ہے۔ وہ دلالتوں سے پہچانا گیا ہے اور بینات کے ذریعے سے مشہور ہے۔

۴۔ نہج البلاغہ ..... جناب امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ وجودِ خدا کی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا تین چیزیں۔ حالات کا تغیر، اعضاء کا ضعف، ہمت اور ارادے کا ٹوٹنا (یعنی تغیر حالات دلالت کرتے ہیں کہ متغیرات حادث ہیں اور ہر حادث چیز کا پیدا کرنے والا کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے۔ دوسرے، اعضاء کا ضعف کہ یہ بھی دلیل حدوث ہے۔ تیسرے، ارادے کا ٹوٹنا، جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہم سے بھی بڑا کوئی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے جو ہمارے پختہ ارادوں کو توڑ دیتا ہے۔ ورنہ کیسے کیسے مضبوط ارادے ہم کرتے ہیں پھر اگر کوئی ان کا توڑنے والا نہیں تو کیوں وہ ارادے پورے نہیں ہوتے)؟

☾

۵۔ توحید شیخ الصدوق۔ امالی۔ جناب امام رضا علیہ السلام کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کی یابن رسول اللہؐ۔ عالم کے حدوث پر کیا دلیل ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ''تم پہلے موجود نہ تھے پھر موجود ہوئے۔'' اور تم خود جانتے ہو کہ آپ اپنے تئیں تم نے نہیں بنایا اور نہ تم کو کسی ایسے نے بنایا ہے جو تمہارے ہی مانند ہو۔ (لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی اور بزرگ وجلیل نے جو ہماری تمہاری مشابہت سے بالاتر ہے اس نے تم کو اور اشیاء عالم کو پیدا کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ کیونکہ سب ہی تو عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ پھر کون ہے جو انہیں وجود میں لایا وہی تو پروردگار عالم ہے۔)

۶۔ یـــــد۔ ن۔ محمد بن عبداللہ خراسانی، خادم امام رضا علیہ السلام کہتا ہے کہ ایک زندیق (دہریہ) جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آیا جبکہ آپ کے پاس بہت سے آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا (اے شخص) جو کچھ تم لوگ کہتے ہو اگر وہی ٹھیک ہوا۔ (یعنی عالم کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے) تو کیا ہم دونوں (میں اور تم) برابر ہی نہ رہیں گے؟ اور جو نماز، روزے، زکوٰۃ اور اقرار توحید ہم کرتے ہیں ان سے ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ (زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ نماز، روزے ایک فعل عبث ہوں گے، مگر چونکہ کوئی پرستش کرنے والا نہ ہوگا ہمیں کچھ ان کی بھی پروا نہ ہوگی کہ کیا عبث کیا اور کیا فائدہ) لہٰذا ہم اور تم اس صورت میں دونوں برابر ہی رہیں گے۔

یہ سن کر وہ زندیق چپ ہو رہا۔

پھر آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ہوا جو ہم لوگ کہتے ہیں۔ (یعنی اگر خدائے تعالیٰ موجود ہے جیسا کہ لوگوں کا قول ہے اور ہم اس کے وجود و توحید کا اقرار کرتے ہیں) اور وہی ٹھیک بھی ہے جو ہم کہتے ہیں (تو بتاؤ) کہ کیا تم تباہ نہ ہو جاؤ گے اور ہم نہ بچ جائیں گے۔ (کیونکہ تم نے تو اس کے وجود کو مانا ہی نہ تھا، اس لیے نہ اس کا اقرار کیا، نہ اس کی عبادت کی، اور اب معلوم ہوا کہ وہ موجود ہے تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔ اب رہے ہم، سو ہم نے تو اس کی عبادت بھی کی تھی، اس کی توحید و قدرت کے مقر بھی تھے، ہمارے ساتھ تو ضرور نیک برتاؤ کرے گا، لہٰذا تم تباہ ہو جاؤ گے اور ہم نجات پا جائیں گے۔)

کہنے لگا،...... خدا آپ پر رحم کرے (خدا آپ کا بھلا کرے)

Presented by Ziaraat.Com

اب مجھے یہ بتایئے کہ آخر وہ کیوں کر ہے، اور کہاں ہے؟ (یعنی اگر خدائے تعالیٰ موجود ہے تو کس طرح کا ہے اور کس جگہ ہے)۔

آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے۔ ارے جو تو نے خیال کیا ہے وہ غلط ہے۔ اسی نے تو جگہ اور مکان بنائے ہیں۔ وہ تو اس وقت بھی تھا جب کہ کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ اسی نے تو کیفیتوں کو پیدا کیا ہے، وہ تو اس وقت بھی موجود تھا جب کہ کوئی کیفیت موجود نہ تھی۔ (پھر اس میں کیفیت کیوں کر ہوگی اور اس کی کوئی جگہ کہاں ہوگی) وہ کسی کیفیت یا کسی مکان کے ذریعے سے نہیں پہچانا جاتا، اور نہ کسی حاسے سے، اور نہ اس کا قیاس کسی چیز پر ہوسکتا ہے۔

اس نے کہا، ...... پھر تو وہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ جب کسی حاسے ہی سے محسوس نہیں ہوتا۔ (تو اس کا وجود ہی کب ہوسکتا ہے۔)

آپ (ابوالحسن علیہ السلام) نے فرمایا: ''افسوس! جب تمہارے حاسے اس کے ادراک سے عاجز ہوئے تو تم اس کی خدائی ہی کا انکار کرنے لگے، اور ہمارے حاسے جو اس کے ادراک سے عاجز ہوئے تو ہمیں اور یقین اس کا ہوا کہ وہی ہمارا رب ہے اور وہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام چیزوں کے برخلاف ہے۔''

اس شخص نے کہا، ...... اچھا، تو مجھے بتایئے کہ کب تھا (یعنی کب سے موجود ہے)۔

آپ نے فرمایا: تم مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ کب نہ تھا؟ تو میں تمہیں بتا دوں کہ وہ کب سے ہے۔

اس شخص نے کہا، ......تو اس پر دلیل کیا ہے (کہ وہ ہمیشہ سے ہے)۔

آپ نے فرمایا، ...... جب میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو ایسا پایا کہ مجھ کو اس میں کچھ کمی زیادتی، طول وعرض میں ممکن نظر نہ آئی، اور نہ اس میں سے تکالیف کو دور کرسکتا ہوں، اور نہ (بطور خود) کوئی فائدہ مند چیز اس تک لا سکتا ہوں۔ اس سے میں نے جانا کہ اس عمارت

Presented by Ziaraat.Com

(جسم) کا کوئی معمار ہے۔ تو اس کا اقرار کر لیا (اور اسے مان لیا۔)

علاوہ اس کے جو اسی کی قدرت سے گردش فلکی، اور پیدائش ابر، ہواؤں کا چلنا، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی حرکت وغیرہ وغیرہ آیات عجیبہ متقنہ دیکھتا ہوں تو ان سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مقدر اور پیدا کرنے والا ہے۔

اس شخص نے کہا،...... تو پھر چھپا ہوا کیوں بیٹھا ہے؟

آپ نے فرمایا،...... مخلوقات پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ (یعنی آدمی جو اس کو نہیں دیکھ سکتے تو صرف اس وجہ سے کہ ان کے دل کی آنکھیں گناہوں کی وجہ سے اندھی ہو گئی ہیں ورنہ جو لوگ صاحبان ایمان وتقویٰ ہیں ان کی دلی آنکھیں جلوۂ نورِ الٰہی کو ہر وقت مشاہدہ کرتی رہتی ہیں) رہا وہ خود، تو اس پر کوئی چیز بھی رات اور دن کی گھڑیوں میں پوشیدہ نہیں۔

اس نے کہا،...... تو اس کو آنکھیں کیوں نہیں دیکھ سکتیں؟

آپ نے فرمایا،...... وہ اس سے بالاتر بھی ہے کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ سکے یا کوئی خیال اس کو محیط ہو سکے، یا کوئی عقل اس کو سمجھ سکے۔

اس نے کہا،...... اچھا تو آپ اس کی تعریف (اس کے اجزائے اصلیہ) مجھ سے بیان کیجئے۔

آپ نے فرمایا،......اس کی کوئی حد نہیں (حد سے مراد یہاں حدِ منطقی ہے جس کو اہل منطق جنس وفصل سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لیے ایک جنس قریب ہوتی ہے اور ایک فصل قریب اور وہی اس کے اجزائے اصلیہ ہوتے ہیں انہیں سے مرکب شدہ چیز کا نام حد ہے اور جس کی یہ ہے اس کو محدود اور نوع حقیقی کہتے ہیں۔)

اس نے کہا،...... یہ کیوں؟

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے فرمایا،......اس لیے کہ ہر محدود کی ایک انتہا ہوتی ہے اور جب وہ محل تحدید ہوا تو اس میں احتمالِ زیادتی ہوگا اور جب احتمالِ زیادتی ہوا تو احتمالِ کمی بھی ہوگا۔ (حالانکہ اس کی ذات میں کمی اور زیادتی کا احتمالِ زیادتی ہوا تو احتمالِ کمی بھی ہوگا۔ (حالانکہ اس کی ذات میں کمی اور زیادتی کا احتمال ناممکن وغلط ہے)۔ لہٰذا نہ وہ محدود ہے۔ نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے نہ اس کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں (یعنی نہ اس میں اجزاء ہیں جن کو الگ الگ کر کے سمجھا جاوے) اور نہ وہ وہم وخیال میں آتا ہے۔

اس نے کہا،......تو آپ لوگ جو اس کو لطیف وسمیع وبصیر وعلیم وحکیم کہتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں۔ کیا بغیر کان کے بھی کوئی سمیع ہوسکتا ہے۔ بے آنکھ کے بھی کوئی بصیر ہوسکتا ہے۔ بغیر ہاتھوں سے کام لیے بھی کوئی لطیف ہوسکتا ہے۔ بغیر صناعی کے بھی کوئی حکیم ہوسکتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا،......ہم انسانوں میں جس کو لطیف کہا جاتا ہے وہ کاریگری کے مطابق ہوتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جو کوئی لطیف چیز بناتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں۔ ما الطف فلاناً، "فلاں شخص نے کیا اچھی کاریگری کی"۔ پھر (جب آدمیوں کو ان کی صناعی کی وجہ سے لطیف کہتے ہیں تو) خالق جلیل کو کیوں نہ لطیف کہیں۔ اس لیے کہ اس نے تو نہایت ہی جلیل ولطیف خلقت پیدا کی ہے۔ حیوانات کے اندر ان کی روحوں کو ترکیب دیا، اور ہر قسم کے جاندار الگ الگ باہم صورتوں میں فرق رکھنے والے پیدا کیے کہ ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوتا تو ہر ایک ہی کی ترکیب صورت میں خالق لطیف وخبیر نے باریکی صرف کی ہے (اس وجہ سے اس کو لطیف کہتے ہیں مگر اس نے ہاتھوں سے نہیں بنایا ہے بلکہ محض اپنے حکم سے پیدا کیا ہے۔)

پھر ہم نے درختوں اور اس کے پاکیزہ خوردنی اور ناخوردنی پھلوں کو دیکھا تو اس

Presented by Ziaraat.Com

وقت ہم نے کہا کہ ہمارا خالق لطیف ہے مگر نہ اس معنی سے لطیف ہے جو مخلوقات کو ان کی صنعت میں باریکی کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے، اور ہم نے کہا کہ وہ سمیع ہے کیونکہ اس پر کوئی سی آواز اپنی مخلوقات کی عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کی پوشیدہ نہیں ہے خواہ چیونٹی ہو، یا اس سے کوئی چیز بڑی ہو۔ خشکی میں ہو یا دریا میں اور نہ اس پر زبانیں (اور لغات) مشتبہ ہوتی ہیں۔ اس وقت ہم نے کہا کہ سمیع (سننے والا) ہے مگر کان کے ذریعے سے نہیں۔ اور نیز ہم نے کہا کہ وہ بصیر ہے مگر آنکھ سے نہیں دیکھتا۔ (کیونکہ اس کے آنکھ نہیں ہے) پر اس وجہ سے بصیر ہے کہ سیاہ چیونٹی کے نشان کو بھی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر دیکھ لیتا ہے، اور تاریک شب میں چیونٹی کی چال کو معلوم کر لیتا ہے۔ وہ اس کے منافع اور مضار کو بھی جانتا ہے۔ اس کے اثر جفتی اور اس کے بچے اور نسل کو بھی جانتا ہے۔ اس وقت ہم نے اس کو کہا کہ وہ بصیر ہے۔ مگر نہ اس طرح جیسے اس کی مخلوقات کسی چیز کو دیکھتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ وہ شخص (زندیق) وہاں سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ مسلمان ہو گیا۔

☪

۷۔ جناب امام حسن عسکری بن علی بن محمد علیہم السلام سے مروی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں آپ نے فرمایا:

الله الذی یتاله الیه عند الهوائج والشدائد

"اللہ وہ ہے جس کی طرف شدتوں اور حاجتوں کے وقت ہر مخلوق احتیاج لے جاتی ہے۔"

جب کہ سب کی طرف سے سوائے اس کے قطع امید ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ سب سے اسباب قطع ہو جاتے ہیں۔ تم جو بسم اللہ کہتے ہو تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں مدد مانگتا ہوں اپنے تمام کاموں میں اس معبود "اللہ" سے جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں،

Presented by Ziaraat.Com

وہی فریادیوں کا فریادرس ہے، اور وہی جواب دینے والا ہے۔ جب بھی اسے پکارا جائے۔

یہی وہ مطلب ہے جسے جناب صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا تھا جبکہ اس نے عرض کی تھی "یابن رسول اللہ! مجھے خدا کو بتایئے کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ مجھ سے اکثر لوگ بحث کرتے ہیں اور مجھے پریشان کر رکھا ہے۔"

آپؑ نے فرمایا، اے بندۂ خدا کبھی تم کشتی میں بھی سوار ہوئے ہو؟

اس نے عرض کی، ہاں سوار ہوا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: "تو کسی ایسی جگہ پر وہ کشتی ٹوٹی بھی ہے جہاں نہ کوئی کشتی تھی جو تمہیں بچا سکتی، اور نہ پیراک تھے جو تمہاری فریادرسی کرتے۔"

اس نے کہا، ...... ہاں ایسا ہوا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: "اس وقت تمہارا دل کسی طرف لگا ہوا تھا، (کیا تمہارے دل میں آیا تھا) کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اس ورطۂ ہلاکت سے تمہیں بچا سکے؟"

اس نے عرض کی، ...... ہاں!

آپ نے فرمایا، تو وہی اللہ ہے جو بچانے پر قادر ہے جبکہ کوئی بچانے والا نہ ہو، اور فریادرسی پر قدرت رکھتا ہے جبکہ کوئی فریادرس نہ ہو۔

میدانِ جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کا درسِ توحید

۸۔ یــد۔ لی۔ مقدام بن شریح بن ہانی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، کہ بروز جنگ جمل ایک اعرابی جناب امیرالمومنینؑ کے سامنے آیا اور عرض کی، یا امیرالمومنین علیہ السلام! کیا آپ فرماتے ہیں کہ اللہ واحد ہے؟

راوی کہتا ہے کہ یہ دیکھ کر لوگوں نے اس پر حملہ کیا، اور کہا، اے اعرابی! کیا تو دیکھتا

Presented by Ziaraat.Com

نہیں کہ امیر المومنینؑ اس وقت کس پریشانی وتردد سے دوچار ہیں۔

اس وقت آپؑ نے خود ارشاد فرمایا:

''اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ اعرابی جو کچھ ہم سے چاہتا ہے (یعنی توحید کا دریافت کرنا) وہی تو ہم اس قوم (مخالف) سے چاہتے ہیں۔ (یعنی اسی توحید کے قائم کرنے کو تو ہم ان سے چاہتے ہیں۔)

پھر آپؑ نے فرمایا: اے اعرابی! اللہ کو جو واحد کہتے ہیں اس کے چار معنی ہو سکتے ہیں۔ دو ان میں سے تو خدائے تعالیٰ کی جناب میں صحیح نہیں ہیں اور دو وجوہات اس کے لیے ثابت ہیں۔ وہ دو وجوہات جو جائز نہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اللہ واحد ہے اور اس سے وہ واحد عددی مراد لے (یعنی دس بیس، یا دو چار خداؤں میں کا ایک خدا) پس اس معنی سے اس کو واحد کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ جس کا ثانی ہی نہ ہو وہ باب اعداد میں کیوں کر آ سکتا ہے۔ دیکھو کہ جن لوگوں نے خدا کو تین میں کا ایک (تیسرا کہا) (عیسائیوں نے) کہا وہ کافر ہو گئے۔

دوسرے کسی کا یہ کہنا کہ وہ آدمیوں میں کا ایک ہے جس سے وہ کسی جنس کی نوع مراد لے (یعنی یہ سمجھے کہ خدا بھی کوئی نوع ہے۔ جیسے انسان نوع ہے اور اس کے تحت میں کئی خدا ہیں۔ جن میں کا ایک یہ خدا بھی ہے۔ (پس یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں تشبیہ پائی جاتی ہے اور پروردگار عالم تشبیہ ومشابہت سے بالاتر ہے۔)

''لیکن وہ دو باتیں جو خدا میں ثابت ہیں ان میں پہلی کسی کا یہ کہنا کہ وہ واحد ہے یعنی اس کا کوئی شبیہ ونظیر نہیں ہے۔ بیشک ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے۔ یعنی اس معنی سے واحد ہے کہ اس جیسا دوسرا نہیں۔ دوسرے کسی کا یہ کہنا کہ وہ خدائے عزوجل احدی المعنی میں ہے جس سے اس کی یہ مراد ہو کہ اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ نہ ظاہر وجود میں، نہ عقل میں نہ وہم

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔ ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے (یعنی اس معنی سے ضرور واحد ہے کہ اس میں اجزاء نہیں پائے جاتے جنہیں عقل یا وہم یا آلات خارجیہ الگ الگ کر کے سمجھ سکیں۔ جیسے اور مرکبات کی حالت ہے۔ پس ان دو معنوں سے خدائے تعالیٰ کو واحد کہنا صحیح ہے۔)

موحدوں کو کیا ثواب ملے گا؟

۹۔ ید۔ لی۔ ن۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم اس کی جس نے مجھ کو سچا بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، کہ وہ کسی موحد کو دوزخ میں نہ جلائے گا۔ بیشک اہل توحید شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کہ جب قیامت کا دن ہوگا، اور پروردگار عالم کچھ لوگوں کو جن کے اعمال دنیا میں بُرے تھے جہنم میں لے جانے کا حکم دے گا۔ تو وہ عرض کریں گے۔ "اے ہمارے پروردگار تو کس طرح ہمیں دوزخ میں بھیجتا ہے، حالانکہ ہم دار دنیا میں تیری توحید کے قائل تھے اور کس طرح آگ میں ہماری زبانوں کو جلاتا ہے حالانکہ ان زبانوں نے تیری توحید بیان کی تھی، اور کس طرح تو ہمارے دلوں کو جلاتا ہے، حالانکہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور کیوں کر تو ہمارے چہروں کو جلاتا ہے حالانکہ یہی چہرے تیرے سامنے خاک پر گرتے تھے اور خاک آلودہ ہوتے تھے (یعنی سجدے کیے تھے) کس طرح تو ہمارے ہاتھوں کو جلاتا ہے حالانکہ ہم نے انہیں دعاؤں میں تیرے سامنے اٹھایا تھا۔"

- اس وقت اللہ جل جلالہٗ فرمائے گا۔
- "اے میرے بندو! دنیا میں تمہارے اعمال بُرے تھے لہٰذا تمہیں اس کے بدلے میں جہنم میں بھیجا جاتا ہے۔"
- وہ عرض کریں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

- ''خدایا! تیری معافی اور بخشش بڑی ہے یا ہمارے گناہ؟
- فرمائے گا، بلکہ میری رحمت بڑی ہے۔
- تو وہ عرض کریں گے۔
- (خدایا) ہمارا اقرار کرنا تیری وحدانیت کا بڑا ہے یا ہمارے گناہ۔ تو وہ فرمائے گا، بلکہ تمہارا اقرار کرنا میری وحدانیت کا۔

تب وہ عرض کریں گے۔ ''اے ہمارے پالنے والے! تیری لیے بس یہی زیبا ہے کہ تو ہمیں معاف فرمادے اور ہم پر رحم فرما، کیونکہ تیری رحمت ہر شے کو محیط ہے۔''

اس وقت پروردگار عالم فرمائے گا۔

''اے میرے فرشتو! قسم ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی، میری مخلوقات میں جو سب سے زیادہ میرے محبوب ہیں وہی لوگ ہیں جو میری توحید کا اقرار کرتے تھے، اور میرے سوا کسی کو سچا معبود نہیں جانتے تھے۔ مجھ پر لازم ہے کہ اہل توحید کو دوزخ میں نہ جلاؤں۔ (اب) تم میرے (ان موحد) بندوں کو جنت میں داخل کرو۔''

معرفتِ توحید کا انعام

۱۰۔ ید۔ لی۔ موسیٰ بن اسماعیل بن موسیٰ بن جعفر نے اپنے پدر بزرگوار سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار جعفر بن محمد (جناب صادق علیہ السلام) سے، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے، انہوں نے علی علیہ السلام سے آیۂ ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' (سورۂ رحمٰن ۵۵ آیت ۶۰) کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''پروردگار عالم فرماتا ہے کہ توحید کے عوض میں جو نعمت میں نے قرار دی ہے وہ جنت ہی ہے۔ (یعنی جو لوگ اقرار توحید

Presented by Ziaraat.Com

کرتے ہیں وہ جنتی ہیں۔)

۱۱۔ ثو۔ ید۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''ما من شيء اعظم ثوابا من شهادة ان لا اله الا الله لا اله الا الله کی گواہی سے بڑھ کر کسی چیز کا ثواب نہیں ہے۔''

لان الله عزوجل لا يعدله شي ولا يشركه في الامور احد ''کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی اس کے کام میں اس کا شریک ہے۔ (بس وہی ایک ہے جو خالق تمام جہان کا ہے، اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس کی توحید کی گواہی دیں گے اور اسے یکتا سمجھیں گے ان کے ثواب کے برابر بھی کسی کو ثواب نہ ملے گا کیونکہ جب وہ بے مثل ہے تو اس کی توحید کا ثواب بھی بے مثل ہی ہونا چاہیے۔[1]

مومن کے لیے جنت کی ضمانت

۱۲۔ ید۔ جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ''بے شک خدائے تعالیٰ نے مومن کے لیے ایک بڑی ضمانت کی ہے۔''

''مفضل راوی کہتے ہیں'' میں نے عرض کی وہ ضمانت کیا ہے؟

۱۔ ان حدیثوں کا دراصل مطلب یہ ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو واحد و یکتا جانے گا تو ضرور ہے کہ اس کی عبادت بھی کرے گا اس کے احکام کو تسلیم کرے گا جن لوگوں نے اس تک خدا کے احکام پہنچائے ہیں مثلاً رسولؐ یا ائمہ ان کو بھی مانے گا ان کی تعظیم کرے گا لہٰذا ضروری ہے کہ جنت میں جائے گا کیونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتا، ان پر عمل نہیں کرتا ان احکام کے پہنچانے والے رسولؐ و امام کی وقعت نہیں کرتا وہ دراصل موحد نہیں اس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کی کچھ عزت نہیں، اگر عزت ہوتی تو ضرور ان تمام باتوں کو بھی تسلیم کرتا۔ دیکھو یہ مطلب آئندہ ثبوت سے معلوم ہو جائے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور محمدؐ کی نبوت اور علیؑ کی امامت کا اقرار کرے، اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اس پر فرض کی ہے۔ (عبادت و اخلاق وغیرہ) اسے ادا کرے تو خدا نے ایسے شخص کے لیے ضمانت کی ہے کہ اسے اپنے جوار (جنت) میں ساکن کرے گا۔"

راوی کہتا ہے میں نے عرض کی، یہ تو خدا کی قسم بڑی کرامت ہے جس کے مانند آدمیوں کی کرامت (مہربانی) کبھی ہو نہیں سکتی۔

آپ نے فرمایا: اعملوا قلیلا تنعموا کثیرا" (ہاں یہی تو ہے کہ) کام کرو تھوڑا اور نعمت پاؤ بہت سی (یہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کون کر سکتا ہے کہ ایک ذرا نماز، روزے اور اقرار توحید پر اتنا بڑا باغ جنت اور ابدی نعمت دے دی۔"

معرفتِ امام زمانہؑ

۱۳۔ یـــد۔ ابن متوکل نے اسدی سے، اس نے محمد بن حسین صوفی سے، اس نے یوسف بن عقیل سے، اس نے اسحاق بن راہویہ سے روایت کی ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام نیشاپور میں پہنچے (جو ملک ایران کا ایک مشہور شہر ہے) اور چاہتے تھے کہ اسی راہ سے مامون عباسی کے پاس تشریف لے جائیں۔ تو اصحاب حدیث حضرت کے قریب آ کر جمع ہو گئے اور عرض کی۔ یابن رسول اللہ! آپ چلے جاتے ہیں، اور ہم سے کوئی ایسی حدیث نہیں بیان فرماتے، کہ آپ سے ہم لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ اس وقت آپ عماری میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں کا یہ کلام سن کر آپ نے عماری سے سر نکالا، اور فرمایا: "میں نے سنا ہے اپنے پدر بزرگوار موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے، فرماتے تھے کہ میں نے سنا اپنے پدر بزرگوار جعفر بن محمد علیہ السلام سے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا اپنے پدر بزرگوار محمد بن علی علیہ السلام سے وہ فرماتے تھے کہ میں

Presented by Ziaraat.Com

نے سنا اپنے پدر بزرگوار علی علیہ السلام بن الحسین علیہ السلام سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا اپنے پدر بزرگوار حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام سے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا جبرئیل علیہ السلام سے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا اللہ جل جلالہٗ سے، وہ فرماتا تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حصنی فمن دخل حصنی امن عذابی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی اقرار وحدانیت خدا) میرا قلعہ ہے پس جو کوئی میرے قلعے میں داخل ہوا، میرے عذاب سے محفوظ رہا۔"

راوی کہتا ہے کہ جب سواری آپ کی وہاں سے روانہ ہوئی، تو آپ نے پکار کر فرمایا: بشرطها و شروطها و انا من شروطها (یعنی اقرار وحدانیت خدا کا قلعہ ہے خدا تو ضرور ہے جو عذاب سے بچانے والا ہے مگر اس کی کچھ شرطیں بھی ہیں۔ اور میں اس کی شرطوں میں سے ہوں۔)

مطلب حضرت کا یہ ہے کہ جب تک امام زمانہ علیہ السلام کی امامت کا بھی اقرار نہ کیا جائے تب تک ایمان کامل نہیں ہوتا بلکہ جس نے معرفت امام نہ حاصل کی وہ گویا کافر ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث متفق علیہ فریقین سے ثابت ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاهلیۃ

اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے

۱۴۔ ن۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر علیہم السلام نے اپنے پدر بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے، انہوں نے جناب امیر المومنین صلوات اللہ علیہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے،

Presented by Ziaraat.Com

انہوں نے جبرئیل سید الملائکہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل وعز نے فرمایا ''انی انا الله لا الـــه الا انا '' بیشک میں ہی وہ معبود برحق ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں،'' من اقرلی بالتوحید دخل حصنی و من دخل حصنی امن عذابی '' جو میری توحید کا اقرار کرے گا گویا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے (یعنی حمایت خدائی) میں آ گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔''

خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا کیوں واجب ہے؟

۱۵۔ ن۔ ع۔ کتاب علل الشرائع میں امام رضا علیہ السلام سے، ان علل میں جو آپ نے فضل سے بیان کیے ہیں، مروی ہے۔ ''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو یہ حکم کیوں دیا ہے کہ اس کے وجود کا اقرار کرے، اس کے رسولوں اس کے قائم کردہ اماموں کو کیوں مانے۔ جو احکام خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں ان کو کیوں تسلیم کرے؟

''اس کے جواب میں'' کہا جائے گا کہ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ منجملہ ان کے (ایک فلسفیانہ اور حکیمانہ) یہ سبب بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتا (جیسے دہریے وغیرہ) وہ معصیتوں اور بڑے بڑے گناہوں سے ہرگز اجتناب نہ کرے گا، اور نہ اپنی خواہشوں اور لذتوں کے حاصل کرنے میں کسی شخص کی پروا کرے گا، خواہ فساد ہو یا ظلم ہو (کیونکہ جسے خدائے تعالیٰ کے وجود کا یقین ہی نہیں ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ بُرے کاموں کی وجہ سے کوئی شخص مجھے سزا دینے والا بھی ہے، تو اسے کیا پروا ہو گی کہ کسی کا مال لوٹ کھائے، کسی کو خواہ مخواہ قتل کر دے۔ دوسروں کی بیویوں سے زنا کرے، جھوٹ بولے، جہان میں فساد پھیلائے، ہرگز اس کو ان کاموں کے کرنے میں مضائقہ نہ ہو گا۔ اس لیے کہ اس کو آخرت کے عذاب کا کچھ خوف ہی نہیں ہے) اور جب لوگ یہ باتیں کرنے لگیں گے، ہر ایک شخص اپنی

Presented by Ziaraat.Com

خواہش نفس کو بلا لحاظ کسی کے پورا کرنے لگے گا تو اس سے تمام جہان میں فساد پھیل جائے گا (اور نظام عالم ابتر ہو جائے گا۔ ہر ایک شخص دوسرے پر ظلم کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے گا، تو لوگ ایک دوسرے کی بیویاں، ایک دوسرے کا مال وغیرہ چھین لیا کریں گے۔ خونریزی جائز سمجھ لیں گے، عورتوں کو (عام طور پر) حلال جاننے لگیں گے، ناحق بے گناہ ایک دوسرے کا حق غصب کر لیں گے، تو اس سے تمام دنیا میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ تمام مخلوق تباہ ہو جائے گی۔ زراعت ونسل برباد ہو جائے گی (اور اگر لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کی طاقتوں کا خیال ہوگا تو ضرور انہیں یہ ڈر لگا رہے گا کہ اگر ہم کوئی برا کام کریں گے تو ہمارا معبود ہم سے ناراض ہوگا، اگر ہم کسی کو ناحق مار ڈالیں گے تو وہ ہم کو سزا دے گا کیونکہ وہ توانا و قادر ہے۔ اس سبب سے خواہ مخواہ برائیوں سے بچیں گے نیکی کی طرف مائل ہوں گے جس سے نظام عالم قائم رہے گا۔ (چنانچہ اس زمانے میں بھی ہم دیکھتے ہیں، کہ علاوہ قانون سلطنت کے دباؤ کے لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی وہ ہیں جو صرف اس وجہ سے ظلم، فسق، فجور، جھوٹ، چغلی، زنا، شراب خوری وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں کہ انہیں ہر وقت آخرت کی باز پرس کا خوف لگا رہتا ہے، کہ کہیں ایسا نہ ہو ہم بے ایمانی کریں، کسی کا مال چھین لیں تو ہمارا پروردگار ہمیں سزا دے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک نظامِ عالم میں عام طور پر ابتری نہیں ہے۔

آج اگر یہ خیال دلوں سے اُٹھ جائے تو عام طور پر لوگ بدکاریاں اور بدمعاشیاں کرنے لگیں اور چند ہی روز میں دنیا درہم و برہم ہو جائے۔

لہٰذا لازم ہوا کہ تمدن کے قائم رکھنے اور نظامِ عالم کو برہم نہ ہونے دینے کے خیال سے بھی بلحاظ فلسفۂ عقل ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ وجودِ خدائے تعالیٰ کا اقرار کرے اور تسلیم کرے کہ وہ ہمیں سزا و جزا دینے پر اچھی طرح قادر ہے اور منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ۔

خدائے تعالیٰ حکیم ہے اور کبھی کوئی شخص حکیم نہیں ہو سکتا، جب تک فساد سے منع نہ

Presented by Ziaraat.Com

کرے، اور نیک کاموں کا حکم نہ دے، ظلم سے نہ روکے، فواحش سے نہ ٹوکے اور (ظاہر ہے) کہ فساد کا ممنوع ہونا نیک کاموں کا حکم دیا جانا، فواحش سے روکنا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار نہ کیا جائے اور اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے۔

پس اگر تمام لوگ اسی طرح چھوڑ دیے جائیں اور ان سے اقرار توحید نہ لیا جائے تو نہ کسی نیک کام کا حکم ہی ثابت ہو سکے گا اور نہ فساد سے نہی ثابت ہوگی کیونکہ اس خیال کے بموجب نہ کوئی حکم دینے والا ہوگا اور نہ کوئی نہی کرنے والا۔ (لہٰذا نیک کام نیک نہ سمجھا جائے گا اور نہ بُرا کام بُرا سمجھا جائے گا۔ اور جب اس طرح اباحتِ عامہ ہو جائے گی تو وہی پہلی خرابیاں لازم ہو آئیں گی جو مذکور ہو چکیں۔)

اور منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ چھپ چھپ کر بُرے کام کرتے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کو نہ تسلیم کیا جائے اور اس بات سے خوف نہ کیا جائے کہ وہ پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے تو عام طور پر کوئی شخص بھی اپنی خواہش نفس اور ارادے کے پورا کرنے میں کسی کی پروا نہ کرے گا، نہ معصیت کو ترک کرے گا اور نہ کسی کی ہتکِ حرمت سے باز آئے گا۔ نہ گناہ کبیرہ کرنے سے پرہیز کرے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں تو پوشیدہ طور پر یہ کام کرتا ہوں۔ کوئی دیکھ تو رہا ہی نہیں (پھر کسی کی معصیت کرنے سے مجھ کو کیا پروا ہے) تو اس صورت میں بھی تمام خلق کی تباہی و بربادی ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ انتظام خلق اور ان کی اصلاح بغیر ایک ایسے معبودِ برحق کے تسلیم کیے ہوئے، جو علم بھی رکھتا ہو، ہر بات سے باخبر بھی ہو، ہر پوشیدہ و خفی باتوں کو جاننے والا بھی ہو، نیک کام کا حکم دینے والا ہو، فساد سے روکنے والا ہو، ممکن ہی نہیں۔ (اور جب کہ لوگ ایک ایسے معبود کو مانتے ہوں گے) تو تنہائی اور تخلیہ میں قسم قسم کے فاسد امور کرنے سے باز رہیں گے (کیونکہ اس صورت میں ان کو یقین ہوگا کہ ہمارا معبود برحق ہماری پوشیدہ باتوں سے

Presented by Ziaraat.Com

بھی مطلع ہے اگر چہ ان باتوں کو انسانوں میں سے کوئی نہیں دیکھتا ہے لیکن وہ تو جانتا ہے، تو لامحالہ کسی نہ کسی روز سزا ضرور دے گا۔ لہٰذا ایسے امور سے بچنا چاہیے، اور یہی نظام دنیا کے قائم رہنے کی بڑی حکمت ہے۔)

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ کو ایک مان لینا کیوں واجب ہے اور اس بات کی معرفت کیوں لازم ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر یہ اقرار لازم نہ ہو تو لامحالہ ممکن ہوگا کہ لوگ دو یا دو سے زیادہ مدبر عالم کے مقر ہوں گے۔ پھر تو اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانتے ہی نہ ہوں گے کہ کون ہے۔ کیوں کہ کئی خداؤں کے ماننے کی صورت میں کوئی شخص بھی نہ سمجھ سکے گا کہ میں کس کی عبادت کرتا ہوں، اپنے خالق کی یا اس کے علاوہ دوسرے کی جو میرا خالق نہیں ہے اور آیا اس کی اطاعت کرتا ہوں جس نے مجھے حکم دیا ہے یا کسی اور کی۔ پس واقعی طور پر لوگ اپنے خالق و صانع کو پہچان نہ سکیں گے اور نہ ان کو حکم دینے والے کا حکم اور نہ منع کرنے والے کا منع کرنا معلوم ہوگا کیونکہ وہ نہ امر کو پہنچانتا ہے نہ نہی کو۔

منجملہ ان کے یہ بھی سبب ہے کہ اگر جائز ہو کہ دو خدا مانے جائیں تو یہی نہ معلوم ہو گا کہ ان دو میں سے کون زیادہ اس قابل ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے، اور اگر یہ جائز رکھا جائے کہ دوسرے کی عبادت کی جائے تو اس میں صاف یہ بھی جائز ہوگا کہ (واقعی اور اصلی) خدا کی عبادت نہ کی جائے اور جبکہ اس خدائے تعالیٰ کی عبادت نہ کی گئی جو واقعی مستحق عبادت ہے۔ پھر تو خدائے تعالیٰ کا بھی انکار ہو گیا، اس کی کتابوں کا بھی انکار ہو گیا۔ ہر امرِ باطل کا بھی اثبات ہو جائے گا، ہر امرِ حق بھی چھوٹ جائے گا تمام امورِ حرام حلال ہو جائیں گے، ہر اطاعت سے خروج لازم آئے گا، اور فساد کا مباح و جائز ہونا، اور ہر سچی باتوں کا ابطال ہونا۔

Presented by Ziaraat.Com

منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر ایک سے زیادہ خدا مانے جائیں (ایک تو واقعی پروردگارِ عالم اور دوسرا کوئی اور) تو ابلیس کو بھی ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرے اور کہے کہ وہ دوسرا خدا میں ہی ہوں۔ (جیسا کہ باوجود ایک ہی خدا مانے جانے کے بہت سے آدمیوں نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کر دیا، اور ہزاروں آدمی بے عقلی سے ان کے ہم زبان ہو گئے تو جب عقلاً (دو خداؤں کا ہونا ممکن سمجھا ئے تو اس وقت بہت سے لوگوں کو ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کا بھی دعویٰ کریں، پھر ممکن ہے کہ ابلیس ہی آدمی کی صورت بن کر کہنے لگے کہ وہ دوسرا خدا میں ہوں مجھے مانو۔ تو بڑی ابتری اور بیہودگی خلق میں پھیلے گی اور نظامِ عالم کی تباہی لازم آئے گی) یہاں تک کہ وہ تمام احکام میں خدائے تعالیٰ کی مخالفت کرنے لگے گا، اور اپنی طرف لوگوں کو مائل کرے گا۔ پھر اس میں تو بہت ہی بڑا کفر پھیلے گا اور سخت نفاق برپا ہو جائے گا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ اچھا اس امر کا اقرار کیوں واجب ہے کہ خدائے کے مثل کوئی نہیں۔

تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کے بھی کئی سبب ہیں۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ جب لوگ پروردگار عالم کو بے مثل و بے نظیر سمجھیں گے تو خاص طور پر اسی کی عبادت و اطاعت کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کسی اور کو اپنا معبود نہ سمجھیں گے۔ نیز ان پر یہ بات بھی مشتبہ نہ ہوگی کہ ان کا پالنے والا اور پیدا کرنے والا کون ہے۔ روزی دینے والا کون ہے۔ (اور اگر اس کے لیے مثل و مانند تجویز کر لیں گے تو پھر انہیں اس امر کی شناخت ناممکن ہو جائے گی کہ ہمارا خدا ان دونوں میں سے کون ہے جس کی عبادت ہمیں لازم ہے۔

اور منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر لوگ اپنے پروردگار کو بے مثل و نظیر نہ

Presented by Ziaraat.Com

سمجھیں گے تو ان کو شبہ ہو سکے گا کہ شاید ان کے معبود یہ بُت اور مورتیاں ہی تو نہیں ہیں جنھیں ان کے آباء واجداد نے قائم کیا تھا۔ یا آفتاب و ماہتاب، اور آگ ہی تو کہیں ان کے معبود و خالق نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا کو بے مثل نہ سمجھنے پر اشتباہ کا ہو جانا بہت سہل ہے۔ (بخلاف اس کے کہ جب خدائے تعالیٰ و تبارک کو بے نظیر و بے مثل سمجھیں گے تو دنیا میں جتنی چیزیں ایسی دکھائی دیں گی جن کے لیے مثال ونظیر موجود ہے ان کو وہ اپنا معبود نہ جانیں گے) (اور اگر لوگ انہیں آفتاب، ماہتاب، آگ اور بُت وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگے تو) اس میں بڑا فساد اور تمام عبادات کا ترک اور تمام معاصی کا ارتکاب لازم آئے گا۔ جس قدر ان حادث و مصنوع معبودوں کے اوامر ونواہی لوگوں تک پہنچائے جائیں گے۔ (جیسا کہ ہم فرقۂ مجوس و ہنود میں دیکھتے ہیں کہ چونکہ ان کے گرو اور رشیوں نے ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ آگ تم سے یہ چاہتی ہے، اور اندر یہ چاہتا ہے) آفتاب کی یہ خواہش ہے وغیرہ وغیرہ تو اسی کے مطابق یہ لوگ ان مخلوقات کو خالق سمجھ کر ان کی عبادت کرتے، اور واقعی خدا کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ نام تو جانتے ہیں کہ مگر عبادت اس کی قطعاً نہیں کرتے، ہاں مورتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ آفتاب کی، چاند کی، اگنی کی، صبح کی، اندر کی البتہ دعائیں پڑھتے ہیں جو فی الواقع ایک بے اختیار مخلوق ہیں۔ بالاختیار نہ نفع پہنچانے پر قادر ہیں، نہ نقصان پہنچانے پر۔)

منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر لوگوں پر خدائے تعالیٰ کو بے مثل ماننا لازم وواجب نہ ہو تو وہ سمجھ سکیں گے کہ جو بات دوسری مخلوقات میں ہے مثلاً عجز، کاہلی، تغیر، زوال، فنا، کذب، جھوٹ، عذر۔ وہ اس پر بھی جائز وممکن ہیں، حالانکہ جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اس کے فنا ہو جانے کا ہر وقت خوف رہے گا۔ نیز اس کے عدل و انصاف پر پورا اعتماد نہ ہو سکے گا، نہ اس کا کوئی قول، کوئی امر و نہی، کوئی وعدہ و وعید، کوئی ثواب وعقاب قابل ثبوت نہ ہوگا۔ (کیونکہ عاجز وکاذب خدا کی باتوں کا اعتبار ہی کیا؟) پھر تو تمام خلق میں فساد پھیل جائے گا، اور

Presented by Ziaraat.Com

ربوبیت ایک سرے ہی سے ندارد ہو جائے گی۔"

ناظرِ منصف! اس حکیمانہ کلام کو غور سے پڑھیے اور سمجھیے کہ واقعیت کو فلسفۂ تمدن سے کیسا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ حضرت کی دلیلیں اس بناء پر ہیں کہ اگر ایک مدہوش سائنسدان جو اپنے فلسفۂ سائنس کے زور میں خدائے تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ تمام عالم کے لوگ بھی میرے ہی ہم خیال بن جائیں تو علاوہ اس بات کے کہ ایک حقیقی اور واقعی بات پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے جو سب سے بڑا جرم ہے۔ وہ اپنی دنیاوی زندگی اور انسانی تمدن کا بھی سخت دشمن ہے۔

بالفرض (نعوذ باللہ من ذٰلک) اگر عالم کا پیدا کرنے والا واقعا کوئی بڑا مدبر، حکیم، قادر، واجب الوجود، حی و قیوم نہ ہوتو تب بھی تو عقل فلسفۂ تمدن اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ ایک ایسے خدا کا وجود مانا جائے جو اپنی ذات سے یکتا ہو۔ تمام کمالیہ صفات پر حاوی ہو۔ بے مثل ہو، بے نظیر ہو، تمام اچھے اخلاق اس میں پائے جاتے ہوں، سزا و جزاء پر بھی پوری طرح قادر ہو۔ کیونکہ اگر تمام جہان یہی تسلیم کر لے جو اس سائنٹسٹ کا قول ہے تو دیکھو کہ عالم میں کیا ابتری پیدا ہوتی ہے۔ پھر کسے اس بات کا خوف ہوگا کہ اگر میں چوری کروں گا تو عذاب میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ کون سمجھے گا کہ غضب و ظلم بُری بات ہے۔ کون کسی کی عبادت کرے گا، کون سچائی طرف مائل ہوگا۔ کوئی شخص ایک منٹ کے لیے بھی اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے کے لیے ناجائز باتوں سے پرہیز نہ کرے گا۔ اس لیے کہ اس کو کسی زبردست طاقت کی پروا نہیں ہے۔ پھر ذرا غور تو کرو کہ اس جہان کا کیا حال ہوگا۔

پس حضرت کا اس کلام سے یہ منشاء ہے کہ خدا نے واجب الوجود کا وجود علاوہ عقل فلسفۂ الٰہیہ کے عقل فلسفۂ تمدن و عقل فلسفۂ اخلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جن کی بابت لوگ مدعی ہوتے ہیں کہ ہم فلسفۂ تمدن خوب جانتے ہیں، فلسفۂ اخلاق کے بڑے ماہر ہیں۔ پھر معبودِ

Presented by Ziaraat.Com

حقیقی کے وجود یا اس کی صفات کے منکر ہیں۔ بات کیا ہے؟

بات صرف یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ کا صرف نام ہی نام سنا ہے۔ انہیں ہرگز ان علوم کی حقیقت سے اطلاع نہیں۔ ورنہ کبھی ان کی عقل اس بات کو تجویز نہ کرتی کہ باوجود عالم وحکیم ہونے کے منکر پروردگار عالم کے ہو جائیں۔ برادر! سمجھو اور معصوم علیہ السلام کی ہدایت سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ ہیں واقعی وہ ہستیاں جو حقیقی فلسفے اور خدائی مکتب کے تعلیم یافتہ کہے جا سکتے ہیں۔

☪

۱۶۔ مص۔ جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص خدا کو پہچانتا ہے اس کا جسم ظاہری تو مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر دل اس کا خدا سے لگا ہوتا ہے۔ اگر ذرا بھی اس کا دل خدا تعالیٰ سے غافل ہو جائے تو شدتِ شوق سے فوراً مر جائے۔ جو شخص خدائے تعالیٰ کو اچھی طرح پہچانتا ہے وہ اماناتِ خدا کا امین ہے۔ اس کے بھیدوں کا مخزن ہے۔ اس کے نور کا معدن ہے اس کی مخلوقات پر اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ اس کے علوم کا حامل ہے اس کے فضل وعدل کی میزان ہے۔ اسے نہ خلق کی کچھ پروا ہے نہ اپنی خواہشاتِ نفس کی، نہ دنیا کی۔ اسے کا مونس سوائے خدا کے کوئی نہیں ہوتا۔ اس کا کلام، اس کا اشارہ، اس کے سانس بھی جو نکلتے ہیں تو خدا ہی کی یاد میں ہوتے ہیں اور خدا ہی کے لیے ہوتے ہیں، اور خدا ہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ پس وہی ایسا شخص ہے جو خدائے تعالیٰ کے باغ قدس میں چلنے والا ہے اور اس کے لطائفِ فضل سے توشہ حاصل کرنے والا ہے۔ (دیکھو! یاد رکھو!) معرفتِ (خدا) اصل اور جڑ ہے اور ایمان اس کی چوٹی ہے۔"

☪

ثبوتِ واجب الوجود

۱۷۔ ج۔ ہشام بن حکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے

Presented by Ziaraat.Com

دریافت کیا کہ صانع عالم کے وجود کی کیا دلیل ہے؟

فرمایا آپؑ نے، وجود افعال (کاموں اور صنعتوں کا وجود) اس بات کو بتا رہا ہے کہ کوئی ان کا کرنے والا ہے جس نے انہیں بنایا ہے۔ دیکھو! جب تم کسی اچھے مضبوط بنے ہوئے مکان کو دیکھتے ہو تو تم کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے خواہ تم نے اس کے بنانے والے کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ (پھر اس عالم کی مخلوقات کو دیکھ کر تمہیں کیوں یقین نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔)

اس نے عرض کی (پھر) وہ کیا چیز ہے۔

آپؑ نے فرمایا، وہ ایک ایسی چیز ہے جو تمام چیزوں سے علیحدہ ہے۔ میں جو کہتا ہوں کہ وہ ایک چیز ہے تو (اس سے یہ نہ سمجھنا کہ دنیاوی چیزوں کے مانند اسے بتاتا ہوں بلکہ) اس سے میری مراد ذات خدا کا ثبوت ہے۔ وہ ایک ایسی شے ہے کہ خود ہی ہے۔ مگر وہ نہ تو جسم ہے نہ صورت، نہ اس کا ادراک حاسے سے ہو سکتا ہے نہ چھو کر اور نہ ٹٹول کر۔ پانچوں حاسے اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ وہم و خیالات سے معلوم نہیں کر سکتے۔ زمانہ (کا گزرنا) اس میں نقصان اور کمی پیدا نہیں کرتا، اس میں زمانہ کی وجہ سے تغیر نہیں ہوتا۔ (بلکہ ہمیشہ سے ایک حال پر ہے اور ہمیشہ ایک حال پر رہے گا۔)

سائل نے عرض کی، ہمارے وہم و خیال میں جتنی چیزیں آتی ہیں وہ سب کی سب مخلوق ہیں۔

آپ نے فرمایا، اگر ایسا ہو جیسا تم کہتے ہو تو ہم لوگ توحید کے قائل ہی نہ ہوں۔ کیونکہ ہمیں اس بات کی تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ کسی غیر موہوم چیز کا اعتقاد رکھیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنی چیزیں حاسوں کے ذریعے سے خیال میں آتی ہیں اور حاسے ان کی حدود کو مشکل معلوم کر لیتے ہیں وہ ضرور مخلوق ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کو جو کہ تمام چیزوں کا خالق ہے اس کو

Presented by Ziaraat.Com

دونوں بُری جہتوں سے خارج سمجھنا چاہیے۔

ایک تو یہ کہ معدوم نہیں ہے، کیونکہ عدم ونفی تو محض نہ ہونے کا نام ہے۔ (اور خدا موجود ہے پھر عدم اس میں کیوں کر ہوگا۔)

دوسرے یہ کہ وہ اپنی مخلوقات سے جن میں کھلی ہوئی ترکیب وتالیف پائی جاتی ہے مشابہ نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ایک بنانے والا اس وجہ سے مانا جائے کہ مصنوعات پائے جاتے ہیں (ورنہ آخر یہ بغیر بنانے والے کے کیوں کر ہوئے۔) اور وہ اپنے مصنوع ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں کہ ان کا کوئی صانع تسلیم کیا جائے، مگر وہ صانع ان مصنوعات کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ ترکیب وتالیف میں، نہ حدوث بعد العدم میں، نہ چھوٹے سے بڑے ہونے میں، نہ اس بات میں کہ جیسے کوئی مصنوع چیز کبھی سفید ہوتی ہے، پھر سیاہ ہو جاتی ہے۔ نہ اس بات میں کہ جیسے ایک چیز قوی تھی پھر کمزور ہوگئی، اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کے بیان کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ (ان سب باتوں میں سے کسی میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی مصنوعات کے مشابہ نہیں ہے۔)

سائل نے عرض کی، تو جب آپ نے اس کا وجود ثابت کیا تو گویا اس کی تحدید کر دی۔

آپؑ نے فرمایا، میں نے اس کی تحدید تو نہیں کی، بلکہ اس کے وجود کو تمہارے سامنے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ اثبات ونفی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (یا کوئی شے موجود ثابت ہوگی یا معدوم ومنفی، اور چونکہ خدائے تعالیٰ منفی ومعدوم نہیں ہے، لہٰذا موجود ثابت ہوگا۔)

پھر سائل نے عرض کی کہ خدائے تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ: الرحمٰن علی العرش استوی۔ (جس سے بظاہر سائل یہ سمجھتا ہے کہ خدائے تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔)

Presented by Ziaraat.Com

آپؑ نے فرمایا، اس جملے سے پروردگار نے اپنی قوت وغلبہ کا وصف بیان کیا ہے۔ اسی طرح وہ عرش پر غالب ہے اور اپنی مخلوقات سے بالکل جداگانہ ایک چیز ہے۔ عرش اسے اٹھائے ہوئے نہیں ہے اور نہ یہ کہ عرش اسے محیط ہے، اور نہ یہ کہ عرش اس کا محلِ نشست ہے، مگر مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ خود عرش کا بلند کرنے اور پیدا کرنے والا ہے، عرش کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اس نے خود فرمایا ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ [1] تو پروردگار نے جو عرش و کرسی کو بیان کیا ہے، ہم بھی اسے مانتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ عرش یا کرسی اسے محیط نہیں ہے، اور نہ وہ کسی جگہ یا کسی چیز کا اپنی مخلوقات میں سے محتاج ہے۔ بلکہ اس کی مخلوقات البتہ اس کی محتاج ہے۔

پھر سائل نے عرض کی۔ تو پھر (دعا کے وقت) آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے یا زمین کی طرف جھکانے میں کیا فرق رہا۔ (کیوں آپ لوگ دعاء میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں؟)

آپؑ نے فرمایا، ہاں یہ بات تو اس کے علم واحاطہ وقدرت میں مساوی ہے۔ (خواہ ہم اوپر کو ہاتھ اٹھا کر دعا کریں یا نیچے جھکا کر دعا کریں۔ بہرصورت وہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔) لیکن اس نے اپنے ولیوں اور بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف عرش کی جانب بلند کرو۔ کیونکہ وہی مقام معدنِ رزق ہے۔ (وہیں سے انسانوں کے لیے روزی آتی ہے اور مقرر ہوتی ہے)۔

لہٰذا ہم نے بموجب حکم قرآن اور احادیث رسولؐ کی یہ بات مان لی۔ چنانچہ رسولؐ نے فرمایا: ''تم لوگ اپنے ہاتھوں کو خدائے تعالیٰ عزوجل کی طرف بلند کرو'' (اور یہ تو ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام عالم کے گروہوں اور امتوں کا اتفاق ہے۔ سب ہی تو دعا

۱۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۵۵)

Presented by Ziaraat.Com

کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر ہم مسلمانوں پر کیا اعتراض ہے؟)

متعلق بتوحید خدائے تعالیٰ

۱۸۔ ج۔ ہشام بن الحکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے (یہ وہی فرقۂ مجوس ہے جن کی رائے پہلے دیباچہ میں بیان کی گئی ہے۔) کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ایک ایذا رساں طینت تھی اور وہ اس سے کسی طرح جدا نہ ہوتی تھی اور نہ خدائے تعالیٰ اس سے کسی طرح چھٹکارا پا سکتا تھا۔ آخر اس سے امتزاج پیدا کیا اور خود بھی اسی موذی طینت میں داخل ہو گیا۔ یہی وہ طینت ہے جس سے اس نے اشیاء عالم کو پیدا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا، سبحان اللہ و تعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ ایسی بیہودہ بات سے جسے یہ لوگ کہتے ہیں، بہت پاک اور برتر ہے۔ کیسا وہ مجبور خدا ہوگا جس کو لوگ قادر کہتے ہیں اور پھر بھی وہ اس موذی طینت سے بچ نہ سکا۔

(اب میں پوچھتا ہوں کہ) وہ طینت اگر زندہ اور ازلی الوجود ہے تو دو قدیم اللہ ہوئے (ایک وہ طینت خبیثہ جس کو تم قدیم کہتے ہو اور ایک خود خدائے تعالیٰ) جو آپس میں مل جُل گئے اور ان سے عالم کی خِلقت و تدبیر ہوئی۔ پس اگر ایسا ہی ہوا ہے تو پھر موت و فنا کہاں سے آ گئی؟ (یعنی اگر تمام عالم کی چیزیں ایک قدیم چیز سے بنی ہیں تو پھر فنا کیوں ہوتی ہیں، ان کو بھی قدیم ہی ہونا چاہیے) اور اگر وہ طینت مُردہ تھی تو مُردہ چیز بھی قدیم ازلی (خدا) کے ساتھ رہ نہیں سکتی (کیونکہ مُردہ سے مطلب یہاں معدوم ہے، اور ظاہر ہے کہ معدوم اور موجود کا کوئی ساتھ نہیں ہے۔) نیز، یہ کہ میت (معدوم چیز) سے کوئی زندہ چیز نہیں بن سکتی۔ (پھر یہ

Presented by Ziaraat.Com

کیوں کر ممکن ہوا کہ طینت مردہ معدوم سے تمام جہان کے موجودات بن گئے۔) یہ تو وہی دیصانیوں کا سا قول ہوا، جو بڑے ہی سخت زندیق ہیں اور نہایت ہی مہمل باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے وہ کتابیں دیکھ رکھی ہیں جو ان کے متقدمین تصنیف کر گئے ہیں۔ اور ان میں مزخرف و بے اصل باتیں لکھ گئے ہیں۔ جن پر نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت جس سے ان کا دعویٰ درست ہو سکے بلکہ وہ تمام باتیں خدا اور رسولؐ اور آسمانی کتابوں کے برخلاف ہیں۔

لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں "بدن (موجودات) تو ظلمت ہیں اور روحیں نُور ہیں۔ نور کوئی برائی نہیں کرتا، اور ظلمت کوئی بھلائی نہیں کرتی۔" ان کو تو کسی شخص کے تئیں ملامت کرنی ہی جائز نہ ہوگی خواہ وہ کوئی معصیت کرے یا کوئی حرام کام، یا فحش باتیں کیونکہ (بدن تو ان کے نزدیک ظلمت ہے) اور ظلمت سے سوائے بدی کے اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ (پھر بدکاروں کو بدکاری کرنے پر ملامت کیوں کی جاتی ہے جبکہ یہ ان کا ایک بے اختیاری فعل ٹھہرا) اور نہ ان کو یہ مناسب ہوگا کہ کسی معبود سے دعا کریں، اس سے تضرع و زاری کریں کیونکہ نور تو خود پروردگار ہے (اور وہی ان کی روح ہے) تو پروردگار کا اپنے آپ سے تضرع و زاری کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یا کسی غیر سے پناہ مانگنا کیا مہمل بات ہے۔ اور نہ ان کو یہ کہنا درست ہوگا کہ میں نے اچھا کیا، یا بُرا کیا۔ کیونکہ بدی تو ظلمت کا فعل ہے اور یہ اس کو کرنا پڑے گا، اور نیکی نور کا کام ہے (اور وہ بھی اس کا لازمی فعل ہے۔ پھر یہ کیا معنی کہ میں نے یہ بُرا کام کیا، یا میں نے یہ اچھا کام کیا۔ "میں" کہاں سے آیا۔ وہ تو ایک مجبورا فعل تھا جو ہو گیا۔ پھر تم نے کیا کیا؟) اور ان کے علاوہ کوئی تیسرا ہے ہی نہیں (کیونکہ بدن میں یا تو روح ہے یا یہ گوشت و پوست سے مرکب بدن ہے۔ بدن ظلمت ہے روح نور ہے، تیسرا کون ہے جو کہتا ہے کہ میں نے اچھا کیا۔ میں نے بُرا کیا؟)

نیز، یہ ظلمت ان کے قول کی بنا پر بہ نسبت نور کے بہت بہتر ہوئی۔ کیونکہ ہم اجسام و

Presented by Ziaraat.Com

ابدان کو دیکھتے ہیں تو نہایت ہی صنعت و حکمت پر پاتے ہیں۔ پھر کس نے یہ اجسام مختلف صفتوں پر بنا دیے۔ (ظلمت تو ایک ہی چیز ہے اس سے یہ مختلف صورتیں اور مختلف خواص و آثار کیوں ظاہر ہوتے ہیں)۔

نیز، اس بناء پر لازم آتا ہے کہ جس قدر درخت، پھل، پرندے، چوپائے وغیرہ ہیں سب خدا ہو جائیں (کیونکہ یہ سب جسم رکھتے ہیں اور جسم تمہارے قول کی بناء پر ظلمت ہے اور ظلمت کو تم خدا اور خالق کہتے ہو۔ لہٰذا یہ سب کے سب خدا ہوں گے۔ آخر یہ کیسا بیہودہ قول ہے) انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔

اللہ واحد ہے

۱۹۔ یــد۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

إن اللّٰه عزّوجلَ تبارکت اسمآئه و تعالیٰ فی علوکنهه احد توحد بالتوحید فی توحده ثم اجراه علٰی خلقه فهو احد صمد ملك قدوس یعبده کل شی و یصمد الیه و فوق الذی عسینا ان نبلغ ربنا و سبع کل شیء علماً

بیشک اللہ عزوجل جس کے نام مبارک ہیں اور اپنی بلندی کنہ میں برتر ہے، یکتا ہے اپنی یکتائی میں، اکیلا ہونے میں صرف وہی ایک ہے (باقی چیزیں جو اس کے سوا ہیں کوئی ایسی نہیں جس میں دوئی کی بو نہ ہو، مگر وہ اس سے بری ہے) پھر اس نے اس لفظ واحد کو اپنی خلق پر بھی جاری کر دیا۔ (مثلاً کہتے ہیں کہ ایک آدمی آیا، فلاں شخص اپنے زمانے میں یکتا ہے، مگر وہ یکتائی کی صفت جو خدائے تعالیٰ میں ہے کہ اس میں نہ اجزاء ہیں نہ ترکیب ہے، نہ اس کی صفات زائدہ بر ذات ہیں، وہ بات کسی اور میں نہیں۔) پس وہی احد ہے، صمد (بے

Presented by Ziaraat.Com

نیاز) ہے، بادشاہ ہے، پاک ہے، ہر شے اس کی عبادت کرتی ہے، اور اس کی محتاج ہے، اور ہماری رسائی سے بالاتر ہے، ہمارے پروردگار کا علم ہر شے کو محیط ہے (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس سے مخفی ہو۔)

خدائے تعالیٰ کے کوئی بیٹا، بیٹی نہیں ہے

۲۰۔ فس۔ ابوبصیر نے جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (سورۂ مریم ۱۹ آیت ۹۱) کی تفسیر میں روایت کی ہے، کہ جب قریش نے کہا کہ خدائے تعالیٰ کے اولاد بھی ہے۔ یہ فرشتے عورتیں ہیں (اور یہی خدا کی بیٹیاں ہیں، معاذ اللہ) تو پروردگار عالم نے ان لوگوں کے رَدّ میں فرمایا: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (سورۂ مریم ۱۹ آیت ۸۹) یعنی تم لوگوں نے بڑی سخت بات کہہ دی۔ تکادُ السَّمٰوٰات یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (سورۂ مریم ۱۹ آیت ۹۰۔۹۱) قریب تھا کہ آسمان اس بات سے پھٹ جائیں کہ ان قریش نے کہہ دیا، خدا کے اولاد بھی ہے۔ وَمَا ینبغی الرحمٰن ان یتخذ وَلدًا حالانکہ ممکن نہیں کہ پروردگار کسی کو اپنا فرزند بنائے۔ ان کل من فی السمٰوات والارض الا اٰتی الرحمٰن عبداً جتنے آسمان و زمین کے رہنے والے ہیں وہ سب خدا کے بندے ہیں (کوئی اس کا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے)۔

تو فرمایا پروردگار نے "لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا" (سورۂ مریم ۱۹ آیت ۹۴۔۹۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سب کا احصا و شمار کر لیا ہے جیسا چاہیے اور سب کے سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے یعنی ایک ایک کر کے آئیں گے۔"

Presented by Ziaraat.Com

خدائے تعالیٰ جسم وجسمانیات سے منزّہ ہے

۲۱۔ یـد۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ایک نصاریٰ سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ اس مناظرہ کے ایک حصہ میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ ''بیشک خدائے تعالیٰ اس سے زیادہ اجل و اعظم ہے کہ اس کے لیے ہاتھ یا پاؤں یا حرکت یا سکون ثابت کیا جائے یا اس کو یہ کہا جا سکے کہ وہ لمبا ہے، یا پست قد ہے، یا یہ کہ خیالات اس کو ادراک کر سکیں یا عقلیں اس کی حقیقی صفتوں کو معلوم کر سکیں۔

اس نے اپنے مواعظ اور وعد و وعید کو نازل فرمایا ہے۔ (نہ یہ کہ زبان سے بولا ہے) اس نے بغیر زبان اور ہونٹ کے حکم فرمایا، لیکن جس طرح چاہا فرما دیا، ''ہو جا'' پس ہو گیا، اور وہی بہتر تھا جو ہو گیا۔ جیسا کہ لوحِ محفوظ میں اس نے ارادہ فرمایا تھا (مطلب یہ ہے کہ نہ خدا کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں، نہ زبان، نہ ہونٹ بلکہ چیزوں کا موجود ہو جانا صرف اس کی ایک مشیت ہے۔)

۲۲۔ ج۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے یعقوب بن جعفر جعفری نے روایت کی ہے کہ آپؑ کے سامنے کچھ لوگوں کا ذکر آیا کہ وہ کہتے ہیں، خدائے تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اُترتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا، پروردگار ہرگز نہیں اُترتا، اور نہ اسے اُترنے کی احتیاج ہے، وہ تو قریب و بعید ہر حال میں برابر جانتا ہے۔ کوئی قریب چیز اس سے دور نہیں اور نہ کوئی بعید چیز اس کے پاس چلی جاتی ہے۔ نہ وہ کسی شے کا محتاج ہے۔ بلکہ اور سب چیزیں اس کی محتاج ہیں۔ وہی بخشش والا ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عزیز حکیم ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُترتا ہے تو یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف کمی و

Presented by Ziaraat.Com

زیادتی کی نسبت دیتے ہیں۔ حالانکہ ہر حرکت کرنے والی چیز کسی محرک کی محتاج ہے۔ یا اس آلہ کی محتاج ہے جس سے وہ حرکت کرے (اگر پروردگار آسمان اوّل پر اترے تو چاہیے اس کو ان آلات کی ضرورت پڑے جن سے اُترتا ہے۔ مثلاً پاؤں، زینے وغیرہ) پس جو شخص خدائے تعالیٰ کی جناب میں ایسے خیالات رکھتا ہے وہ تباہ ہوا۔ لہٰذا تم لوگ اس بات سے ڈرتے رہو کہ اس کے لیے کوئی حد کمی یا زیادتی کی قائم کرو، اور تحریک یا تحرک یا زوال یا استنزال، یا اُٹھنا بیٹھنا ثابت کرو۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ تمام بیان کرنے والوں کے بیان اور تعریف کرنے والوں کی تعریف اور خیال کرنے والوں کے خیال سے بالاتر ہے۔"

اللہ ہر جگہ موجود ہے

۲۴۔ شاج ۔ ایک یہودی خلیفہ ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کیا تمہیں رسولؐ خدا کے خلیفہ ہو؟

ابوبکر...... ہاں (میں ہی خلیفہ ہوں)

یہودی...... ہم نے توریت میں دیکھا ہے کہ انبیاءؑ کے خلفاء ان کی تمام امت سے زیادہ علم والے ہوتے ہیں، تو تم مجھے بتاؤ کہ خدائے تعالیٰ کہاں ہے۔ آسمان میں ہے یا زمین میں؟؟

ابوبکر...... آسمان میں ہے۔ عرش پر (بیٹھا ہے)

یہودی...... تو میرے خیال میں زمین اس سے خالی ہو گی؟ اس قول کے مطابق تو لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی جگہ ہو اور کسی جگہ نہ ہو۔

ابوبکر...... یہ تو زندیقوں کا سا کلام ہے۔ دور ہو میرے پاس سے ورنہ تجھ کو قتل کردوں گا۔

یہودی یہ سن کر تعجب کرتا اور اسلام پر ہنستا ہوا چلا۔ راہ میں امیرالمومنین علی ابن ابی

Presented by Ziaraat.Com

طالب علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔

امیرالمومنین...... یہودی! مجھے معلوم ہوگیا جو کچھ تم نے سوال کیا تھا، اور جو جواب پایا۔ (تمہارے سوال کے جواب میں) ہم یہ کہتے ہیں کہ خدئے تعالیٰ ہی نے جگہ اور مقامات پیدا کیے ہیں۔ اس کے لیے کوئی جگہ کوئی مقام خاص نشست کا نہیں ہے۔ (ورنہ اس کا محتاج الی المکان ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کس جگہ کا محتاج نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اسی نے زمین، آسمان، عرش و کرسی وغیرہ پیدا کیے ہیں۔ آخر ان کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا۔ اگر اس کو مکان اور جگہ کی ضرورت ہوتی تو چاہیے تھا کہ خدا سے پہلے جگہ اور مقام موجود ہوتا، جس پر اس کا مقام ہوتا۔ حالانکہ وہی سب سے پہلے ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے۔) وہ خدائے عزوجل اس سے بالاتر ہے کہ کوئی جگہ اس کو محیط ہو۔ بلکہ وہ ہر مقام پر (اپنی قدرت سے) موجود ہے (مگر) نہ کسی چیز سے ملا ہوا ہے، نہ کسی چیز کا ہم پہلو ہے۔ (لیکن) جانتا ہر چیز کو ہے۔ اس کی تدبیر سے کوئی شے خالی نہیں ہے۔ (دیکھو) میں تم کو تمہارے ایک مضمون کی خبر دیتا ہوں جو میرے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر تم اسے جانتے ہو تو کیا تم اسے مان لو گے؟

یہودی...... ہاں!

امیرالمومنین علیہ اسلام نے فرمایا،...... کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ایک روز بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک فرشتہ پورب سے آیا، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟

اس نے کہا،...... خدا کے پاس سے۔

پھر دوسرا فرشتہ پچھم سے آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو۔

اس نے کہا،...... خدا کے پاس سے۔

Presented by Ziaraat.Com

پھر ایک فرشتہ اور آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟

اس نے کہا، ...... خدا کے پاس سے۔ ساتویں آسمان سے آتا ہوں۔

پھر ایک اور فرشتہ آیا، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟

اس نے کہا، ...... ساتویں طبقۂ زمین سے۔ خدائے تعالیٰ کے پاس سے آتا ہوں۔

اس وقت حضرت نے فرمایا: ''سبحان من لا یخلو منه مکان ولا یکون اِلٰی مکان اقرب من مکان'' ''پاک ہے وہ معبود برحق جس سے کوئی جگہ خالی نہیں (بلکہ ہر جگہ موجود ہے) اور نہ ایسا ہے کہ کسی جگہ سے بہ نسبت کسی اور جگہ کے زیادہ قریب ہے۔ (بلکہ اس کو ہر مقام، ہر چیز، ہر شخص سے نسبت برابر ہے۔)

یہودی، ...... میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی حق اور سچ بات ہے اور (اے علیؑ) تم اپنے نبیؐ کے قائم مقام ہونے کے زیادہ مستحق ہو بہ نسبت اس شخص کے جس نے غلبے سے اس جگہ کو حاصل کرلیا ہے۔

علم خدائے تعالیٰ

۲۴۔ یـد۔ ن ۔حسن بن بشار نے جناب ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا خداوند تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو اب تک پیدا نہیں ہوئیں؟ کیا اسے خبر ہے کہ اگر ہوں گی تو کس طرح پیدا ہوں گی؟ یا یہ کہ وہ صرف انہیں چیزوں کو جانتا ہے جو موجود ہیں۔

آپؑ نے فرمایا، ...... بیشک خدائے تعالیٰ تمام چیزوں کو ان کے موجود ہونے سے پہلے جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (جاثیہ ۴۵ آیت ۲۹)

Presented by Ziaraat.Com

اور اہل دوزخ کی بابت فرماتا ہے۔ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (سورہ انعام ۶ آیت ۲۸) (اگر وہ پھر دنیا کی طرف لوٹا دیے جائیں تو پھر وہی کام کرنے لگیں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔) یہ ارشاد پروردگار کا اس موقع پر ہے جہاں قیامت کے دن کے حالات قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے، کہ اس دن کفار اور بدمعاش لوگ کہیں گے کہ خدایا، ہمیں دوزخ میں نہ ڈال، بلکہ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے کہ ہم لوگ نیک کام کریں گے اور تیرے حکم کو مانیں گے، تو پروردگار ان کے جواب میں فرمائے گا کہ اگر وہ پھر لوٹا بھی دیے جائیں تب بھی خدا کے احکام کو نہ مانیں گے۔ بلکہ اپنی اس قدیم شرارت پر قائم رہیں گے) تو (دیکھو) کہ خدائے تعالیٰ کو معلوم ہے وہ بات جو ابھی نہیں ہوئی۔ اور اپنے فرشتوں سے فرمایا تھا، جبکہ انہوں نے (حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے کی بابت کہا تھا) کیا تو پیدا کرے گا ایسے لوگوں کو جو زمین پر فساد پھیلائیں گے اور خونریزیاں کریں گے، حالانکہ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہی ہیں۔

تو پروردگار عالم نے فرمایا: اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲ آیت ۳۰) ''میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔

(تم کو معلوم ہونا چاہیے) کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ اگرچہ وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئی ہوں۔

پس مبارک ہے ہمارا پروردگار، اور بلند مرتبہ ہے پھر بہت ہی بلند مرتبہ ہے۔ اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور انہیں (ان کے پیدا کرنے سے) پہلے ہی جانتا ہے۔ جس طرح اس کی مشیت میں تھا۔ ہمارا پروردگار اس طرح کا ہے، ہمیشہ سے وہ علیم و سمیع و بصیر رہا ہے۔ (یعنی اس کا علم قدیم ہے ہر شے سے، خواہ معدوم شے ہو یا موجود ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ موجود چیزوں کو جانتا ہو، اور معدوم چیزوں کو نہ جانتا ہو۔)

Presented by Ziaraat.Com

۲۵۔ مـــع ۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں، میں نے جناب صادق علیہ السلام سے دریافت کیا خدائے عزوجل کے اس کلام کی تفسیر کیا ہے۔ یعلم السّر واَخفٰی (سورہ طٰہٰ ۳۰ آیت ۷) (وہ جانتا ہے سر واخفی کو)۔

آپ نے فرمایا: (السّر سے مراد تو یہ ہے جو تم اپنے دل میں کوئی بات پوشیدہ رکھتے ہو۔ (اور اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اسے بھی خدائے تعالیٰ جانتا ہے) اور اخفیٰ سے مراد یہ ہے کہ کوئی بات تمہارے دل میں آئی ہو اور پھر تم اسے بھول گئے ہو (اسے بھی پروردگار عالم جانتا ہے اگرچہ تم اسے نہ جانتے ہو اور تمہیں یاد نہ ہو۔)

علمِ خدا کی کوئی حد وانتہا نہیں

۲۶۔ یـــــــد ۔ ابوعلی جناب صادق علیہ السلام کے پاس حاضر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری زبان سے نکلا۔ الحمد لِلّٰه منتهٰی علمه ''یعنی میں خدا کی حمد کرتا ہوں اس قدر جو اس کے علم کی حد ہے''۔

حضرت نے فرمایا: لا تقل ذٰلك فانه لیس لعلمه منتهیٰ ''اے ابوعلی! ایسا نہ کہو کیونکہ خدائے تعالیٰ کے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔

قدرت اور ارادۂ خدائے تعالیٰ

۲۷۔ یـــــــد ۔ عبداللہ دیصانی نے ہشام ابن حکم سے ایک مرتبہ پوچھا: ''کیا تمہارا کوئی پروردگار ہے؟''

انہوں نے کہا۔ ''ہاں ہے''۔

Presented by Ziaraat.Com

اس نے کہا۔ ''کیا وہ قادر بھی ہے۔''

انہوں نے کہا۔ ''بیشک قادر ہے، غالب ہے۔''

اس نے کہا۔ ''کیا تمہارے پروردگار کو یہ بھی قدرت ہے کہ تمام دنیا کو ایک انڈے کے اندر داخل کر دے، کہ نہ تو انڈا بڑھے اور نہ دنیا چھوٹی ہو (پھر بھی دنیا ایک انڈے میں سما جائے)۔

انہوں نے (ہشام نے) کہا۔ مجھے اس کے جواب میں مہلت دو۔

اس نے کہا، میں نے تم کو ایک سال کی مہلت دی۔

ہشام وہاں سے سوار ہو کر ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اجازت مانگی۔ حضرت نے اندر آنے کی اجازت دی۔

ہشام نے عرض کی، یا ابن رسول اللہ! دیصانی نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے جس کے جواب میں، یا تو آپ پر بھروسہ ہے یا خدا پر۔ (تیسرا کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔)

آپؑ نے فرمایا، اس نے کیا سوال کیا ہے۔

ہشام نے وہ سوال عرض کیا۔

آپؑ نے فرمایا، ہشام! تمہارے کتنے حاسے ہیں۔

عرض کی، پانچ

فرمایا، سب میں چھوٹا حاسہ کون سا ہے۔

عرض کی، آنکھ (پتلی کا تل)

آپؑ نے فرمایا، اس کی مقدار کیا ہے۔

عرض کی، ایک مسور کے برابر یا اس سے بھی کم۔

Presented by Ziaraat.Com

آپ نے فرمایا۔ اے ہشام، ذرا اپنے سامنے اور اوپر کی طرف تو دیکھو، کیا دکھائی دیتا ہے؟

عرض کی، آسمان، زمین، مکانات، عمارات، مٹی، پہاڑ، نہریں (دکھائی دیتی ہیں)۔

آپ نے فرمایا، (سمجھو اور غور کرو) کہ جو ہستی (پروردگار عالم) اس بات پر قادر ہے کہ مسور کے برابر کی یا اس سے بھی چھوٹی ایک چیز میں تمام وہ چیزیں داخل کر دے جنہیں تم دیکھتے ہو۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام دنیا کو ایک انڈے کے اندر داخل کر دے کہ نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو (جیسا کہ ایک ذرا سی آنکھ کے اندر اتنی بڑی بڑی چیزیں ایک دم میں آ سکتی ہیں۔)

یہ جواب سن کر ہشام حضرت پر جھکے اور سر اقدس اور ہاتھ پیروں کے بوسے لیے۔ اور عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! بس یہ جواب میرے لیے کافی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے گھر واپس آئے (انتہی بقدر الضرورۃ)

کلام پروردگار عالمین

۲۸۔ مــا۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا، فرماتے تھے۔ لم یزل اللہ جل اسمہ عالماً بذاتہ ولا معلوم ولم یزل قادرا بذاتہ ولا مقدور یعنی پروردگار عالم ہمیشہ عالم بذاتہ رہا ہے جبکہ کوئی معلوم (یعنی قابل علم) نہ تھا، اور ہمیشہ سے قادر بذاتہ رہا ہے جبکہ کوئی مقدور (قابل قبول قدرت) نہ تھا۔

تو میں نے عرض کی، میں آپ پر فدا ہوں۔ کیا وہ ہمیشہ سے متکلم بھی تھا۔

آپ نے فرمایا، کلام اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ خدائے تعالیٰ موجود تھا، اس وقت اس میں کلام (جو ایک حادث چیز ہے اور حروف و آواز سے مرکب ہے) نہ تھا۔ پھر اس نے کلام

Presented by Ziaraat.Com

کو پیدا کر دیا۔ (لوگوں کی زبانوں پر اور درخت کے اندر سے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ سے درخت نے کلام کیا وغیرہ وغیرہ)

حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے کیونکر کلام کیا

۲۹۔ ج ۔ ابوقرہ محدث نے جناب صادق علیہ السلام سے کلام اور گفتگو، باری تعالیٰ کی بابت دریافت کیا کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کیوں کر کلام کیا؟

آپ نے فرمایا، خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس زبان میں ان سے کلام کیا۔ سریانی میں گفتگو کی یا عبرانی میں۔

اس وقت ابوقرہ نے اپنی زبان پکڑ کر عرض کی، میں تو اس زبان کی بابت دریافت کرتا ہوں (کہ آیا، اس نے اسی زبان سے حضرت موسیٰؑ سے گفتگو کی تھی؟)

آپؑ نے فرمایا.. باری تعالیٰ اس سے پاک ہے، جو تم کہتے ہو (اس کے منہ اور زبان نہیں ہے) پناہ بخدا کہ وہ اپنی مخلوقات سے مشابہ ہو۔ یا اس طرح کلام کرے جیسے لوگ گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن اس معبود تبارک و تعالیٰ کے مانند کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس کا جیسا کوئی کہنے اور کرنے والا ہے۔

ابوقرہ نے عرض کی یہ کیوں کر؟

آپؑ نے فرمایا، خدائے تعالیٰ جو اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو وہ ایسا نہیں ہوتا جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی سے بات کرتا ہے اور نہ منہ سے لفظ نکال کر بات کرتا ہے۔ لیکن (کلام اس کا ایک حکم ہے) کہہ دیتا ہے ہو جا بس ہو جاتا ہے (یعنی آپ سے آپ ہی اس کے حکم سے ویسی ہی آواز آنے لگتی ہے) جیسا وہ چاہتا ہے۔ باری تعالیٰ نے جو جناب موسیٰؑ سے کلام کیا تھا، امر و نہی فرمایا تھا۔ وہ بغیر کسی تردّد کے تھا۔ نفسؔ خبر میں (یعنی اسے اس

Presented by Ziaraat.Com

کلام میں کوئی زحمت نہ تھی۔ یہ کلام اس کا ایک حکم تھا۔ نہ یہ کہ زبان ہلانا، آواز نکالنا، حروف و الفاظ ادا کرنے۔)

خدا دو نہیں ہو سکتے

۳۰۔کتاب التوحید ۔ابن عبدوس نے ابن قتیبہ سے اس نے فضل بن شاذان سے روایت کی ہے کہ ایک ثنویہ (جو مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے) نے جناب ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے سوال کیا (اور میں وہاں حاضر تھا) کہ میں تو کہتا ہوں کہ عالم کے بنانے والے دو ہیں۔ پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ صانع عالم ایک ہی ہے۔

آپ نے فرمایا: تمہارا یہی کہنا کہ وہ دو ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ صانع عالم ایک ہی ہے۔ کیونکہ تم جو دو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم پہلے ایک کا وجود مان لیتے ہو، تبھی تو دو کہتے ہو۔ پس (معلوم ہوا) کہ ایک کا ہونا تو متفق علیہ ہے اور ایک سے زیادہ مختلف فیہ ہے۔ (لہٰذا دو ہونے کا بار ثبوت تمہارے ذمہ رہا۔ ایک تو تمہارے ہی کلام سے ثابت ہو گیا جس کے ثابت کرنے کی ہمیں ضرورت نہ رہی۔ اب رہا دوسرا خدا، اسے تم ثابت کرو! (سبحان اللہ کیسا الزامی جواب ہے۔ اس سے بہتر الزامی جواب بھی ناممکن ہے۔)

۳۱۔ ج ۔ ہشام بن الحکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ صانع عالم کا ایک سے زیادہ ہونا کیوں ناممکن ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تم جو دو صانع عالم کہتے ہو تو اس بات سے خالی نہیں کہ وہ دونوں قدیم و قوی ہوں گے۔ یا دونوں ضعیف ہوں گے یا ایک قوی اور دوسرا ضعیف ہوگا۔ پس اگر دونوں قوی ہیں، تو ہر ایک ان میں سے دوسرے کو دفع کیوں نہیں کرتا، اور تنہا رہ کر تدبیر عالم

Presented by Ziaraat.Com

میں کیوں نہیں مصروف ہوتا، اور اگر کہو کہ ایک قوی ہے اور دوسرا ضعیف ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو، کیونکہ دوسرے میں (ضعف کی وجہ سے) عجز ظاہری موجود ہے۔ (اور جو ضعیف ہے وہ خدا ہو نہیں سکتا۔) اور اگر کہو کہ نہیں صاحب وہ تو دو ہی ہیں (ہٹ دھرمی سے) تو اس بات سے خالی نہیں کہ دونوں، آیا متفق ہیں ہر طرح سے یا ہر طرح سے مختلف ہیں۔ (اگر دونوں ہر جہت سے متفق اور ایک رائے ہیں، تو دوئی ناممکن ہے کیونکہ دو چیزیں اس وقت دو ہوتی ہیں جبکہ ان میں کسی جہت سے تشخصات وغیرہ کے ذریعے سے اختلاف ہو ورنہ کبھی دو چیزیں ہر طرح سے متحد الصورۃ، متحد التشخص، متحد الماہیۃ ہو کر دو نہیں ہو سکتیں، اور اگر دونوں میں کچھ اختلاف ہے، ایک کی صورت کیسی ہے دوسری کی کیسی، ایک کا تشخص اور علامت ونشان اور ہے، دوسرے کی علامت ونشان اور ہے۔ تو چاہیے کہ ہمیں دونوں کے آثار قدرت محسوس ومعلوم ہوں۔ حالانکہ ہم کو ایک کے سوا دوسرے کی قدرت وصنعت کہیں دکھائی نہیں دیتی)۔

پس جبکہ ہم نے خلقت کو منتظم دیکھا اور آسمان کو (ایکساں) چلتا ہوا پایا، رات دن، سورج چاند کا آنا جانا (ایکساں دیکھا تو کام کی صحت وتدبیر وانتظام عالم کے متناسب ہونے سے علم ہوا کہ مدبر ایک ہی ہے۔

۳۲۔ید ۔ایک روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ اگر تم دعویٰ کرو گے کہ خدا دو ہیں تو تمہیں لازم ہو کہ کہو ان دونوں کے درمیان کوئی حدِ فاصل ومميز بھی ہے۔ تا کہ دو ہو سکیں۔ (کیونکہ بغیر کسی ممیز وحدفاصل شے فاصل کے دو، دو کیوں کر ہو سکتے ہیں) تو اب وہ ممیز و حدِ فاصل تیسرا خدا ٹھہرا، اور یہ بھی ان دونوں کے ساتھ ساتھ قائم ہوا۔ تو تمہیں تین خدا کہنا لازم ہوگا اور اگر تین خدا کے قائل ہو جاؤ گے تو ان میں وہی بات لازم آئے گی جو ہم نے دو

Presented by Ziaraat.Com

میں کہی ہے۔(یعنی تین! تین نہیں ہو سکتے جب تک ان میں ہر ایک کو تمیز دینے والا نہ ہو) تو ان تینوں کے درمیان دو اور ہوں گے، پھر پانچ خدا ہو جائیں گے۔(تین پہلے اور دو یہ قدیم ممیّز) اور پھر بیشمار ہی خدا ہوتے چلے جائینگے (کیونکہ جیسی گفتگو تین میں ہوئی ہے ویسی ہی پانچ میں بھی ہوگی، تو تین ممیز اور پیدا ہوں گے۔لہٰذا آٹھ خدا ہو جائینگے اور اسی طرح بڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ بے انتہا خدا ہو جائیں گے۔) (نعوذ باللہ)

(یہ برہان بھی برہان لمی ہے جس سے توحید پروردگار عالم آپ نے ثابت فرمائی ہے۔)

بُت پرستی کیوں کر شروع ہوئی

۳۳۔ع ۔حریز نے جناب جعفر بن محمد علیہما السلام سے تفسیر آیہ: وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح ۷۱۔۲۳)

میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا یہ لوگ (جن کے نام اس آیت میں لیے گئے ہیں ود اور سواع، یغوث اور یعقو اور نسر) پہلے اللہ عزوجل کی عبادت کرتے تھے جب مر گئے تو ان کی قوم میں رونا پڑ گیا اور ان پر ان کی جدائی شاق ہوئی۔تو ابلیس لعنہ اللہ، ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کے لیے انہی یعوق ونسر وغیرہ کی صورت کے بُت بنائے دیتا ہوں۔ انہیں دیکھ لیا کرو، اور انہیں سے اُنس و دلچسپی حاصل کرو اور اللہ کی عبادت کیا کرو (رونے پیٹنے سے کیا فائدہ) پھر اس نے ان لوگوں کے لیے ان مُردوں کی صورت کی مورتیں بنادیں۔ وہ لوگ خدا کی عبادت کیا کرتے اور ان مورتوں کو دیکھ لیتے تھے (جس سے ان کی دلچسپی قائم رہے) جب جاڑے اور برسات کے دن آئے تو ان مورتوں کو گھر میں اٹھا کر رکھ دیا، اور برابر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ بھی مر گئے، اور ان کی

Presented by Ziaraat.Com

اولاد کا زمانہ آیا تو کہنے لگے کہ ہمارے آبا و اجداد تو انہی مورتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر ان تصویروں اور بتوں کی عبادت کرنے لگے۔ یہی مطلب خدائے تعالیٰ کے اس قول کا ہے لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا .... (سورہ نوح ۷۱ آیت ۲۳) الخ (یعنی چونکہ تمہارے باپ دادا انہی کی عبادت کرتے رہے ہیں لہٰذا تم لوگ بھی ود، و، سواع و یعوق و یغوث و نسر کو نہ چھوڑنا۔)[1]

آتش پرستی کب سے شروع ہوئی

۳۴۔ یــد ـ عبدالحمید بن ابی الدیلم نے ابوعبداللہ (جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام) سے روایت کی ہ کہ قابیل (حضرت آدمؑ کے بیٹے) نے جب دیکھا کہ آگ نے ہابیل (حضرت آدمؑ کے دوسرے بیٹے کی قربانی قبول کر لی۔ تو ابلیس نے اس سے کہا کہ (دیکھو) ہابیل اس آگ کی پرستش کرتا تھا۔ (اس وجہ سے اس نے ہابیل کی قربانی منظور کر لی) قابیل نے کہا۔ میں تو اس آگ کی پرستش نہیں کروں گا جسے ہابیل پوجتا تھا لیکن دوسری آگ کی پرستش کروں گا اور اس پر قربانی چڑھاؤں گا تو وہ میری قربانی منظور کر لے گی۔ پھر آتش خانے بنائے اور قربانی چڑھائی۔ نہ اسے اپنے پروردگار کا کچھ علم تھا اور نہ اس کی اولاد کو۔ لہٰذا اس کی اولاد نے وراثت میں اس سے آگ کی پرستش حاصل کی (جو اب مجوسیوں میں) رائج ہے۔

خدا کسی کے مشابہ نہیں

۳۵۔ یــد ـ عطار اپنے باپ سے اور وہ سہل سے روایت کرتا ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے ابو محمد علیہ السلام کو ۲۵۵ھ میں لکھا کہ یا سیدی! ہمارے ساتھ والے توحید میں اختلاف کرتے

۱۔ صیغہ نہی یہاں پر نفی کے معنی میں ہے یعنی "نہ چھوڑو گے"۔

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے جسم ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ صورت ہے۔ پس اگر آپ کی رائے ہو، اے میرے سردار! کہ اس بارے میں مجھ کو تعلیم فرمائیں جس پر میں واقف ہو جاؤں اور اس سے آگے نہ بڑھوں تو ضرور ایسا کریں۔ یہ آپ کی اس حقیر پر ایک بخشش ہو گی۔ تو آپ نے اپنے دستِ اقدس سے یہ توقیع لکھی۔

''تم نے توحید کی بابت مجھ سے سوال کیا ہے اور یہ بات تم سے دُور کی گئی ہے (یعنی اس میں زیادہ غور و خوض کرنا) خدائے تبارک و تعالیٰ ایک ہے، یکتا ہے، بے نیاز ہے۔ نہ خود اس نے کسی کو جَنا، اور نہ دوسرے کے پیٹ سے جَنا گیا۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ وہ پیدا کرنے والا ہے، خود کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ وہ خدائے تبارک و برتر جسم و غیر جسم میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے صورت بناتا ہے۔ خود مصوَّر (تصویر بنایا ہوا) نہیں ہے۔ اس کی تعریفیں جلیل ہیں اس کے نام مقدس ہیں۔ وہ اس سے زیادہ بالاتر ہے کہ کوئی اس کے مشابہ ہو سکے پس وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے بس وہی سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہے۔''

معرفتِ پروردگارِ عالم

۳۶۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک اعرابی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے غرائب علم تعلیم فرمائیے۔

Presented by Ziaraat.Com

آپؐ نے فرمایا، تم نے راس علم ہی کی بابت کیا کچھ حاصل کر لیا ہے جو علم کے عجائبات کو پوچھنے لگے۔

اس نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! راسِ علم (علم کی چوٹی) کیا چیز ہے؟

آپؐ نے فرمایا، معرفت خدائے تعالیٰ جو حق معرفت ہے۔

اعرابی نے عرض کی خدائے تعالیٰ کی معرفت (یعنی پوری معرفت)......حق معرفت کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا، کہ اس کی معرفت اس طرح حاصل کرے کہ ''وہ بے مثل ہے، بیشک و شبہ ہے۔ بے مانند ہے۔ بیشک وہی ایک ہے۔ اکیلا، ظاہر ہے، باطن ہے۔ اوّل ہے، آخر ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، نہ اس کی کوئی نظیر ہے۔'' بس یہ خدا کی پوری معرفت ہے۔

۳۷۔ یــد ۔ جناب ابوالحسن علیہ السلام سے مروی ہے۔

یزید جرجانی کہتا ہے، میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کم از کم آدمی کی معرفتِ پروردگار کتنی ہونی چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا۔ ''اس بات کا اقرار کرنا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی کوئی شبیہ نہیں۔ اس کی کوئی نظیر نہیں، بیشک وہی قدیم ہے، مثبت ہے، موجود ہے، کبھی مفقود نہ ہوگا، اور یہ کہ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''

فطرت کیا چیز ہے؟

۳۸۔ علاء بن فضل نے جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں، کہ میں نے

Presented by Ziaraat.Com

حضرت سے قولِ خدائے تعالیٰ...... فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (سورہ روم ۳۰ آیت ۳۰) کی تفسیر دریافت کی۔ آپؑ نے فرمایا فطرت سے مراد وہ فطرت جس پر خدائے تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس سے مراد توحید ہے یعنی سب کو توحید پر پیدا کیا ہے۔)

عبداللہ رمانی نے حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار محمد بن علی بن الحسین صلوات اللہ علیہ وعلیہم سے تفسیر کلام پروردگار عالم فطرة الله التی فطر الناس علیها، کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد لا اِلٰهَ الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه علی امیر المومنین، ہے توحید یہاں تک ہے۔ یعنی ان میں سے کسی کا منکر دراصل توحید کا منکر سمجھا جائے گا۔

ذاتِ خدائے تعالیٰ ازلی ہے

۳۹۔ لــی۔ بحذف اسناد۔ بزنطی نے ابوالحسن الموصلی سے اس نے جناب ابو عبداللہ الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک عالم علمائے یہود سے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی۔

یا امیر المومنینؑ! متی کان ربک۔ آپ کا پروردگار کب سے ہے؟

آپؑ نے فرمایا، تیری ماں تیرے ماتم میں روئے وہ کب نہ تھا؟ یہاں تک کہ کہا جائے کب سے ہے؟ میرا پروردگار ہر پہلے سے پہلے تھا۔ جس سے قبل کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ہر آخر کے آخر رہے گا جس کا کوئی آخر نہیں اور نہ کوئی حد ہے، نہ اس کے انتہا کی کوئی غایت ہے، اس سے تمام ہی انتہائیں منقطع ہیں۔ وہی ہر انتہا کی انتہا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۴۰۔ مع...... میمون البان نے بیان کیا ہے کہ میں نے جناب صادق علیہ السلام سے سنا، اس وقت جب کہ کسی نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے معنی دریافت کیے تھے۔ ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ''۔ (سورۂ حدید ۵۷ آیت ۳)

آپؑ نے فرمایا، وہی اوّل ہے اس سے قبل کوئی اوّل نہیں اور نہ کوئی ابتداء اس سے سابق ہے، اور وہی آخر ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جیسا کہ صفات مخلوقین سے سمجھا جاتا ہے۔ (کہ جس کو آخر کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے ہیں کہ یہاں اس کی حد ہو گئی، مگر خدائے تعالیٰ اس معنی سے آخر نہیں کہ اس کی کوئی انتہا ہے) لیکن وہ قدیم ہے اوّل ہے آخر ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا اس پر حدوث واقع نہیں ہوتا، اور نہ وہ ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتا ہے۔ ہر چیز کا (وہی) خالق ہے۔

۴۱۔ یـــد...... ابوبصیر سے روایت ہے کہ جناب صادق علیہ السلام نے (ایک مرتبہ) ایک ڈبا نکالا جس کے اندر ایک پرچہ تھا۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

''پاک ہے وہ معبود یکتا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ قدیم ہے۔ پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی کوئی ابتدا نہیں۔ (دائم ہے جس کے واسطے فنا نہیں، زندہ ہے جس کے واسطے موت نہیں، ہر دیکھی اور نہ دیکھی ہوئی چیزوں کا خالق ہے۔ بغیر تعلیم کیے ہوئے ہر شئے کا عالم ہے۔ وہی وہ معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

۴۲۔ یـــد...... جناب صادق علیہ السلام سے محمد بن سماعہ نے روایت کی کہ راس

Presented by Ziaraat.Com

الجالوت[1] نے ایک مرتبہ یہودیوں سے کہا، کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ علی علیہ السلام بڑے بحث کرنے والے اور سب سے بڑھ کر عالم ہیں، ہمیں ان کے پاس لے چلو، تاکہ میں ان سے ایک سوال کروں اور انہی کو اس میں مخاطب قرار دوں...... پس حضرت کے پاس لایا گیا:

اس نے کہا...... یا امیر المومنین ہمارا پروردگار کب سے ہے؟

آپؑ نے فرمایا...... اے یہودی! "کب سے ہے۔" تو اُس کو کہا جاتا ہے جو کبھی نہ رہا ہو اور پھر موجود ہو گیا ہو۔ وہ تو بغیر کیفیت کے موجود ہے، اور بغیر کسی کیفیت کے موجود تھا۔ اے یہودی! اُس کے لیے قبل کیوں کر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر قبل سے قبل ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی منتہیٰ ہے جس تک وہ ختم ہو۔ اس سے تو تمام انتہائیں منقطع ہیں، وہی ہر حد کی حد ہے......"

یہ سن کر اس یہودی نے کہا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا دین سچا ہے اور جو مذہب اس مذہب کے مخالف ہے وہ باطل ہے۔"

۴۴۔ نص...... یونس بن ظبیان نے روایت کی ہے۔

کہتے ہیں کہ میں جناب صادق جعفر بن محمد علیہما السلام کے پاس گیا، اور عرض کی؛

یا ابن رسولؐ اللہ! میں (امام) مالک اور ان کے اصحاب کے پاس گیا تھا۔ وہاں سنا کہ بعض تو کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے چہرہ ہے جیسے عام لوگوں کے چہرے ہوتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں، اس کے دو ہاتھ ہیں، اور خدائے تعالیٰ کے اس کلام سے سند لاتے ہیں...... بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک تیس برس کے جوان کی صورت میں ہے۔" تو، یا ابن رسولؐ اللہ! اس معاملہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

(راوی) کہتا ہے کہ آپؑ تکیہ لگائے ہوئے تھے، سیدھے ہو بیٹھے فرمایا:

---

[1] غالباً اس سے مراد یہودیوں کا لارڈ پادری ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

خدایا! معاف کرنا، معاف کرنا (توبہ، توبہ)

پھر فرمایا: یونس! جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ویسا ہی چہرہ ہے جیسے اور لوگوں کے چہرے ہیں۔ وہ مشرک ہے اور جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ویسے ہی ہاتھ پاؤں ہیں جیسے مخلوقات کے، وہ کافر ہے (خدا کا منکر ہے) اس کی گواہی نہ قبول کرنا، اور نہ اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے بالاتر ہے جو صفت مخلوقات سے خدا کو تشبیہ دینے والے کہتے ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد اس کے انبیاء و اولیاء ہیں (جن کے توسط اور ذریعے سے خدا تک رسائی ہو سکتی ہے)

اور یہ جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ (سورہ ص ۳۸ آیت ۷۵) اس میں یـد سے مراد قدرت ہے۔ (یعنی اے ابلیس! میں نے تجھ کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ پھر بھی تو متکبر بن گیا؟ جیسا کہ اس کے کلام وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (سورہ انفال ۸ آیت ۲۶) میں ہے۔ (جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے تم کو اپنی نصرت سے قدرت و قوت دی)۔ پس جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی چیز کے اندر ہے یا کسی چیز پر ہے (جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا آسمان پر ہے یا عرش پر ہے) یا ایک حالت سے دوسری حالت میں آ جاتا ہے۔ یا اس سے کوئی چیز خالی ہے۔ یا اس سے کوئی چیز بھری ہوئی ہے (یعنی کسی جگہ نہیں ہے کسی جگہ موجود ہے) تو وہ خدائے تعالیٰ کو مخلوقین کے صفات سے متصف کرتا ہے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے۔ وہ اندازہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور نہ وہ آدمیوں سے مشابہ ہے۔ نہ اس سے کوئی جگہ خالی ہے، نہ اس سے جگہ بھری ہوئی ہے۔ وہ باوجود دوری کے قریب ہے اور باوجود نزدیکی کے دور ہے۔

یہ ہے ہمارا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جو شخص اس صفت سے خدا کو دوست رکھے اور اس کا ارادہ کرے وہ موحد ہے اور جو کوئی اس صفت کے علاوہ کسی اور صفت

Presented by Ziaraat.Com

سے اس کو دوست رکھے اس سے خدا بھی الگ ہے اور ہم بھی اس سے الگ ہیں۔"

کیا اللہ ہر شب پہلے آسمان پر اُتر آتا ہے

۳۴۴۔ ابن ابی محمود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا علیہ السلام سے عرض کی۔

یا ابن رسولؐ اللہ! آپ اس حدیث کی بابت کیا فرماتے ہیں جسے لوگ جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں کہ "خدائے تبارک وتعالیٰ ہر شب میں نیچے والے آسمان[1] پر اُتر آتا ہے۔" (جیسا کہ موطا بن مالک میں موجود ہے)

آپؑ نے فرمایا، خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو باتوں میں تحریف کر دیتے ہیں۔ (اور اس کے مقام سے ہٹا دیتے ہیں)۔ خدا کی قسم رسولؐ اللہ نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ......

> "خدائے تعالیٰ ایک فرشتے کو نیچے والے آسمان پر نازل فرماتا ہے ہر شب کی پچھلی تہائی میں اور ہر شب جمعہ کے ابتدائی حصے میں، اور اس کو حکم دیتا ہے کہ ندا کرے "ہے کوئی سوال کرنے والا، کہ میں اسے عطا کروں، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں، اے طالب خیر متوجہ ہو، اے طالب شر کمی کر، پس برابر وہ فرشتہ یہ پکارتا رہتا ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہ۔ جب صبح ہو جاتی ہے تو ملکوت آسمان میں اپنے مقام پر واپس چلا جاتا ہے۔"

---

[1] جیسا کہ موطا بن مالک میں موجود ہے۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس حدیث کو میرے پدرِ بزرگوار نے اپنے جدِ بزرگوار سے انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے، انہوں نے رسولؐ خدا سے روایت کیا ہے۔'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۴۵۔ یــد...... ابراہیم بن محمد ہمدانی کہتے ہیں کہ:

میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''ہم سے پہلے کچھ لوگ آپ کے موالیین (دوستوں) میں سے توحید میں اختلاف کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے، خدائے تعالیٰ کے جسم ہے، بعض کہتے تھے اس کی کوئی صورت ہے۔''

تو حضرت نے اس کے جواب میں لکھا (یہ غلط ہے کہ خدائے تعالیٰ کے جسم ہو یا صورت ہو)۔

''پاک ہے وہ معبود جس کی کوئی تحدید (حد) نہیں ہے، اور نہ اس کا وصف بیان ہو سکتا ہے۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ بس وہی سمیع وعلیم ہے یا حضرت نے بجائے علیم کے بصیر فرمایا۔ (راوی کو اس لفظ میں اشتباہ ہے۔)

اللہ کو مکان کے ساتھ موصوف کر سکتے ہیں

۴۶۔ ثابت بن دینار سے مروی ہے کہ:

میں نے جناب امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب علیہم السلام سے دریافت کیا کہ آیا خدائے تعالیٰ کو مکان کے ساتھ موصوف کر سکتے ہیں؟ (یعنی اس کے لیے جگہ یا مکان تجویز کر سکتے ہیں کہ فلاں جگہ ہے۔)

آپؑ نے فرمایا: ''پروردگارِ عالم اس سے بالاتر ہے (کہ کسی جگہ پر پایا جائے۔''

میں نے عرض کی، پھر اپنے نبی کو آسمان پر کیوں بلایا؟

Presented by Ziaraat.Com

آپؑ نے فرمایا: اس لیے کہ ان کو آسمان اور جو کچھ اس میں عجائب صنعت و غرائب خلقت ہے دکھائے۔

میں نے عرض کی، پھر یہ جو خدا نے فرمایا ہے۔ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (سورۂ نجم ۵۳ آیت ۹) یعنی رسولؐ ہمارا قریب ہوا پھر جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ یا اس سے بھی کم۔

آپؑ نے فرمایا؛...... یہ اس طرح ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا پردہ ہائے نور سے قریب ہوئے اور ملکوت السمٰوٰت کو ملاحظہ فرمایا، پھر جھکے تو اس کے ماتحت ملکوت زمین کو ملاحظہ فرمایا، یہاں تک کہ خیال فرمایا کہ گویا مع زمین سے اس قدر قریب ہوں کہ صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا ہے[1] یا اس سے بھی کم۔

کیا آسمان وزمین چھ دن میں پیدا کیے گئے

۴۷۔ ی۔ د۔ ن...... تمیم قریشی نے اپنے باپ سے اس نے احمد بن علی انصاری سے اس نے ہروی سے روایت کی ہے کہ مامون نے ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ کے اس قول کی تشریح پوچھی: وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ (سورۂ ہود ۱۱ آیت ۷) ''وہی وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔''

---

[1] نہ یہ کہ جیسا عالم لوگ اس آیت کے معنی سمجھتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ خدائے تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوئے کہ ان میں اور خدائے تعالیٰ میں دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا اگر ایسا ہوتو پروردگار عالم کا مکانی یعنی محتاج مکان ہونا لازم آئے گا حالانکہ وہ زمانے کا محتاج ہے نہ مکان کا، وہ ہر جگہ موجود ہے اور پھر کہیں نہیں اس کی نشست کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے ورنہ وہ جسم ہوگا اور جب جسم ہوگا تو ضرورت حادث ہوگا اور جب حادث ہوگا تو قدیم نہ رہ سکے گا حالانکہ وہ بذلتہٖ قدیم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

تو آپؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے عرش اور پانی اور فرشتوں کو قبل آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے خلق فرمایا تھا۔ فرشتے اپنے تئیں دیکھ کر اور عرش اور پانی کو دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے وجود کو سمجھتے تھے۔ پھر پروردگار عالم نے اپنے عرش کو پانی پر قائم کیا تا کہ اس سے اپنی قدرت (فرشتوں پر) ظاہر کرے۔ اور تا کہ فرشتے یہ جان لیں کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ پھر اپنی قدرت سے عرش کو بلند کیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل فرمایا اور اسے ساتویں آسمان کے اوپر قرار دیا۔ پھر چھ روز میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ درآنحالیکہ وہ عرش پر غالب تھا اور اس بات پر قادر تھا کہ ان سے آسمانوں کو چشم زدن میں پیدا کرے (معلوم ہوا کہ جو لوگ استویٰ علی العرش کے معنی خدا کے بیٹھنے کے لیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ بلکہ استویٰ کے معنی غلبہ اور قدر کے ہیں) لیکن اس نے چھ روز میں اس لیے پیدا کیا کہ فرشتوں پر رفتہ رفتہ ظاہر کرے کہ وہ کیوں کر کسی چیز کو خلق فرماتا ہے۔ تا کہ اس طرح کے حدوث سے وہ خدائے عزوجل کے وجود کو مرۃً بعد اخریٰ (آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ) سمجھ سکیں، اس نے اس لیے تو نہیں پیدا کیا کہ اسے اس بات کی کچھ غرض تھی کیونکہ وہ عرش (تخت) سے غنی ہے (اس کو بیٹھنے کی تو ضرورت ہی نہیں جس لیے اس نے تخت بنایا ہو) اور (نیز) وہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے۔ اس کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا۔ پروردگار عالم اپنی مخلوقات کی صفات سے بہت بالاتر ہے۔"

۴۸۔ یـد۔ مع۔ ن...... معاذی نے احمد ہمدانی سے، اس نے علی بن فضال سے روایت کی ہے کہ:

میں نے امام رضا علی بن موسیٰ علیہ السلام سے اس قول خدا کی تفسیر دریافت کی:
كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (سورۂ مطففین ۸۳ آیت ۱۵) "بیشک وہ لوگ

Presented by Ziaraat.Com

(گنا ہگار) اپنے پروردگار کے (دیکھنے سے) اس دن (قیامت میں) روکے جائیں گے (جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی مقام پر بیٹھا ہوگا اور اس کے اور ان گنا ہگاروں کے درمیان پردہ حائل ہوگا جس سے یہ لوگ اسے نہ دیکھ سکیں گے)۔

تو آپ نے فرمایا: خداوند تبارک وتعالیٰ کی صفت مکان سے نہیں کی جا سکتی۔ (یعنی اس کو یہ بات کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ فلاں مقام پر ہے) کہ اس میں وہ داخل ہو اور وہاں رہ کر اپنے بندوں سے چھپے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ گنا ہگار لوگ اپنے پروردگار کے ثواب سے محجوب یعنی محروم رہیں گے۔

راوی کہتا ہے، پھر میں نے حضرت سے خدائے تعالیٰ کے اس کلام کے بارے میں دریافت کیا: وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا (سورۂ فجر ۸۹ آیت ۲۲) ''اور آیا تیرا پروردگار اور فرشتے صف بصف'' (جس سے پروردگار کا آنا جانا بظاہر ثابت ہوتا ہے۔)

تو آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی صفت آنا جانا نہیں ہے وہ انتقال وتبدیل مکان سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس آیت میں اس کی مراد یہ ہے کہ (قیامت کے دن) تیرے پروردگار کا حکم آئے گا اور فرشتے بھی صف بصف آئیں گے۔ (یہاں مضاف محذوف ہے یعنی...... جآء امر ربك (امر) محذوف ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ خدائے تعالیٰ کے اس کلام کا کیا مطلب ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ (سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۱۰) ''جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور فرشتے قیامت میں بادل کے سائے میں ہو کر آئیں گے''۔)

آپ نے فرمایا: دراصل آیت اس طرح ہے...... هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ بِالْمَلٰٓئِكَةِ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ ''یعنی یہ کہ پروردگار عالم فرشتوں کو ابر کے سائے

Presented by Ziaraat.Com

میں لائے گا۔ نہ یہ کہ خود اور فرشتے ساتھ ساتھ ابر کے سائے میں آئیں گے) یہ آیت دراصل اس طرح نازل ہوئی تھی (محرفین نے تحریف کردی ہے) اور کہہ دیا کہ یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ ہے)۔

راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت سے خدائے تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر دریافت کی سخر الله منهم الله يستهزء بهم مكروا و مكر الله يخادعون الله و هو خادعهم (سورۂ نساء۴ آیت ۱۴۲) (اللہ نے ان سے مذاق کیا، اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔ انہوں نے مکر (حیلہ) کیا اور اللہ نے بھی مکر (حیلہ) کیا۔ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا دیتا ہے؟)

آپؑ نے فرمایا، خدائے تعالیٰ مذاق نہیں کرتا، اور نہ مسخرا پن کرتا ہے، نہ مکر کرتا ہے، نہ فریب۔ لیکن (مطلب ان آیتوں کا یہ ہے) کہ وہ ان کو بدلہ دیتا ہے ان کے مذاق کا، ان کے تمسخر کا، ان کے مکر کا، ان کے فریب کا۔ (تو مطلب سخر اللہ منہم کا یہ ہوا کہ جب وہ اللہ سے مذاق کرتے ہیں تو اللہ، ان کو اس مذاق کا مزہ چکھائے گا، اور اس کا ان کو بدلہ دے گا، سزا دے گا، عذاب میں مبتلا کرے گا۔ نہ یہ کہ اللہ خود بھی ان سے مذاق کرے گا، یا کرتا ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ ایسا کرے۔ جب ایک معمولی شخص اس کو پسند نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کیوں کر پسند کرے گا، اور علیٰ ہذا القیاس اور آیتوں کا بھی یہی مطلب ہے۔ "مکروا ومکر اللہ" کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا سے مکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مکر کا ان کو مزہ چکھائے گا۔ اور عذاب میں مبتلا کرے گا۔) خدائے تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے جو ظالمین (اس کی شان میں) کہتے ہیں۔"

۴۹۔ کش...... عبدالملک بن ہشام خیاط۔ راوی ہے کہ:

Presented by Ziaraat.Com

میں نے ابوالحسن الرضا علیہ السلام سے عرض کی کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں (مجھ کو خدا آپ پر قربان کرے)

آپؑ نے فرمایا: اے جبل کیا پوچھتے ہو پوچھو۔

میں نے عرض کی "میں آپ پر فدا ہوں، ہشام بن سالم کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ صورۃ (صورۃ والا) ہے اور یہ کہ آدمؑ اپنے پروردگار کی صورت پر پیدا کیے گئے تھے اور وہ (ہشام) یہ بھی بیان کرتا ہے "اور یہ بھی" (میں نے اپنے پہلو اور سر کے بالوں کی طرف اشارہ کیا) یعنی حضرت کو بتایا کہ ہشام کہتا ہے کہ اللہ کے پہلو بھی ہے اور سر کے بال بھی ہیں۔

اور یونس مولائے ال یقطین اور ہشام بن الحکم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک شئے مثل اور چیزوں کے ہے اور یہ کہ یہ تمام اشیاء اس سے جدا بھی ہیں، اور وہ ان اشیاء سے جدا ہے۔ (یعنی ہے تو وہ انہی چیزوں کے مانند مگر صورت میں فرق ہے۔) یہ دونوں یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی چیز اس طرح ثابت کی جاسکتی ہے کہ اس کو جسم کہا جائے۔ لہٰذا پروردگار جسم ہے مگر اور جسموں جیسا نہیں ہے۔ اور ایک شئے ہے مگر اور اشیاء کے مانند نہیں ہے، موجود ہے، غائب نہیں ہے اور نہ معدوم ہے۔ دونوں حدِ ابطال وتشبیہ سے خارج ہے۔ (یعنی نہ معدومِ محض ہے اور نہ کسی چیز سے مشابہ ہے۔ مگر جسم ضرور ہے۔) تو میں ان دونوں قولوں میں کس کو تسلیم کروں؟

حضرت نے فرمایا کہ ابوعبداللہ (امام جعفرؑ صادق) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اس نے تو خدا کے ثابت کرنے کا قصد کیا تھا لیکن اس نے خدا کو اس کی مخلوقات سے مشابہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، اس کی کوئی شبیہ نہیں ہے نہ اس کا مثل ہے، نہ کوئی اس کے برابر ہے، نہ اس کی کوئی نظیر ہے، نہ وہ کسی مخلوق کی صفت پر ہے۔ (اے جبلی) تم اس بات کو تسلیم نہ کرو جو ہشام بن سالم نے کہا ہے۔ بلکہ وہ تسلیم کرو جو مولائے ال یقطین اور اس کا

Presented by Ziaraat.Com

ساتھی کہتا ہے۔

راوی کہتا ہے، میں نے عرض کی جو کوئی مسئلہ توحید میں ہشام کا مخالف ہو، اس کو زکوۃ دی جائے؟

''آپؑ نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں''۔

خدائے تعالیٰ جسم وجسمانیت سے منزہ ہے

۵۰۔ لـــی ...... ابوبصیر نے جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

آپ نے فرمایا، ''ان اللـه تبارك و تعالیٰ لا یوصف بزمان ولا مكان ولا حركة ولا انتقال ولاسكون''

''بیشک اللہ تعالیٰ کو زمانے، مکان، حرکت، انتقال اور سکون کے ساتھ صفت کرنی جائز نہیں ہے۔ (یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ کسی زمانے میں تھا، یا ہے، یا ہوگا، یا فلاں زمانے سے موجود ہے۔ فلاں زمانے تک رہے گا۔ نہ یہ کہنا جائز ہے کہ خدائے تعالیٰ فلاں مقام پر ہے۔ یا یہ کہ بحرکت چلتا پھرتا ہے۔ یا یہ کہ کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ یا یہ کہ ایک حالت سے دوسری حالت، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ان سب حالتوں سے منزہ اور پاک ہے) بلکہ اس نے زمانے کو پیدا کیا ہے، اس نے مکان (ہر جگہ) کو پیدا کیا ہے اسی نے حرکت وسکون وانتقال کو پیدا کیا ہے۔ (یہ سب اس کی مخلوقات ہیں۔ پھر اس میں خود یہ باتیں کیوں کر داخل ہوسکتی ہیں) یہ ظالمین جو کہتے ہیں اس سے خدائے تعالیٰ بہت بلند و برتر ہے''۔

خدائے تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا

۵۱۔ لـــی ...... عبداللہ بن سنان نے اپنے باپ سے روایت کی ہے:

Presented by Ziaraat.Com

وہ کہتے ہیں کہ میں ابوجعفر محمد بن علی الباقر علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؑ کے پاس ایک خارجی المذہب آدمی بھی آیا، اور عرض کی، یا ابا جعفرؑ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟

فرمایا...... اللہ کی۔

اس نے کہا...... کیا آپؑ نے اسے دیکھا ہے۔

فرمایا...... لم تره العیون بماشاهدة العیان و رائته القلوب بحقائق الایمان ''آنکھوں نے تو اس کو مشاہدۂ ظاہری سے ہرگز نہیں دیکھا، (اور نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز ہے) (لیکن) دلوں نے ایمان کی حقیقتوں سے (یا حقیقی ایمان کے ذریعے سے) اسے دیکھا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ آنکھ سے نہیں دکھائی دے سکتا، ہاں البتہ اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں اور یہی دل کا یقین کرنا گویا اس کو دیکھنا ہے۔ کیونکہ دیکھنے کا نتیجہ بھی یقین ہی ہے اور دل سے معلوم کرنے کا نتیجہ بھی یقین ہے۔

۵۲۔ یــــدلــی...... اصبغ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے حضور میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ جس کا نام دغلب تھا اور عرض کی یا امیرالمومنینؑ'' هــل رایت ربك '' کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔

فرمایا، ویلك یا دعلب ''وائے ہو تجھ پر اے دغلب''۔ میں ایسا شخص نہیں ہو جو اُن دیکھے خدا کی عبادت کروں۔

اس نے عرض کی پھر کیوں کر آپؑ نے اس کو دیکھا؟

فرمایا۔ لم تره العیوب بمــشاهدة الابصار ولکن رائته القلوب

Presented by Ziaraat.Com

بحقائق الایمان "آنکھوں نے اس کو مشاہدۂ بصری سے ہرگز نہیں دیکھا ہے لیکن دلوں نے ایمانی حقیقتوں سے اس کو دیکھا ہے۔"

افسوس اے دغلب! بیشک میرا پروردگار دوری، حرکت، سکون، قیام، سیدھے کھڑے ہونے، آنے، جانے سے موصوف نہیں ہوتا۔ (یعنی یہ باتیں اس میں نہیں ہیں۔) وہ لطیف ہے مگر اس کی صفت لطف (لطافت و باریکی) نہیں ہے۔ بڑی عظمت والا ہے۔ مگر اس کو بڑا ہونے سے موصوف نہیں کر سکتے۔ (یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا سا ہے، جیسے پہاڑ، یا آسمان وغیرہ) بڑی بزرگی والا ہے، مگر اس کی صفت کبر (بزرگی اور بڑائی) نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایسا بڑا ہے جیسے کھجور کا درخت۔) بڑی جلالت والا ہے مگر اس کو صفت غلظ (موٹا ہونا) نہیں ہے۔ (یعنی جیسے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موٹا تازہ ہے مثل انسان وغیرہ کے)۔ بڑا مہربان ہے مگر اس کی صفت رقّت نہیں ہے (یعنی جیسے انسان کو مہربانی اس وقت عارض ہوئی ہے جب اس کے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہو۔ خدا کے دل ہی نہیں جس میں رقت و نرمی پیدا ہو۔) مومن ہے مگر عبادت کی وجہ سے مومن نہیں کہا جاتا۔ (یعنی اس کا نام مومن بھی ہے مگر اس لحاظ سے اس کو مومن نہیں کہتے جس لحاظ سے کسی انسان عبادت گزار کو مومن کہتے ہیں۔) ہر چیز کا ادراک کرنے والا ہے مگر چھو کر اور ٹٹول کر نہیں۔ بات کرنے والا ہے مگر زبان سے لفظ نکال کر نہیں۔ (کیونکہ وہ زبان نہیں رکھتا، جیسے انسان وغیرہ کی زبان ہوتی ہے)۔ وہ ہر چیز میں موجود ہے۔ (یعنی اس کے آثار قدرت وصفت ہر شئے سے نمایاں ہیں) مگر کسی چیز سے مخلوط و ممزوج نہیں ہے۔ ہر شئے سے خارج ہے مگر اس سے بالکل مبائن اور الگ نہیں ہے (کہ اس کی حالت کو نہ جان سکے، بلکہ ہر شئے سے خارج ہے اور پھر اس کی حقیقت کو جانتا ہے) ہر شئے سے اوپر ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شئے کے اوپر بیٹھا ہے (یا موجود ہے) ہر شئے کے سامنے موجود ہے۔ مگر اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شئے کے آگے یا سامنے ہے۔ ہر چیز کے

Presented by Ziaraat.Com

اندر داخل ہے (ہر چیز کی اندرونی حالت کو جانتا ہے) مگر اس طرح نہیں جیسے ایک چیز دوسری چیز کے اندر ہوتی ہے۔ (جیسے پانی برتن میں)۔ ہر چیز سے خارج بھی ہے مگر نہ اس طرح جیسے ایک چیز کسی دوسری چیز سے خارج ہوتی ہے۔"

"یہ سن کر دغلب بیہوش ہو گیا۔"

۵۳۔ لـی ...... جناب امام رضا علیہ السلام سے ابن بزیع نے قول خدائے تعالیٰ "لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ" (سورۂ انعام ۶ آیت ۱۰۳) کی تفسیر میں سنا کہ آپؑ نے فرمایا: (جب) دل کے خیالات ہی اس کا ادراک نہیں کر سکتے تو آنکھوں کی بصارتیں کیوں کر اس کو دیکھ سکتی ہیں (یعنی جب پروردگار عالم کی کنہ ذات کو وہم و خیال بھی نہیں پا سکتا جو آنکھ سے زیادہ قوی ہے۔ تو بھلا آنکھ کی کیا طاقت ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔)

۵۴۔ مـض ...... ابن ابی عمیر نے ہشام سے روایت کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں جناب صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ معاویہ بن وہب اور عبدالملک بن اعین آ گئے۔ معاویہ بن وہب نے حضرت سے عرض کی یا ابن رسولؐ اللہ! آپ اس حدیث کی بابت کیا فرماتے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

"رسولؐ خدا نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔"

آخر کس صورت میں خدا کو حضرتؐ نے دیکھا۔ اور اس حدیث کی بابت آپؑ کیا فرماتے ہیں جسے روایت کرتے ہیں کہ:

"مومنین اپنے پروردگار کو جنت میں دیکھیں گے۔"

آخر کس صورت میں خدا کو دیکھیں گے؟

Presented by Ziaraat.Com

یہ سن کر آپؑ متبسم ہوئے، پھر فرمایا:

معاویہ! کیسا بُرا حال اس شخص کا ہوگا جس کی عمر ستر یا اسی برس کی ہو جائے اور اتنے دنوں تک وہ ملک خدا میں اپنی زندگی بسر کرے اور اس کی نعمتیں کھائے، پھر بھی اپنے معبود کو جیسا چاہیے تھا نہ پہچانتا ہو۔

پھر فرمایا: آپؑ نے، معاویہ! بیشک ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو مشاہدۂ ظاہری سے نہیں دیکھا۔ (یعنی آنکھوں سے)۔ دیکھنا دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک دل سے دیکھنا (یعنی دلی یقین)

دوسرے، آنکھ سے دیکھنا۔ تو جو کوئی یہ مراد لیتا ہے کہ حضرت نے دل کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا، وہ تو ٹھیک کہتا ہے، اور جو یہ مراد لیتا ہے کہ آنکھ سے حضرت نے خدا کو دیکھا، وہ خدا اور آیات خدا کا منکر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، ''جو شخص خدا کو اس کی مخلوقات سے مشابہ کرے، وہ کافر ہے''۔

میرے پدر بزرگوار نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے امام حسینؑ بن علی بن ابی طالب علیہم السلام سے روایت کی ہے۔

فرمایا کہ امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تھا کہ اے رسولؐ اللہ کے بھائی! کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟

تو فرمایا: کہ میں کیوں کر ایسے خدا کی عبادت کرسکتا ہوں جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ (مگر) آنکھوں نے مشاہدۂ ظاہری سے اس کو ہرگز نہیں دیکھا، لیکن دل نے ایمان کی حقیقت سے اسے دیکھا ہے۔ (یعنی دل سے اس کی ذات اور اس کے وجود کا یقین حاصل ہوا ہے۔)

Presented by Ziaraat.Com

اور جب کہ کوئی مومن اپنے پروردگار کو آنکھ سے دیکھ سکتا ہو تو، (تم جانتے ہی ہو کہ) جس چیز کو آنکھ سے دیکھنا ممکن ہے وہ مخلوق اور پیدا کی ہوئی چیز ہے اور ہر مخلوق کے لیے ایک خالق کی ضرورت ہے۔ (جس نے اسے پیدا کیا ہو۔) تو اس وقت اس نے خدا کو حادث بنا دیا، مخلوق بنا دیا۔ (کیونکہ جب ہر دیکھی ہوئی چیز مخلوق و حادث ہے، تو خدا بھی جب آنکھوں سے دیکھا گیا، تو ضروری ہوا کہ وہ مخلوق و حادث ہو۔) حالانکہ جس نے خدائے تعالیٰ کو اس کی مخلوقات سے مشابہ بتایا وہ مشرک ہے۔ ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے (جو دیدار خدا کے قائل ہیں) کیا انہوں نے خدا کے اس کلام کو نہیں سنا کہ فرماتا ہے:

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ''

(سورۂ انعام ۶ آیت ۱۰۳) ''آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں (لیکن) وہ خود تمام آنکھوں کو دیکھتا اور جانتا ہے اور وہی لطیف و خبیر ہے''۔

(اور کیا انہوں نے خدائے تعالیٰ کے) اس کلام کو (نہیں سنا کہ فرماتا ہے۔) ''لَنْ تَرٰنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ'' (سورۂ اعراف ۷ آیت ۱۴۳) (اے موسیٰ تم) مجھ کو آنکھ سے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف نظر کرو، پس اگر یہ ٹھہرا رہے اپنی جگہ پر تو عنقریب مجھ کو دیکھو گے''۔

'' فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا '' (حالانکہ جب پروردگار کا جلوہ ہوا (یعنی اس کی پیدا کی ہوئی روشنی کوہ طور پر چمکی) تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ حالانکہ اس کے (پیدا کیے ہوئے) نور میں پہاڑ پر اتنی روشنی نکلی تھی جیسے سوئی کے سوراخ سے نکلتی ہے۔ تو زمین بھی پھٹ گئی۔ پہاڑ بھی چیخ اٹھے (ریزہ ریزہ ہو گئے) حضرت موسیٰؑ بھی بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا، اور ان کی روح ان کے بدن میں واپس کی گئی۔ تو عرض کی، (جناب باری تعالیٰ میں)۔

''سبحانک تبت الیک'' (اے پروردگار) تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا

Presented by Ziaraat.Com

ہوں۔" (یہ توبہ) ان لوگوں کی گفتگو سے جو یہ کہتے ہیں کہ تو دکھائی دے سکتا ہے، اور میں اس معرفت کی طرف رجوع کرتا ہوں جو تیری نسبت مجھ کو حاصل تھی۔ کہ آنکھیں تجھ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اور (اب) میں پہلا ایمان لانے والا، اور پہلا اقرار کرنے والا ہوں، کہ ضرور تو تو خود (ہر چیز کو) دیکھتا ہے اور (مگر) تو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور تو منظر اعلیٰ پر ہے۔ (یعنی تجھ پر نظر نہیں پڑ سکتی۔)

پھر حضرت نے فرمایا: افضل فرائض اور واجب ترین واجبات انسان پر خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنی ہے اور اس کی بندگی کا اقرار کرنا۔ اور حد معرفت یہ ہے کہ جان لے، سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے، نہ اس کی شبیہ ہے اور نہ نظیر۔ اور اس بات کو پہچانے کہ وہ قدیم ہے۔ (ہمیشہ سے ہے) ثابت ہے۔ موجود ہے کبھی کھویا نہ جائے گا (یعنی معدوم نہ ہوگا) بغیر کسی شبیہ یا مبطل (نقصان پہنچانے والی صفت) کے موصوف ہے۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ اور اس کے بعد رسول کی معرفت اور نبوت کی گواہی دینا، اور ادنیٰ درجہ معرفت رسول کا ان کی نبوت کا اقرار کرنا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ لائے، خواہ کتاب ہو یا امر و نہی ہو، وہ خدائے عزوجل کی طرف سے ہے۔ اور اس کے بعد امامؑ کی معرفت ہے جس کی معرفت سے خدا کی نعمت اور صفت اور اسم کو حال عسر و آسائش میں تم پورا کرتے ہو۔ اور ادنیٰ درجہ معرفت امامؑ کا یہ ہے کہ وہ نبی کے برابر ہے مگر درجۂ نبوت امامؑ میں نہیں ہے اور یہ کہ امام کی اطاعت عین خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے۔ اور اس کے حکم کو ماننا ہر امر میں، اور اس کی طرف رجوع کرنا اور اس کے قول پر عمل کرنا، اور اس بات کو جاننا کہ امامؑ بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور بعد ان کے امام حسن علیہ السلام، پھر امام حسین علیہ السلام، پھر علی بن الحسین علیہ السلام، پھر محمد بن علی (امام محمد باقر) علیہ السلام پھر میں (امام جعفر صادق) علیہ السلام پھر میرے بعد موسیٰ (کاظمؑ) میرے بیٹے اور

Presented by Ziaraat.Com

ان کے بعد علیؑ (رضا) ان کے بیٹے، اور بعد علیؑ (بن موسیٰ رضا) کے ان کے بیٹے محمد (تقی) اور بعد محمد کے ان کے بیٹے علی (نقی) اور بعد علی (نقی) کے ان کے بیٹے (امام) حسنؑ (عسکری) اور بعد امام حسن عسکریؑ کے ان کے بیٹے (امام) حضرت حجتؑ ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا، اے معاویہ! میں نے تمہارے سامنے اس معاملہ میں ایک اصل بیان کر دی، اس پر عمل کرو، کیونکہ اگر تم اس حالت پر مر جاتے، جس حالت پر تھے تو تمہارا بُرا حال ہوتا۔ تمہیں ان لوگوں کی باتیں دھوکے میں نہ ڈالیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دکھائی دے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اور ان لوگوں نے تو بہت ہی تعجب خیز بات کہی ہے (یعنی حضرات اہلسنت و الجماعت نے) کیا ان لوگوں نے حضرت آدمؑ کو امر بد کی نسبت نہیں دی؟ کیا حضرت ابراہیمؑ کی طرف جو نسبت چاہی نہیں دی؟ کیا حضرات داودؑ کو بُرے امروں کی طرف نسبت نہیں دی؟ (وہ پرندے والا واقعہ) کیا حضرت یوسفؑ کی زلیخا کے معاملہ میں جو نسبت چاہی نہیں دی؟ کیا حضرت موسیٰؑ کی طرف قتل کی نسبت نہیں دی؟ کیا جناب رسالتمآبؐ کی طرف زید کے معاملے کی نسبت نہیں دی؟ کیا علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف واقعۂ قطیفہ کی نسبت نہیں دی؟

(ان سب تہمتوں سے کتب سوادِ اعظم مملو ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان لوگوں نے ایسی باتوں سے اسلام کی توہین چاہی تھی تاکہ لوگ اپنے پچھلے پاؤں (کفر کی طرف) واپس چلے جائیں۔ خدا ان کی آنکھوں کو نابینا کرے جنہوں نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ ''خدائے تعالیٰ ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔''

خدائے تعالیٰ کے صفات اور ذات ایک ہی چیز ہے

۵۵۔ ن۔ ید۔ لی ...... حسین بن خالد سے مروی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

وہ کہتے ہیں، میں نے جناب امام رضا علی بن موسیٰ علیہ السلام کو سنا وہ فرماتے تھے:

''خداوند تبارک وتعالیٰ ہمیشہ سے ہی عالم، قادر، حی، قدیم، سمیع اور بصیر ہے۔''

میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے عالم تو ہے، مگر علم کے ذریعے سے، اور قدرت کے ذریعے سے قادر ہے۔ حیوۃ کے ذریعے سے حی ہے قدامت کے ذریعے سے قدیم ہے۔ قوت سامعہ کے ذریعے سے سننے والا ہے۔ قوت باصرہ کے ذریعے سے دیکھنے والا ہے (یعنی یہ سب صفتیں جدا جدا، خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔''

آپؑ نے فرمایا: جو شخص اس بات کا قائل ہے اور جو یہ مذہب رکھتا ہے اس نے ایک خدا کے ساتھ بہت سے خدا مان لیے۔ (کیونکہ جب یہ صفات اس کے، اس کی ذات کے علاوہ ہوئے تو یقیناً اس کی ذات کے ساتھ ساتھ موجود ہوں گے ورنہ لازم آئے گا کہ کسی وقت وہ عالم نہ رہا ہو۔ کسی وقت قادر نہ رہا ہو۔ کسی وقت سمیع و بصیر نہ رہا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اور جب یہ صفات اس کی ذات کے ساتھ ساتھ ہوئے اور ذات اس کی قدیم ہے، تو یہ صفات بھی قدیم ہوں گے۔ لہٰذا بہت سے قدیم ہو جائیں گے۔ ایک اللہ، دوسرے اس کا علم، تیسرے اس کی قدرت چوتھے اس کی سماعت، پانچویں اس کی بصارت، چھٹے اس کی حیات، الیٰ غیر ذٰلک، اور جب اتنے قدیم جمع ہو جائیں گے تو لازم آئے گا کہ سب خدا بھی ہوں، کیونکہ خدا وہی ہے جو واجب الوجود ہو، اور یہ سب صفات واجب الوجود ہیں۔ لہٰذا یہ سب خدا ہوئے۔ یہاں ایک خدا کا رونا پڑا تھا، یہ تو بہتیرے خدا نکل آئے۔) (نعوذ باللہ من ذٰلک)

(اس موقع پر فلسفیانہ تقریر ایک اور بھی ہو سکتی ہے مگر اشکال کی وجہ سے چھوڑتا ہوں۔)

Presented by Ziaraat.Com

حضرت فرماتے ہیں۔ ایسا شخص ہمارا دوست نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا۔ ہمیشہ سے خدائے تعالیٰ اپنی ذات مقدسہ سے عالم ہے، قادر ہے، حی ہے، قدیم ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔ (ان صفات میں سے کوئی صفت اس کی ذات سے زائد نہیں ہے۔) مشرکین و مشبہین جو کہتے ہیں اس سے ہمارا پروردگار بہت بالاتر ہے۔"

۵۶۔ ید ...... ابوبصیر سے مروی ہے کہ:

میں نے ابوعبداللہ جناب صادقؑ کو سنا۔ وہ جناب فرماتے تھے..... خدائے تعالیٰ ہمیشہ سے اس طرح پر ہے کہ:

- علم، اس کی عین ذات ہے۔ (وہ عالم تھا) جبکہ کوئی معلوم نہ تھا۔
- سمع، (سماعت) اس کی عین ذات ہے جبکہ کوئی سماع (قابل سماعت) نہ تھا۔
- بصر، اس کی عین ذات ہے جبکہ کوئی مبصر (دیکھنے کے قابل چیز) نہ تھا۔
- قدرت، اس کی عین ذات ہے جبکہ کوئی مقدور (جس سے قدرت متعلق ہو اور قدرت کا اثر قبول کرے) نہ تھا۔

پھر جب اس نے اشیائے عالم کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم ذاتی اس پر واقع ہوا اور سماعت ذاتہ مسموع پر واقع ہوئی۔ اور بصارت ذلتہ مبصر پر واقع ہوئی اور قدرت ذاتہ مقدور پر واقع ہوئی۔

راوی کہتا ہے، میں نے کہا، تو پروردگار ہمیشہ سے متکلم بھی تھا۔

آپ نے فرمایا، کلام ایک صفت حادثہ ہے ذاتی صفت نہیں (بلکہ اسے خدا نے پیدا فرمایا ہے۔ اور جس چیز میں چاہتا ہے قوت کلام پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ سے بات کرنے کے لیے درخت میں آواز اور گفتگو پیدا کر دی۔ اسی معنی سے اس کو متکلم کہتے ہیں نہ

Presented by Ziaraat.Com

یہ کہ وہ منہ سے بولتا ہے)۔

عِلم

۵۷۔ مــن...... ابنِ حازم کہتے ہیں:

میں نے جناب ابوعبداللہ سے دریافت کیا۔ کیا ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز آج پیدا ہوئی ہے وہ علم خدا میں نہ رہی ہو؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ چیز علم خدا میں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے تھے۔

۵۸۔ یـــــد...... صیقل نے جناب ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے...... آپ نے فرمایا۔ ''ان اللّٰہ علم لا جھل فیہ'' اللہ تعالیٰ ہمہ علم ہے اس میں مطلق جہالت نہیں۔ حیوۃ لا موت فیہ۔ ہمہ زندگی ہے اس میں موت بالکل نہیں۔ نور لا ظلمۃ فیہ بالکل نور ہے، اس میں ظلمت مطلق نہیں۔

۵۹۔ فــس...... خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ (سورۂ لقمان ۳۱ آیت ۳۴)

''بیشک خدا ہی کو قیامت[1] کا علم ہے اور وہ مینہ[2] برساتا ہے اور جانتا[3] ہے کہ رحموں کے اندر کیا ہے۔ (لڑکا ہے یا لڑکی یا خنثیٰ ہے یا کچھ نہیں) اور کوئی[4] شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور[5] کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا؟

Presented by Ziaraat.Com

جناب صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو نہ مَلَکِ مقرب جانتا ہے نہ نبیٔ مرسل (یعنی بغیر خدا کے بتائے ہوئے) یہ خاص خدائے عزوجل کے صفات میں سے ہیں۔

۶۰۔ یــد...... عبداللہ بن سنان نے تفسیر آیۂ" وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ " "اللہ تعالیٰ کی کرسی آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔" میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبداللہؑ نے ارشاد فرمایا کہ؛

تمام آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے کرسی وعرش میں ہے (کرسی وعرش سے کیا مراد ہے) وہ (اللہ تعالیٰ کا) علم ہے جس کا کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔

۶۱۔ یــــد...... عبداللہ بن عامر نے ربعی بن ابی خطاب سے روایت کی ہے۔ اس نے جعفر بن بشیر سے، اس نے زریس سے، اس نے ابوجعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) سے، آپؑ نے فرمایا:

پروردگار کے علم دو قسم کے ہیں: ایک علم مبذول، دوسرا علم مکفوف۔ لیکن علم مبذول تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے فرشتے اور پیغمبر نہ جانتے ہوں، اور ہم نہ جانتے ہوں۔ (یعنی جن جن چیزوں کا علم مبذول ہے یعنی خدا نے اس کا علم اوروں کو عطا کیا ہے ان میں سے ہر شئے کا علم ہم کو بھی ہے اور علم مکفوف، خاص خدا کے پاس ہے، جو علم اُم الکتاب ہے (غالباً اس سے مراد لوح محفوظ ہے اس کا علم کسی دوسرے کو نہیں ہے۔)

یــد...... جناب ابوعبداللہ علیہ السلام سے فُضیل نے روایت کی ہے کہ:

حضرت نے فرمایا، خدائے تعالیٰ کا ایک تو وہ علم ہے جسے اس کے فرشتے اور اس کے

Presented by Ziaraat.Com

انبیاء و رُسل جانتے ہیں اور اس کو ہم بھی جانتے ہیں۔ اور ایک وہ علم ہے جس کو اس کے فرشتے اور اس کے انبیاء و رُسل نہیں جانتے۔

قدرت اور ارادۂ پروردگار

۶۲۔ ن...... محمد بن عرفہ سے مروی ہے۔

کہتے ہیں کہ جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں، میں نے عرض کی۔ خدائے تعالیٰ نے تمام چیزوں کو قدرت سے پیدا کیا ہے یا قدرت کے سوا کسی اور چیز ہے۔ (گویا مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کوئی ایک چیز ہے جس سے اس نے اشیاء عالم کو پیدا کیا ہے۔)

آپؑ نے فرمایا، ایسا جائز (ممکن) نہیں ہے کہ اس نے اشیاء کو قدرت سے پیدا کیا ہو کیونکہ جب تم کہتے ہو قدرت سے چیزوں کو پیدا کیا (جیسے قلم سے خط لکھا۔ چاقو سے قلم بنایا۔) تو گویا تم قدرت کو اس کے علاوہ کوئی اور چیز قرار دیتے ہو، اور اسے ایک آلۂ کار ٹھہراتے ہو جس سے اس نے چیزوں کو پیدا کیا۔ یہ کہنا کفر ہے (شرک ہے) اور جب تم کہتے ہو غیر قدرت سے اس نے چیزوں کو پیدا کیا، تو تم اس کی یہ صفت بیان کرتے ہو کہ اس نے اقتدار و تمکن سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ مگر اس میں قدرت نہیں ہے (یہ دونوں ہی صورتیں غلط ہیں۔ نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اس کی قدرت اس کے کام کا آلہ ہے اور اس کی ذات سے علیحدہ کوئی شئے ہے، اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ بغیر قدرت کے اس نے کام کیا ہے کیونکہ اس صورت میں نفیٔ قدرت لازم آئے گی۔)

لیکن وہ نہ تو ضعیف ہے نہ عاجز ہے اور نہ اپنے غیر کا محتاج ہے بلکہ وہ پاک پروردگار اپنی ذات سے قادر ہے (خود اس کی ذات قادر ہے) نہ یہ کہ قدرت کے ذریعے سے قادر ہے۔ (ورنہ اس کا محتاج ہونا لازم آئے گا کیونکہ قدرت جب اس کی ذات سے الگ اور

Presented by Ziaraat.Com

ایک آلہ کار ٹھہری اور وہ اپنے واسطے اس آلہ سے مدد لینے لگا تو اس کا محتاج ہوا کیونکہ بغیر اس کے کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اور محتاج ہونا خدائے تعالیٰ کا محال ہے۔ لہٰذا اس کی قدرت کا اس کی ذات سے علیحدہ کوئی اور چیز ہونا بھی محال ہے۔

(پس معلوم ہوا کہ قدرت اس کی عین ذات ہے)

۶۳۔ یـــــد۔ ن...... بن ادریس نے اپنے باپ سے، اس نے محمد بن عبدالجبار سے، اس نے صفوان بن یحییٰ سے روایت کی ہے:

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے عرض کی آپ مجھے ارادۂ خدائے عزوجل اور ارادۂ خلق سے خبر دیجئے (یعنی ان دونوں کا فرق اور ان دونوں کے معنی بتایئے)

تو آپ نے فرمایا، مخلوق کا ارادہ تو ضمیر (جو بات دل میں آتی ہے) ہے اور اس کے بعد جو کام اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے (یعنی جسے وہ کرنا چاہتا ہے مطلب یہ ہوا کہ مخلوق یعنی انسان وغیرہ جو ارادہ کرتے ہیں تو پہلے دل میں ایک قصد پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد جس کام کا قصد ہوتا ہے وہ کام اس پر مترتب ہوتا ہے)۔

لیکن اللہ عزوجل کا ارادہ (صرف) اس کا (کسی چیز کو) پیدا کر دینا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ غور و فکر کرتا ہے اور نہ وہ سوچتا ہے۔ نہ تفکر کرتا ہے (بس کسی چیز کا پیدا کر دینا یہی اس کا ارادہ ہے) یہ صفات (فکر، غور اور تامل) اس سے منفی ہیں۔ یہ مخلوقات کی صفات ہیں۔ اللہ کا ارادہ تو بس فعل ہی ہے نہ کچھ اور۔ یہ کہ دیتا ہے ہو جا، وہ کام ہو جاتا ہے، نہ زبان سے لفظ نکالتا ہے۔ (کیونکہ اس کے زبان ہی نہیں) اور نہ زبان سے بولتا ہے۔ نہ سوچتا ہے۔ نہ فکر کرتا ہے اور نہ اس کے ارادے کی کوئی کیفیت

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ جیسا کہ خود وہ بلا کیف ہے۔ (اس میں کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی، کیونکہ کیفیت عرض ہے جیسے، نرمی، سختی، گرمی سردی، رطوبت یبوست، ملاحت خشونت وغیرہ اگر ایسی چیزیں ذاتِ پروردگار میں پائی جائیں تو لامحالہ وہ محل حوادث ہو جائے گا اس لیے خود بھی حادث ہو گا حالانکہ وہ واجب الوجود ہے۔)

ذاتِ خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے بس وہ ایک خالق ہے

خداوند عالم خود فرماتا ہے: قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (سورۂ رعد ۱۳:۱۶)

وَاَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قدیرا (سورۂ زمر ۳۹:۶۲)

۶۴۔ یــــد...... جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے عبداللہ بن سنان نے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

فی الربوبیت العظمی والالٰهیة الکبری لا یکون الشی۔ لامن شیء الا الله ولا ینقل الشی۔ و من جوهریته الی جوهر اخر الاالله ولا ینقل الشی۔ من الوجود الی العدم الا الله

یعنی ''علم ربوبیہ عظمیٰ اور الٰہیہ کبریٰ میں (یہ بات ثابت ہے) کہ بغیر مادہ وصورۃ کے کوئی نہیں پیدا کر سکتا، مگر اللہ۔ اور نہ کسی شئے کو اس کی جوہریت سے دوسرے جوہر کی طرف منتقل کر سکتا ہے مگر اللہ، اور نہ کسی شئے کو وجود سے عدم کی طرف لاسکتا ہے مگر اللہ'' (یعنی جس قدر بھی

Presented by Ziaraat.Com

چیزیں موجود سے عدم میں جاتی۔ یا عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خواہ
مادہ سے ہوں یا بلا مادہ وہ سب خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔)

۶۵۔ یــــــد...... زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے سنا جناب صادق علیہ السلام سے کہ فرماتے تھے:

ان تبارك و تعالىٰ خلو من خلقه و خلقه خلو منه و كل ما وقع عليه اسم شيء ما خلا الله فهو مخلوق والله خالق كل شيء تبارك الذي ليس كمثله شيء

اسمائے پروردگارِ عالم

کتاب التوحید صادق: قطان نے ابن زکریا قطان سے، اس نے حبیب سے، اس نے ابن بہلول سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے ابوالحسن عبدی سے، اس نے سلیمان بن مہران سے، اس نے حضرت امام جعفر صادق بن محمد باقر علیہما السلام سے، انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار محمد بن علی سے، انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار حسین بن علیؑ سے، انہوں نے اپنے پدرِ عالی قدر علی بن ابی طالب علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ:

ارشاد فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

''بیشک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم ہو جو ان تمام ناموں کا احصاء کرے گا (بظاہر مطلب یہ ہے کہ ان کے معانی پر اطلاع حاصل کرے گا اور ان کے معانی کو سمجھے گا) وہ جنت میں داخل ہو گا وہ یہ ہیں:

Presented by Ziaraat.Com

الله

الاله	الواحد	الاحد	الصمد	الاول
الاخر	السميع	البصير	القدير	القاهر
العلى	الاعلى	الباقى	البديع	البارى
الاكرم	الظاهر	الباطن	الحى	الحكيم
العليم	الحليم	الحفيظ	الحق	الحسيب
الحميد	الخفى	الرب	الرحمن	الرحيم
الذارى	الرازق	الرقيب	الرؤف	الرائى
السلام	المومن	المهيمن	العزيز	الجبار
المتكبر	السيد	لاسبوح	الشهيد	الصادق
الصانع	الطاهر	العدل	الغفور	الغنى
الغياث	الفاطر	الفرد	الفتاح	الفالق
القديم	الملك	القدوس	القوى	القريب
القيوم	القابض	الباسط	المولى	القاضى الحاجات
المجيد	المنان	المحيط	المبين	المقيت
المصور	الكريم	الكبير	الكافى	كاشف الضر
الوتر	النور	الوهاب	الناصر	الواسع
الودود	الهادى	الوفى	الوكيل	الوارث
البر	الباعث	التواب	الجليل	الجواد
الخبير	الخالق	خيرالناصرين	الديان	الشكور
	العظيم	اللطيف	الشافى	

Presented by Ziaraat.Com

جوامع توحید

نهج البلاغۃ : جناب امیر المومنین علیہ السلام نے حمد پروردگار اور اس کے صفات کے بیان میں کیا ارشاد فرمایا ہے:

''تمام تعریفیں اس معبود حقیقی کے لیے ہیں جسے حاسے ادراک نہیں کر سکتے اور نہ جگہیں اس کو محیط ہو سکتی ہیں (یعنی اس کے لیے مکان نہیں) نہ اس کو آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ اپنی قدامت سے اپنی مخلوقات کے حادث ہونے کو بتاتا ہے اور اپنی مخلوقات کے حدوث سے اپنے وجود کو، اور ان کے باہم آپس میں مشابہ ہونے سے اس بات کو بتاتا ہے کہ اس کا کوئی مشابہ نہیں۔ وہ ایسا ہے کہ وعدہ اس کا سچا ہے اور اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اپنی مخلوقات میں انصاف قائم کیا ہے اور اپنے فیصلہ کرنے میں ان پر عدل کا برتاؤ کرتا ہے۔ اشیاء عالم کے حدوث سے اپنی ازلیت کا گواہ لایا ہے (اشیاء عالم کا حدوث اس کی ذات مقدسہ کی ازلیت کا گواہ ہے) اور ان (اشیاء) پر عاجزی کا نشان لگانے سے اپنی قدرت پر اور ان کو فنا پر مجبور کرنے سے اپنے دوام پر (یعنی اشیاء عالم کا فانی ہونا اس بات کا گواہ ہے کہ خود وہ باقی و دائم ہے)۔

واحد ہے، مگر واحد عددی نہیں۔ دائم (ہمیشہ رہنے والا) ہے مگر کسی حد و غایت تک نہیں۔ قائم ہے مگر کسی کے سہارے پر نہیں، ذہن اسے سمجھتے تو ہیں مگر شعور و احساس سے نہیں۔ مناظر اشیاء اس کے گواہ ہیں، مگر نہ اس طور پر کہ وہ ان کے اندر حاضر ہو۔ وہم اسے احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس نے خیالات پر جلوہ تو کیا۔ (یعنی اپنی قدرت کے آثار ان میں دکھائے) اور انہیں اپنے تئیں نہ بتایا۔ (یعنی خیالات و اوہام صرف اس کی قدرت کے جلوے کو تو دیکھ سکے مگر اس کی کنہ ذات کے معلوم کرنے سے عاجز رہے۔) اور ان کا

Presented by Ziaraat.Com

فیصلہ خود انہی پر چھوڑ دیا۔ وہ بڑا (سا جسم) نہیں جس کی (حدود جسم) دراز ہوں اور اس کو بڑا سا جسم بنا دیا ہو۔ اور نہ ایسا عظیم ہے کہ اس کے (جسم کی) انتہائیں کسی حد پر ختم ہوئی ہوں، اور اس کو کوئی عظیم المقدار جسم بنا دیا ہو۔ بلکہ شان اس کی بڑی ہے اور غلبہ اس کا عظیم ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے، اس کے منتخب رسول اور پسندیدہ امین ہیں۔ خداوند عالم ان پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائے۔ اس نے انہیں لازم حجتیں اور بیّن فتح اور واضح طریقہ دے کر بھیجا تھا، تو انہوں نے رسالت کے کام کو پورا کر دیا۔ اسے خوب واضح کیا، روشن طریقے پر لوگوں کو گامزن کر دیا۔ اس طریقے (مذہب اسلام) کی لوگوں کو ہدایت فرما کر روشنی کے مینار (عمدہ دلیلیں) قائم کیے۔ اسلام کی رسیوں کو مضبوط کر دیا اور ایمان کے راستوں کو مستحکم بنا دیا۔

☪

یــــد ۔ ن...... جناب امام رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ: امیر المومنین علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''تمام (حمد) تعریفیں اس معبود برحق کے لیے مخصوص ہیں جو کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ کسی چیز سے موجودات کو پیدا کیا (کیونکہ مادہ جس کو تمام چیزوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے، یہ خود بلا مادہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا خود کوئی مادہ نہیں ورنہ مادے کے لیے مادے کا ہونا لازم آئے گا اور تسلسل قائم ہو جائے گا جو محال ہے) اشیاء کے حدوث کو اپنی ازلیت کا گواہ قرار دیا، اور ان کی عاجزی کو اپنی قدرت کا گواہ بنایا اور ان کے ضروری فنا ہونے کو اپنے دوام کا گواہ قرار دیا۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں تاکہ مکانیت سے اس کا ادراک ہو سکے اور نہ اس کی صورت و شبیہ ہے جس کی وجہ سے کسی کیفیت سے اس کا وصف کیا جا سکے، اور نہ کسی چیز سے غائب ہے کہ حیثیت (کہاں سے) سے اس کا علم حاصل کیا

Presented by Ziaraat.Com

جائے۔ (مثلاً یہ کہیں کہ اس میں خدا نہیں ہے تو کہاں ہے؟ فلاں جگہ ہے۔ یہ بات خدائے تعالیٰ کی نسبت نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ وہ جگہ اور مکان سے مستغنی ہے) جتنی چیز کو اس نے پیدا کیا ہے ان سب سے صفات میں مبائن و مغائر ہے (کسی مخلوق میں اس کی صفت نہیں) ذوات اشیاء کے تغیرات کو از سر نو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کا ادراک محال ہے (کیونکہ ہم دنیا کی جتنی چیزیں دیکھتے ہیں سب کو متغیر پاتے ہیں اور وہی تغیر ان اشیاء کی معرفت کا ذریعہ ہے۔

پس پروردگار کی کنہ حقیقت کا کیوں کر ادراک ہوسکتا ہے جس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل اپنی کبر وعظمت کی وجہ سے تمام گردش حالات سے خارج ہے۔ بڑے کامل اور در آنے والے ذہنوں کو بھی اس کی حقیقت ذات معلوم کرنا حرام (ناممکن) ہے اور بڑے روشن اور عمیق غور وفکر کو بھی اس کی کیفیت معلوم کرنا محال ہے۔ اس کی عظمت کو مکانات احاطہ نہیں کر سکتے، اور بڑے بڑے غور ونظر کے سمندر میں غوطہ زن بھی اس کی صورت کو اپنے خیال میں نہیں لا سکتے۔ اور نہ اس کے جلال کو مقداریں گھیر سکتی ہیں اور نہ اندازے اس کی کبر و بزرگی کو جدا جدا کر سکتے ہیں۔ (یعنی اس کی حقیقت ذات کا اندازہ نہیں ہوسکتا) وہم و گمان سے اس کی کنہ کا معلوم کرنا محال ہے۔ اور فہموں سے اس کا استغراق ناممکن ہے اور ذہنوں سے اس کی تصویر قائم کرنا ممتنع ہے۔ بلند عقلیں بھی اس کا احاطہ کرنے سے مایوس ہوگئی ہیں اور علموں کے دریا بھی اس کی حقیقت ذات کی طرف اشارہ کرنے سے خشک ہو گئے ہیں۔ اور لطیف مناظرے اس کی قدرت کے وصف کی بلندی تک پہنچنے سے ذلت کے ساتھ آئے ہیں۔ یکتا ہے مگر عددی یکتا نہیں۔ ہمیشہ رہنے والا ہے مگر کسی حد تک نہیں۔ قائم ہے مگر کسی سہارے سے نہیں۔ وہ کوئی جنس نہیں جس کی ہمسر اور جنسیں ہوسکیں۔ وہ صورت و تصویر نہیں کہ اور صورتیں اس کے برابر ہوسکیں۔ وہ

مثل اور اشیاء کے نہیں کہ اس پر صفات واقع ہوسکیں (یعنی اس کی صفتیں بیان ہوسکیں) ادراک کے موجزن دریا کی لہروں میں عقلیں گم گشتہ راہ ہوگئی ہیں اور خیالات اس کی ازلیت کے احاطے سے حیران ہیں۔ فہم اس کی قدرت کے بیان کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کی ملکوت کے آسمانوں کے لجّوں میں ذہن میں غرق ہوگئے ہیں۔

وہ اپنی نعمتوں کے ذریعے سے با اقتدار ہے۔ اپنی کبر و بزرگی کے ذریعے سے ممتنع ہے (ناممکن ہے کہ اس تک دسترس ہو سکے) تمام چیزوں کا مالک (اور ان پر قابض ہے) نہ زمانہ اسے کہنہ کرتا ہے اور نہ کوئی وصف اسے احاطہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے اونچے پہاڑ اس کے سامنے اپنے انتہائی قرار میں جھکے ہوئے ہیں۔ مضبوط اسباب سماوی اپنے بلند قطروں میں اس کی معبودیت کا اقرار کیے ہوئے ہیں۔ تمام قسم کی چیزوں سے اس نے اپنی ربوبیت کی گواہی لے لی ہے اور ان کی عاجزی کو اپنی قدرت کا گواہ قرار دیا ہے، اور ان کے فطور و فنا (پیدائش و موت) کو اپنی قدامت کا اور ان کے زوال کو اپنی بقاء کا شاہد بنالیا ہے۔ پس انہیں (موجوداتِ عالم کو) اس سے کوئی چارہ نہیں کہ وہ ان کو (جب چاہے) پالے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے احاطہ (قدرت) سے نکل جائیں، اور نہ یہ کہ اس کے احصاء (و شمار) سے پوشیدہ رہ جائیں، اور نہ یہ کہ اس کی قدرت اور اس کی دسترس) ان پر محال ہو جائے۔ (کوئی چیز کتنی بڑی، بزرگ یا دشوار کیوں نہ ہو مگر خدائے تعالیٰ اس پر قادر ہے اور جس طرح چاہے اس میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے) ان موجودات کی خوبی صنعت (اس کے وجود و قدرت کی) ایک دلیل ہے۔ اور ان کی مرکب طبیعتیں (اس کے وجود کی) بُرہان ہیں اور ان کے طبائع کا حادث ہونا اس کی قدامت و ازلیت کا ثبوت ہے، اور ان میں جو کاریگریاں ہیں ان کا محکم ہونا (عقل والوں کے واسطے) عبرت ہے۔ پس نہ تو اس کی طرف کوئی حد منسوب کی جا سکتی ہے اور

Presented by Ziaraat.Com

نہ اس کی کوئی مثل بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی شئے اس سے پوشیدہ ہے۔ مثالوں اور مخلوقہ صفتوں سے بہت بالاتر ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، اس کی ربوبیت پر ایمان لاتا ہوں اور اس کے نہ ماننے والوں کا مخالف ہوں۔ اور ...... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ تھے۔ ایک اچھے مستقر پر ٹھہرائے گئے تھے۔ کریم صلبوں اور پاک رحموں سے پیدا ہوئے تھے۔ شریف الاصل معاون اور افضل منابت سے پیدا کیے گئے تھے۔ بڑی بلند چوٹی اور بڑی معزز اصل (خاندان) سے تھے۔ اس شجر سے پیدا ہوئے تھے جس سے اللہ نے انبیاء کو ڈھالا (پیدا کیا) تھا اور جس سے اپنے امینوں کو منتخب کیا تھا، جس کی لکڑی خوشبودار تھی (استعارات و کنایات ہیں) جس کی عمود سیدھی تھی، جس کی چوٹیاں بلند تھیں۔ جس کی شاخیں تر و تازہ تھیں، جس کے پھل پختہ تھے، جس کا باطن کریم تھا، جو زمین کرم میں لگایا گیا تھا، اور جو حرم میں اگایا گیا تھا اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی تھیں، وہیں پھلا تھا معزز ہوا تھا، وہیں ایسا ہوا تھا کہ اس پر دسترس ناممکن ہوگئی تھی۔ وہیں بلند ہوا اور وہیں بہت اونچا ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے ان کو روح امین (جبرئیل فرشتہ خدا) کے ذریعے سے (کہ ان کو ان کے پاس نازل فرمایا) اور نور روشن کنندہ (قرآن مجید) اور کتاب مستبین کی وجہ سے مکرم کیا ان کے لیے براق کو مسخر کیا، ان سے فرشتوں نے مصافحہ کیا۔ ان کے ہاتھ سے شیطانوں کی ناک رگڑوائی۔

ان کے ذریعے بتوں اور دیگر پرستش کیے ہوئے (مصنوعی) خداؤں کو منہدم کیا۔ سنت ان کی رُشد ہے سیرت ان کی عدل تھی، فیصلہ ان کا حق ہوتا تھا۔ جو کچھ بھی ان کے پروردگار نے ان کو حکم دیا اس کو ظاہر فرمایا، جو کچھ بھی ان سے خدائے تعالیٰ نے

Presented by Ziaraat.Com

اٹھوایا (یعنی احکام) اسے (خلق تک) پہنچا دیا، یہاں تک کہ توحید کی خوب واضح دعوت دی خلق میں ظاہر کر دیا کہ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وحدانیت خالص (طور پر) مانی جانے لگی اور ربوبیت صاف ہوگئی (ہر شخص سمجھ گیا کہ واقعی خدائی اور ربوبیت کیا چیز ہے) اور اللہ نے (بھی) توحید کے ساتھ ان کی حجت کو ظاہر فرمایا، اور اسلام سے ان کا درجہ بلند کیا، اور اللہ عزوجل نے اپنی نبی کے لیے وہ روح اور وہ درجہ اور وہ وسیلہ منتخب کر کے دیا جو اس کے پاس ہے، ان پر اور ان کی آل پر اللہ رحمت نازل فرمائے۔"

Presented by Ziaraat.Com

خلاصہ ان تمام بیانات کا جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے ہم تک پہنچا ہے یہ ہوا کہ

اللہ عزوجل۔ واحد ہے	دو نہیں ہو سکتے۔
قدیم ہے	حادث نہیں ہے۔ نیز یہ کہ دو باتیں قدیم نہیں ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ خدا عیسیٰؑ اور روح القدس تینوں قدیم ہیں۔
علیم ہے۔	جاہل نہیں ہے۔
قادر ہے۔	بے اختیار نہیں ہے۔
سمیع و بصیر و مدرک ہے	ناواقف نہیں ہے۔
تمام صفات حقیقیہ اس کی عین ذات ہیں۔	کوئی صفت اس کی ذات سے علاوہ اس میں لگی ہوئی نہیں ہے ورنہ اس کا حدوث لازم آئے گا۔
اس کے لیے کوئی مکان نہیں	وہ مکان سے مستغنی ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ حضرات اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ وہ عرش پر ہے۔
اس کے لیے جسم نہیں ہے۔	ورنہ وہ مرکب ہو جائے گا اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے یعنی عدم سے وجود میں آیا ہوا ہوتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ ایسا نہیں کہ پہلے معدوم رہا ہو پھر موجود ہو گیا ہو۔
وہ زمانی نہیں ہے۔ اس کا اوّل و آخر نہیں۔ خود ہی اوّل ہے خود ہی آخر ہے۔	ہر زمانے کو اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر زمانے سے مقدم ہے۔ کوئی چیز نہ تھی جب بھی وہ موجود تھا، جب کچھ نہ رہے گا تب بھی وہ موجود رہے گا۔
ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے۔	یہاں تک کہ مادہ بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس میں تغیر نہیں ہے۔	کیوں کہ یہ صفت مخلوقات وحوادث کی ہے۔
وہ واجب الوجود ہے۔	ماسوا اس کے سب ممکن الوجود ہیں۔
وہ دکھائی نہیں دے سکتا۔	کیوں کہ نہ وہ جسم ہے نہ رنگ ہے، نہ عرض ہے نہ جوہر ہے بلکہ ان سب سے مبائن کوئی چیز ہے جسے عقل ادراک نہیں کر سکتی۔
اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔	لہٰذا یہ غلط ہے کہ پروردگار ایک مرد نوجوان کی شکل کا ہے۔
وہ کبھی پہلے آسمان پر نہیں اُترتا۔	جیسا کہ امام مالک اور بہت سے اہلسنت کا خیال ہے۔
وہ کسی میں حلول نہیں کرتا۔	اہل تصوف کہتے ہیں کہ ان میں خدا حلول کرتا ہے بلکہ کتے، بلی میں بھی حلول کرتا ہے، اور ہنود کی کتابوں میں بھی ایسا میں نے دیکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آدمی میں حلول کیا، اور روح انسانی دراصل خدا ہے۔ مگر یہ محض خیال خام ہے جو غلط ہے۔
اس کی حقیقت کو کوئی عقل ادراک نہیں کر سکتی۔	اس وجہ سے کہ عقل صرف ان چیزوں کو معلوم کر سکتی ہے جنہیں حاسوں نے ادراک کیا ہو۔ اور حاسے صرف اُن چیزوں کو محسوس کر سکتے ہیں جن میں کیفیات پائی جاتی ہیں مثلاً رنگ، یا مزا یا گرمی سردی سختی نرمی وغیرہ، اور یہ سب چیزیں حادث اور عارضی ہیں۔ خدائے تعالیٰ میں ان کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حاسے اس کو نہیں معلوم کر

Presented by Ziaraat.Com

سکتے۔ اور جب حاسے اس کے ادراک سے عاجز ہوئے
تو عقل بھی اس کی حقیقت و کُنہ کو نہیں معلوم کر سکتی، البتہ
عقل اس کے وجود کو اس کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی
مصنوعات کی خوبیاں پہچان کر معلوم کر سکتی ہے جس
طرح انسان اپنی روح کے وجود کو اس کے آثار دیکھ کر
معلوم کرتا ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ کے وجود کو اس
کے آثار قدرت دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے مگر اس کی
حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی۔ جس طرح آج تک کسی کو
روح اور عقل کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی۔ عقل اپنے تئیں
خود نہ معلوم کر سکی کہ میں کیا ہوں، پھر خدائے تعالیٰ جل
ذکرہٗ کو کیا معلوم کر سکتی ہے۔

نوٹ: اس کتاب میں جا بجا یـــد ،لـــی ۔ج۔ ن وغیرہ الفاظ ہیں ان سے کتاب کا نام مقصود ہے یعنی یــد سے مراد کتاب توحید صدوقؒ ہے۔ ن، سے مراد کتاب عیون الاخبار ہے۔ لـــی ، سے مراد امالی الصدوق ہے ۔ج، سے مراد نہج البلاغۃ اور علیٰ ہذا القیاس۔

Presented by Ziaraat.Com